بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجموعہ رسائل

جلد اول

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ادارہ خدام احناف

285 جی ٹی روڈ باغبانپورہ لاہور پاکستان

فون: 042-6862816

نام کتاب	مجموعہ رسائل جلد اول
تالیف	............مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی
کمپیوٹر کتابت	............الرحمٰن کمپیوٹرز لاہور
ضخامت	.... 464 صفحات
تاریخ اشاعت اول	............اکتوبر 2000ء
تعداد	گیارہ سو
قیمت	............130/ روپے
ناشر	ادارہ خدام احناف 285 جی ٹی روڈ باغبان پورہ لاہور

......چند ملنے کے پتے......

☆ جامعہ حنفیہ قادریہ 285 جی ٹی روڈ باغبانپور، لاہور
☆ مکتبہ قاسمیہ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ العارفی۔ فیصل آباد
☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
☆ مکتبہ حنفیہ جامعہ حنفیہ بورے والا
☆ ظفر بک سنٹر، باغبانپورہ لاہور
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ امدادیہ ملتان
☆ مکتبہ مجیدیہ بوہڑ گیٹ ملتان
☆ ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور
☆ کشمیر بک ڈپو چنیوٹ بازار فیصل آباد
☆ مکتبہ صدیقیہ نور محل روڈ بہاول پور
☆ عمران اکیڈمی 40/B اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ امام اعظمؒ یوسف مارکیٹ اردو بازار لاہور

انتساب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقصود کائنات، فخر موجودات، محبوب رب الارض والسماوات رحمۃ اللعالمین سید الاولین والآخرین امام الانبیا والمرسلین سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس مطہر نامِ نامی اسم گرامی سے منسوب کرتا ہوں۔ جنکے صدقے سے اس امت کو فقاہت کی نعمت عظمیٰ، دولت بے بہا ملی! جنہوں نے ارشاد فرمایا کہ شیطان پر ایک فقیہ ہزار عابد سے بھاری ہے۔ جنہوں نے فقہ دین کو اللہ کی طرف سے خیر ہی خیر فرمایا۔ جنہوں نے اس امت میں اپنے علم وفقاہت کی اشاعت کے لئے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے آنے کی بشارت ارشاد فرمائی۔

اور

معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دو عظیم شاگردوں کے نام جن سے امت کو علم فقاہت نصیب ہوا۔

یعنی قاضی امت، باب مدینۃ العلم والحکمۃ خلیفہ رابع فقیہ اعظم

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

اور

قاتل ابوجہل فقیہ اُمت صاحب السواک والنعلین

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

کے نام

(مولانا) محمد امین صفدر اوکاڑوی

حرف اول

نصلی و نسلم علیٰ رسوله الکریم امابعد۔
م! مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی دامت
سے کون واقف نہیں جنہوں نے اہلسنت والجماعت حنفی مسلک
ردیا جن کی محنت سے اہلسنت والجماعت مسلک کے علماء کو باطل
بات کرنے کا حوصلہ ملا اور آج باطل فرقوں عیسائیت،
صوصاً غیر مقلدین کو اہلسنت پر جارحانہ اٹیک کرنے سے روک
اکر دیا ہے۔ پہلے وہ اہلسنت پر سوالات کرتے اور جواب کا
نت عوام جنہوں نے مولانا کی تقاریر سنیں یا ان کی کتب پڑھیں
ن کا ناطقہ بند کر دیا ہے اہلسنت کا کوئی فرد جو زیادہ علم نہ بھی رکھتا
ین سے سوالات کر کے ان سے ان کے جوابات کا مطالبہ کرتے
لدین جو مولانا کے کہنے کے مطابق چھوٹے رافضی ہیں کبھی اس
ئیں گے۔
م! زیر نظر مجموعہ رسائل جو حضرت مولانا محمد امین صاحب صفدر
م کے ابتدائی رسائل ہیں ان کو پہلے مولانا کی اجازت سے
احباب نے شائع کیا جو چار جلدوں میں تھے اور ان میں پروف
لانا کے کہنے کے باوجود ناشر نے ان کی تصحیح نہیں کی تھی جس بنا پر
ی اغلاط کو سامنے رکھ کر مولانا پر طعن کرنے کا موقع ملا جس پر
طوط کے ذریعہ سے اہلسنت علماء اور عوام نے توجہ دلائی کہ ان کو
لیا جائے تو حضرت مولانا دامت برکاتہم نے خود بھی اور اپنے
مولانا منیر احمد صاحب دامت برکاتہم اور اپنے تلامذہ سے بھی
ن کر دی ہے اب امید ہے کہ پروف کی اغلاط بھی نہ ہونے کے

پ کسی مقام پر پروف کی غلطی دیکھیں تو ناشر کو مطلع فرمائیں نیز
ئل کی پہلے چار جلدیں تھیں اب چونکہ حضرت کے مضامین
کے نام سے بھی شائع ہو رہے ہیں اسلئے حضرت نے نظر ثانی
جو مضامین **تجلیات صفدر** میں آگئے ہیں ان کو
ئل سے نکال دیا جائے تاکہ عوام پر بوجھ نہ پڑے اسلئے اس
ں ہی شائع ہو رہی ہیں قارئین نوٹ فرمالیں اور مولانا کی طرف
ہ رسائل کے حقوق **طباعت ادارہ خدام احناف**
ں اسلئے کسی فرد واحد یا کسی انجمن و ادارہ کو یہ رسائل یا اس کا کوئی
کرنے کی اجازت نہیں۔

قاری جمیل الرحمٰن اختر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جو حوالہ سے شائع ہوتے تھے جس میں اغلاط بھی بہت زیادہ
مضامین بھی آگئے تھے جو تجلیات صفدر میں بھی تھے۔ اب جو بارہ
مکرر شائع ہو رہی ہیں تو ادارہ خدام احناف لاہور سے جو [illegible] جاری
سب چھپوا رہے ہیں۔ اس لئے میں نے خود بھی نظر ثانی کی ہے
اجازت دیتا ہوں۔ اور کوئی صاحب اس نام سے اور کسی اور نام
[illegible] نقصان کرے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔ اسے یہ [illegible] جلدوں

محمد امین صفدر اوکاڑوی
۲۰ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

رائے گرامی حضرت مولانا مفتی محمد ولی صاحب مدظلہٗ

مدرس و مفتی جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

فروعی مسائل میں اختلاف قدیم سے چلا آ رہا ہے جو کہ صرف علمی استدلال تک محدود رہا اور اس کی آڑ میں کسی کی تکفیر و تضلیل نہیں کی گئی۔ یہاں تک کہ انگریز کے دور میں ایک نئے فرقے نے جنم لیا۔ یہ پہلے پہل وہابی کے نام سے مشہور ہوا اور پھر انگریز نے ان کی خدمات کے سلسلے میں غیر مقلد مولوی محمد حسین بٹالوی کی کوششوں سے ان کو اہل حدیث کا لقب الاٹ کیا۔ یعنی

برعکس نہادند نام زنگی کافور۔

اس نومولود فرقے نے اختلافی مسائل کو اسلام اور کفر کا اختلاف قرار دیا اور آئے دن اہل السنۃ والجماعۃ کو چیلنج کرنے لگے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے علماء نے ان مسائل پر قلم اٹھایا اور اپنے مسلک کو کتاب وسنت کے مطابق ثابت کیا اور ان کے دام تزویر کو طشت از بام کر دیا۔ اس موضوع پر مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی مدظلہٗ نے بھی عمدہ رسائل تحریر فرمائے تھے جنہیں اہل علم کے اصرار پر یکجا کر کے عمدہ کتابت کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف اور ناشرین کو جزائے خیر دے اور امت مسلمہ کے لیے اس کو نفع بخش بنائے۔ آمین

ابو یوسف محمد ولی درویش غفرلہٗ

۵/۱۱/۱۴۱۳ھ

فہرست مضامین

تحقیق مسئلہ رفع یدین

تحقیق مسئلہ تراویح

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی شرعی حیثیت

نماز کے بارے میں غیر مقلدین کی غلط بیانیاں اور جھوٹ

مرد اور عورت کی نماز میں فرق

نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا

تحقیق مسئلہ تقلید

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال نمبر ۱: تقلید کا لغوی اور شرعی معنی کیا ہے؟

جواب: تقلید کا لغوی معنی

تقلید کا معنیٰ لغت میں پیروی ہے، اور لغت کے اعتبار سے تقلید، اتباع، اطاعت اور اقتداء سب ہم معنیٰ ہیں۔ تقلید کے لفظ کا مادہ قلادہ ہے۔ یہ قلادہ جب انسان کے گلے میں ڈالا جائے تو ہار کہلاتا ہے اور جب جانور کے گلے میں ڈالا جائے تو پٹہ کہلاتا ہے۔ ہم چونکہ انسان ہیں اس لیے انسانوں والا معنیٰ بیان کرتے ہیں اور جانوروں کو جانوروں والا معنیٰ پسند ہے۔

تقلید کا شرعی معنیٰ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تقلید کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلا دے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا“ (الاقتصاد ص ۵)

تقلید کی تعریف کے مطابق راوی کی روایت کو قبول کرنا تقلید فی الروایت ہے اور مجتہد کی درایت کو قبول کرنا تقلید فی الدرایت ہے۔ کسی محدث کی رائے سے کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف ماننا بھی تقلید ہے اور کسی محدث کی رائے سے کسی راوی کو ثقہ یا مجہول یا ضعیف ماننا بھی تقلید ہے۔ کسی امتی کے بنائے ہوئے اصول حدیث، اصول تفسیر، اصول فقہ کو ماننا بھی تقلید ہے۔

تقلید جائز اور ناجائز

جس طرح لغت کے اعتبار سے کتیا کے دودھ کو بھی دودھ ہی کہا جاتا ہے اور

بھینس کے دودھ کو بھی دودھ ہی کہتے ہیں۔ مگر حکم میں حرام اور حلال کا فرق ہے اسی طرح تقلید کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اگر حق کی مخالفت کے لیے کسی کی تقلید کرے تو یہ مذموم ہے جیسا کہ کفار و مشرکین، خدا اور رسول کی مخالفت کے لیے اپنے گمراہ وڈیروں کی تقلید کرتے تھے۔ اگر حق پر عمل کرنے کے لیے تقلید کرے کہ میں مسائل کا براہ راست استنباط نہیں کر سکتا اور مجتہد کتاب و سنت کو ہم سے زیادہ سمجھتا ہے۔ اس لیے اس سے خدا و رسول کی بات سمجھ کر عمل کرے تو یہ تقلید جائز اور واجب ہے۔

ا: کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے؟

صرف مسائل اجتہادیہ میں تقلید کی جاتی ہے اور حدیث معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جس کو نواب صدیق حسن خاں صاحب حدیث مشہور فرماتے ہیں۔ الروضہ الندیہ ج ۲ ص ۲۴۶) میں اجتہاد کا مقام متعین ہے کہ جو مسئلہ صراحۃً کتاب و سنت سے نہ ملے اس کا حکم رائے اور اجتہاد کے اصولوں سے کتاب و سنت سے مجتہد اخذ کرے گا۔

نوٹ: محدثین کا اصول حدیث بنانا، کسی حدیث کو صحیح، ضعیف کہنا کسی راوی کو ثقہ یا مجروح قرار دینا بھی ان کا اجتہاد ہے۔

ب: کن کی تقلید کی جائے؟

ظاہر ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں مجتہد کی ہی تقلید کی جائے گی اور مجتہد کا اعلان ہے کہ القیاس مظهر لا مثبت (شرح عقائد نسفی) کہ ہم کوئی مسئلہ اپنی ذاتی رائے سے نہیں بتاتے بلکہ ہر مسئلہ کتاب و سنت و اجماع سے ہی ظاہر کر کے بیان کرتے ہیں اور مجتہدین کا اعلان ہے کہ ہم پہلے مسئلہ قرآن پاک سے لیتے ہیں وہاں نہ ملے تو سنت سے، وہاں نہ ملے تو اجماع صحابہؓ سے، اگر صحابہؓ میں اختلاف ہو جائے تو جس طرف خلفائے راشدینؓ ہوں اس سے لیتے ہیں اور اگر یہاں بھی نہ ملے تو اجتہادی قاعدوں سے اسی طرح مسئلہ کا حکم تلاش کر لیتے ہیں جس طرح حساب دان ہر نئے سوال کا جواب حساب کے قواعد کی مدد سے معلوم کر لیتا ہے اور وہ جواب اس کی ذاتی

رائے نہیں بلکہ فن حساب کا ہی جواب ہوتا ہے۔

(ج) کون تقلید کرے؟

ظاہر ہے کہ حساب دان کے سامنے جب سوال آئے گا تو وہ خود حساب کے قاعدوں سے سوال کا جواب نکال لے گا اور جس کو حساب کے قاعدے نہیں آتے وہ حساب دان سے جواب پوچھ لے گا۔ اسی طرح مسائل اجتہادیہ میں کتاب وسنت پر عمل کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ جو شخص خود مجتہد ہوگا وہ خود قواعد اجتہادیہ سے مسئلہ تلاش کر کے کتاب وسنت پر عمل کرے گا اور غیر مجتہد یہ سمجھ کر کہ میں خود کتاب وسنت سے مسئلہ استنباط کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس لیے کتاب وسنت کے ماہر سے پوچھ لوں کہ اس میں کتاب وسنت کا کیا حکم ہے۔ اس طرح عمل کرنے کو تقلید کہتے ہیں۔ اور مقلد ان مسائل کو ان کی ذاتی رائے سمجھ کر عمل نہیں کرتا بلکہ یہ سمجھ کر کہ مجتہد نے ہمیں مراد خدا اور مراد رسول ﷺ سے آگاہ کیا ہے۔

غیر مقلد کی تعریف

نوٹ (۱): مجتہد اور مقلد کا مطلب تو آپ نے جان لیا اب غیر مقلد کا معنیٰ بھی سمجھ لیں کہ جو نہ خود اجتہاد کر سکتا ہو اور نہ کسی کی تقلید کرے یعنی نہ مجتہد ہو نہ مقلد۔ جیسے نماز با جماعت میں ایک امام ہوتا ہے باقی مقتدی۔ لیکن جو شخص نہ امام ہو نہ مقتدی، کبھی امام کو گالیاں دے کبھی مقتدیوں سے لڑے یہ غیر مقلد ہے یا جیسے ملک میں ایک حاکم ہوتا ہے باقی رعایا۔ لیکن جو نہ حاکم ہو نہ رعایا بنے وہ ملک کا باغی ہے۔ یہی مقام غیر مقلد کا ہے۔

نوٹ (۲): غیر مقلدین میں اگرچہ کئی فرقے اور بہت سے اختلافات ہیں۔ اتنے اختلافات کسی اور فرقے میں نہیں ہیں مگر ایک بات پر غیر مقلدین کے تمام فرقوں کا اتفاق اور اجماع ہے وہ یہ ہے کہ غیر مقلدوں کو نہ قرآن آتا ہے، نہ حدیث۔ کیونکہ

نواب صدیق حسن خاں، میاں نذیر حسین، نواب وحید الزمان، میر نور الحسن، مولوی محمد حسین اور مولوی ثناء اللہ وغیرہ نے جو کتابیں لکھی ہیں، اگرچہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن وحدیث کے مسائل لکھے ہیں، غیر مقلدین کے تمام فرقوں کے علماء اور عوام بالاتفاق ان کتابوں کو غلط قرار دے کر مسترد کر چکے ہیں بلکہ برملا تقریروں میں کہتے ہیں کہ ان کتابوں کو آگ لگا دو۔ گویا سب غیر مقلدین کا اجماع ہے کہ ہر فرقہ کے غیر مقلد علماء قرآن وحدیث پر جھوٹ بولتے ہیں انہیں قرآن وحدیث نہیں آتا وہ غلط گندے اور نہایت شرمناک مسائل لکھ لکھ کر قرآن وحدیث کا نام لے دیتے ہیں اس لیے وہ کتابیں اجماعاً مردود ہیں اور یہ سب جاہل ہیں۔

سوال دوم

لفظ تقلید کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے یا نہیں؟

الجواب

قرآن پاک نے ان مقدس جانوروں کو جو خاص خانہ کعبہ کی نیاز ہیں، قلائد فرمایا ہے اور ان کی بے حد تعظیم وحرمت کا حکم فرمایا ہے اور ان مقلدین کی بے حرمتی کرنے والوں کو عذاب شدید کی دھمکی دی ہے۔ البتہ کسی خنزیر، کتے وغیرہ کو قلائد بنانے کی اجازت ہرگز نہیں دی ہے۔

نوٹ (۱) اصول حدیث میں مرسل، مدلس، معضل وغیرہ جس قدر اصطلاحی الفاظ محدثین نے استعمال کیے ہیں، ان الفاظ کا ان ہی اصطلاحی معنوں میں قرآن وحدیث میں ہونا ثابت فرمادیں یا اصول حدیث کا انکار کر دیں۔

نوٹ (۲) سائل نے سوال میں صرف قرآن وحدیث کا ذکر کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ سائل اجماع کو دلیل شرعی نہیں مانتا۔ اگر واقعہ ایسا ہے تو سائل انکار اجماع کی وجہ سے دوزخی ہے اور سائل قیاس شرعی کو بھی شاید دلیل شرعی نہیں مانتا تو اس کے بدعتی

ہونے میں کچھ شک نہیں کیونکہ انکار قیاس کی بدعت نظام معتزلی نے جاری کی تھی۔

ائمہ مجتہدین کے اتباع کے لیے تقلید کا لفظ اسی اجماع اور تواتر کے ساتھ امت میں استعمال ہوتا چلا آ رہا ہے جس طرح اصول حدیث، اصول تفسیر، اصول فقہ، قواعد صرف ونحو تواتر کے ساتھ مستعمل ہیں۔ محدثین کے حالات میں جو کتابیں محدثین نے مرتب فرمائی ہیں وہ چار ہی قسم کی ہیں: طبقات حنفیہ، طبقات شافعیہ، طبقات مالکیہ اور طبقات حنابلہ، طبقات غیر مقلدین نامی کوئی کتاب کسی محدث نے تحریر نہیں فرمائی۔

سوال سوم

کیا قرآن وحدیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ چاروں اماموں میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرو؟

الجواب

قرآن پاک میں قرآن کی تلاوت کا حکم موجود ہے مگر ان دس قاریوں کا نام مذکور نہیں جن کی قراءتوں پر آج ساری دنیا تلاوت قرآن کر رہی ہے اور نہ یہ حکم ہے کہ ان دس قاریوں میں سے کسی ایک قاری کی قراءۃ پر قرآن پڑھنا ضروری ہے مگر ہمارے ملک پاک و ہند میں سب مسلمان قاری عاصم کوفیؒ کی قراءۃ اور قاری حفص کوفیؒ کی روایت پر قرآن پڑھتے ہیں۔ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ ساری زندگی ایک قراءت پر قرآن پڑھنا کفر ہے یا شرک یا حرام یا جائز۔

اسی طرح کتاب وسنت سے سنت کا واجب العمل ہونا ثابت ہے مگر نام لے کر بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کو صحاح ستہ نہیں کہا گیا۔ نہ بخاری و مسلم کو صحیحین کہا گیا۔ نہ بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا گیا جس طرح ان دس قاریوں کا قاری ہونا اجماع امت سے ثابت ہے، اسی طرح اصحاب صحاح ستہ کا محدث ہونا اجماع امت سے ثابت ہے، اسی طرح ان چاروں اماموں کا مجتہد ہونا اجماع امت سے ثابت ہے اور مجتہد کی تقلید کا حکم کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

نوٹ: سائل نے یہ سوال اصل میں شیعہ سے سرقہ کیا ہے کیونکہ کوئی اہل سنت یہ سوال نہیں کرتا، شیعہ کے ان سوالات کا ذکر ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں کیا ہے اور بعض کا ذکر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے تحفہ اثنا عشریہ میں کیا ہے۔ اس ملک میں جب انگریز آیا اور اس نے لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کو اپنایا تو یہاں غیر مقلدین کا فرقہ پیدا ہوا جس کا مشن یہ تھا کہ انگریز کے خلاف جہاد حرام اور مسلمانوں کی مساجد میں فساد فرض۔ یہاں کے سب مسلمان مکہ اور مدینہ کو مرکز اسلام مانتے تھے۔ ان مراکز اسلام سے جب اس فرقہ کے بارے میں فتویٰ لیا گیا تو انہوں نے بالاتفاق ان کو گمراہ قرار دیا۔ (دیکھو تنبیہ الغافلین) ان لوگوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے مایوس ہو کر یمن کے زیدی شیعوں کی شاگردی اختیار کر لی اور قاضی شوکانی، امیر یمانی کے افکار کو اپنا لیا۔ وہاں سے ہی یہ سوالات درآمد کیے گئے اور اہل اسلام کے دل میں وسوسے ڈالے گئے اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ آج تک اس بدعتی فرقہ کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ ان سوالات کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مفتی صاحبان کے سامنے پیش کر کے فتویٰ حاصل کریں کیونکہ ان کو کامل یقین ہے کہ وہاں سے سوالات کا جواب ہمارے خلاف آئے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ شیعہ کو ایسا سوال کیوں کرنا پڑا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ شیعہ اپنے بارہ اماموں کو منصوص من اللہ مانتے ہیں اس لیے اہل سنت والجماعت نے ان بارہ کے ناموں کی نص پیش کرنے کا مطالبہ کیا۔ شیعہ اپنے ائمہ کے بارے میں نص پیش نہ کر سکے تو لاجواب ہو کر اہل سنت والجماعت سے مطالبہ کر دیا کہ تم چاروں اماموں کے نام کی نص پیش کرو حالانکہ اہل سنت والجماعت ائمہ اربعہ کو منصوص من اللہ مانتے ہی نہیں تو نص کا مطالبہ ہی غلط ہے۔ ہاں ہم اہل سنت والجماعت باجماع امت ان کا مجتہد ہونا مانتے ہیں۔

سوال چہارم

چاروں اماموں سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں مثلاً صحابہ کرامؓ سے لے کر امام ابوحنیفہؒ تک یہ لوگ کس امام کی تقلید کرتے تھے۔ یا اس وقت تقلید واجب نہ تھی؟

الجواب

یہ سوال بھی کسی اہل سنت والجماعت محدث یا فقیہ نے پیش نہیں کیا بلکہ یہ سوال بھی شیعہ کی طرف سے اٹھا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: ''صحابہؓ دو گروہ تھے۔ مجتہد اور مقلد'' (قرۃ العینین) یہ سب صحابہؓ عربی دان تھے لیکن بقول ابن القیمؒ ان میں اصحاب فتویٰ صرف ۱۴۹ تھے۔ جن میں سے سات مکثرین ہیں۔ یعنی انہوں نے بہت زیادہ فتوے دیئے۔ ۲۰ صحابہؓ متوسطین ہیں۔ جنہوں نے کئی ایک فتوے دیے۔ اور ایک سو بائیس مقلین ہیں جنہوں نے بہت کم فتوے دیئے۔ ان مفتی صحابہ کرامؓ کے ہزاروں فتاویٰ مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، تہذیب الآثار، معانی الآثار وغیرہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں جن میں ان مفتی صاحبان نے صرف مسئلہ بتایا، ساتھ بطور دلیل کوئی آیت یا حدیث نہیں سنائی اور باقی صحابہؓ نے بلا مطالبہ دلیل ان اجتہادی فتاویٰ پر عمل کیا اسی کا نام تقلید ہے۔

ان مفتی صحابہؓ کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

ثُمَّ اِنَّهُمْ تَفَرَّقُوْا فِي الْبِلَادِ وَصَارَ كُلُّ وَاحِدٍ مُقْتَدِى
نَاحِيَةٍ مِنَ النَّوَاحِيْ

کہ صحابہ متفرق شہروں میں پھیل گئے اور ہر علاقہ میں ایک ہی
صحابی کی تقلید ہوتی تھی۔ (الانصاف ص ۳)

مثلاً مکہ میں حضرت ابن عباسؓ کی مدینہ میں حضرت زید بن ثابتؓ، کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، یمن میں حضرت معاذؓ اور بصرہ میں حضرت انسؓ کی تقلید ہوتی تھی۔ پھر ان کے بعد تابعین کا دور آیا تو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: فَعِنْدَ

ذٰلِکَ صَارَ لِکُلِّ عَالِمٍ مِنَ التَّابِعِیْنَ مَذْھَبَ عَلٰی حَیَالِهٖ فَانْتَصَبَ فِیْ کُلِّ بَلَدٍ اِمَامٌ (الانصاف ص٦) یعنی ہر تابعی عالم کا ایک مذہب قرار پایا اور ہر شہر میں ایک ایک امام ہو گیا۔ لوگ اس کی تقلید کرتے۔ صدر الائمہ مکی فرماتے ہیں کہ حضرت عطاء خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے ہاں تشریف لے گئے تو خلیفہ نے پوچھا کہ آپ شہروں کے علماء کو جانتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں تو خلیفہ نے پوچھا کہ اہل مدینہ کے فقیہ کون ہیں؟ فرمایا: نافع، مکہ میں عطاء، یمن میں طاؤس، یمامہ میں یحیٰی بن کثیر، شام میں مکحول، عراق میں میمون بن مہران، خراسان میں ضحاک بن مزاحم، بصرہ میں حسن بصری، کوفہ میں ابراہیم نخعی (مناقب موفق ص ٧) یعنی ہر علاقہ میں ایک ہی فقیہ کے فقہی فتاویٰ پر عمل درآمد ہوتا تھا یہ واقعہ امام حاکم نے بھی معرفت علوم حدیث میں لکھا ہے۔ اس لیے امام غزالیؒ فرماتے ہیں: ''تقلید پر سب صحابہؓ کا اجماع ہے کیونکہ صحابہؓ میں مفتی فتویٰ دیتا تھا اور ہر آدمی کو مجتہد بننے کے لیے نہیں کہتا تھا اور یہی تقلید ہے اور یہ عہد صحابہؓ میں تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ (المستصفی ج٢ ص٣٨٥)

علامہ آمدی فرماتے ہیں صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں مجتہدین فتویٰ دیتے تھے مگر ساتھ دلیل بیان نہیں کرتے تھے اور نہ ہی لوگ دلیل کا مطالبہ کرتے تھے اور اس طرز عمل پر کسی نے انکار نہیں کیا، بس یہی اجماع ہے کہ عامی مجتہد کی تقلید کرے۔ شاہ ولی اللہؒ شیخ عزالدین بن سلامؒ سے نقل کرتے ہیں۔

ان النَّاسَ لَمْ یَزَالُوْا عَنْ زَمَنِ الصَّحَابَةِ رَضِیَ اللہُ عَنْهُمْ اِلٰی اَنْ ظَهَرَتِ الْمَذَاهِبِ لَاَ رْبَعَةُ یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکاره، ولو کان ذالک باطلا لا نکروه۔ (عقد الجید ص٣٦)

اور خود فرماتے ہیں:

فهذا كيف ينكره احد مع ان الا ستفتاء لم يزل بين المسلمين من عهد النبي صلى الله عليه وسلم ولا فرق بين ان يستفتي هذا دائما ويستفتي هذا حينا بعد ان يكون مجمعا على ماذكرناه۔ (عقد الجید ص ۳۹)

یعنی دور صحابہؓ وتابعینؒ سے تقلید تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور اس دور میں ایک شخص بھی منکر تقلید نہ تھا چونکہ ان صحابہؓ اور تابعینؒ کی مرتب کی ہوئی کتابیں آج موجود نہیں جو متواتر ہوں۔ ہاں ان کے مذاہب کو ائمہ اربعہ نے مرتب کرا دیا تو اب ان کے واسطہ سے ان کی تقلید ہو رہی ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے صحابہؓ وتابعینؒ بھی یہی قرآن پاک تلاوت فرماتے تھے مگر اس وقت اس کا نام قرأۃ حمزہ نہ تھا۔ صحابہؓ وتابعینؒ بھی یہی احادیث مانتے تھے مگر رواہ البخاری اور رواہ مسلم نہیں کہتے تے۔ یہ سوال سائل کا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کیا دس قاریوں سے پہلے قرآن نہیں پڑھا جاتا تھا؟ یا صحابہؓ وتابعینؒ میں نہ کسی نے بخاری پڑھی نہ مشکوٰۃ۔ کیا اس زمانہ میں حدیث کا ماننا اسلام میں ضروری نہ تھا؟

سوال پنجم

کیا چاروں اماموں کے بعد کوئی مجتہد پیدا نہیں ہوا؟ اور اب کوئی مجتہد پیدا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ سوال تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ ''۳۰۰ھ کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا'' اور امام نوویؒ نے بھی شرح مہذب میں یہی فرمایا ہے۔ اب مجتہد مطلق کا آنا نہ تو محال شرعی ہے نہ ہی محال عقلی ہاں محال مادی ہے۔ لیکن وہ آ کر کیا کرے گا؟ کیا اگر کوئی آج کا محدث دعویٰ کر کے

ساری صحیح بخاری کو غلط قرار دے اور حدیث اور محدثین کی عظمت کو ختم کرے تو اس سے دین کا کیا فائدہ ہوگا۔ اسی طرح کوئی مجتہد بن کر پہلے سارے علمی سرمائے سے اعتماد ختم کرے تو کیا فائدہ؟

سوال ششم

ایک امام کی تقلید واجب ہونے کے کیا دلائل ہیں؟ اور واجب کی تعریف اور حکم بھی بیان کریں؟

الجواب

اس ملک میں یہ سوال ہی غلط ہے کیونکہ جیسے یمن میں صرف حضرت معاذ مجتہد تھے اور سب لوگ ان کی ہی تقلید کرتے تھے اسی طرح اس ملک میں مدارس، مساجد، مفتی صرف اور صرف سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب کے ہیں۔ دوسرے کسی مذہب کے مفتی موجود ہی نہیں کہ عوام ان سے فتویٰ لیں۔ اس لیے یہاں تو ایک ہی امام متعین ہے۔ جیسے کسی گاؤں میں ایک ہی مسجد ہو اور ایک ہی امام کے پیچھے ساری نمازیں پڑھنی واجب ہیں، ایک ہی ڈاکٹر ہو سب اسی سے علاج کرواتے ہیں۔ ایک ہی قاری ہو سب اسی سے قرآن پڑھ لیتے ہیں اس لیے یہاں ایک ہی امام کی تقلید واجب ہے جیسے مقدمۃ الواجب واجب کہا جاتا ہے۔ اس کے بغیر دین پر عمل کرنا ناممکن ہے کوئی شخص ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھ سکتا اور تارک اس تقلید کا فاسق ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں اور صاحب جمع الجوامع فرماتے ہیں کہ "عامی پر ایک امام کی تقلید واجب ہے۔ (عقد الجید ص ۵۰) اور دلیل اس کی اجماع ہے۔

(الاشباہ ج ص ۱۴۳)

سوال ہفتم

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں اور آپ کی تقلید بھی کرتے ہیں مگر انہوں نے بہت سے مسائل میں امام صاحب کی مخالفت کیوں کی؟

الجواب

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ یہ دونوں حضرات خود مجتہد فی المذہب ہیں اور مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید واجب نہیں ہوتی۔ ہاں اگر اپنے سے بڑے مجتہد کی تقلید کرے تو جائز ہے۔

سوال ہشتم

کیا کسی امام نے اپنی تقلید کرنے کا حکم دیا ہے؟

جواب

ائمہ اربعہؒ کے اقوال مختلف کتابوں میں موجود ہیں جن میں ان حضرات نے واضح طور پر کہا ہے کہ ہماری ہر اس بات کو مانو جو قرآن وسنت کے موافق ہو اور جو خلاف ہو جائے اس کو مت مانو۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے اقوال پر عمل کی ترغیب دے رہے ہیں اور یہ بھی بتا رہے ہیں کہ ان کے اقوال قرآن وسنت کے موافق ہیں اور وہ قرآن وسنت کی مخالفت نہیں کرتے پس اس سے ان کی تقلید کا حکم ان کے اپنے اقوال سے ثابت ہوا۔

سوال نہم:

جو لوگ چاروں اماموں میں سے کسی امام کی تقلید نہیں کرتے۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:

موجودہ دور میں جو لوگ ائمہ اربعہؒ میں سے کسی ایک امام کی تقلید نہیں کرتے وہ فاسق ہیں۔ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں اور حرمین شریفین کے فتووں کے مطابق ان پر تعزیر واجب ہے۔

سوال دہم:

کیا مسئلہ تقلید پر اردو زبان میں بھی کوئی کتاب لکھی گئی ہے جسے پڑھ کر اس

مسئلہ کو اچھی طرح سمجھا جا سکے؟

جواب:

اس مسئلہ پر بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ چند کے نام لکھ دیتا ہوں:

(۱) تقلید کی شرعی حیثیت (۲) الکلام المفید فی اثبات التقلید (۳) تقلید ائمہ اور مقام امام ابوحنیفہؒ (۴) الاقتصاد (۵) تنقیح التقلید (۶) خیر التنقید (۷) اجتہاد اور تقلید (۸) تقلید شخصی (۹) توفیر الحق (۱۰) تنویر الحق (۱۱) تحفۃ العرب والعجم (۱۲) تقلید اور امام اعظمؒ (۱۳) سبیل الرشاد (۱۴) ادلہ کاملہ (۱۵) ایضاح الادلہ (۱۶) مدار الحق بجواب معیار الحق (۱۷) انتصار الحق بجواب معیار الحق (۱۸) تنقید فی بیان التقلید وغیرہ وغیرہ۔

تحقیق

مسئلہ قرأۃ

خلف الامام

(حصہ اول)

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ناظرین با تمکین! موجودہ دور فتنوں کا دور ہے۔ نت نئے فتنے ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ ایک فتنہ مٹنے نہیں پاتا کہ دوسرا فتنہ سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے اس پرفتن دور میں لادینیت کے طوفان اٹھ رہے ہیں۔ زندقہ کے سیلاب امنڈ رہے ہیں اسلامی قوانین کا کھلے بندوں مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ الحاد کا عفریت برہنہ ہو کر ناچ رہا ہے۔ کفر کی طاقتیں اسلام کی بنیادوں پر حملہ آور ہیں۔ اسلام کے اساسی عقائد پر کلہاڑا چلایا جا رہا ہے۔ الحاد کی گھنگھور اور مہیب گھٹائیں ملک کے آفاق پر چھا رہی ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ ملک میں بے حیائی، بے شرمی، عیاشی، فحاشی، بدمعاشی، افتراء پردازی، کذب بیانی، بدعہدی، بدمعاملگی، بددیانتی قتل وغارت، لوٹ مار، جفا کاری اور ستم شعاری جیسے مہلک امراض معاشرہ کی بنیادوں کو منہدم کر رہے ہیں اور معاشرہ کی خوبیوں اور اچھائیوں کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔

اس لیے اس پُر آشوب دور میں اتحاد کی جتنی ضرورت و اہمیت ہے وہ اصحاب بصیرت اور ارباب دانش وبینش پر بخوبی عیاں ہے۔ عیاں راچہ بیان ان حالات کا تقاضا تو یہ تھا کہ مسلمانوں کے سب مکاتب فکر اپنے فروعی اختلافات کو مٹا کر اتحاد و اتفاق کے جذبات کے تحت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر لادینی طاقتوں اور طاغوتی قوتوں کا تعاقب کر کے اتحاد کے گرز سے ان کا سر پاش پاش کر دیتے اور اتفاق کی قوت سے الحاد کے طوفان کا رخ موڑ دیتے اور دہریت کے سیلابوں پر بند باندھ دیتے مگر افسوس صد افسوس کہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا فرقہ جسے غیر مقلدین کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے حالات کی نزاکت اور زمانہ کے تقاضوں کو سمجھنے سے یکسر قاصر ہے۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ ملک میں الحاد پھیلتا جا رہا ہے۔ انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ پاکستان میں شجر اسلام پر خشت باری ہو رہی ہے۔ منکرین حدیث ملک میں دندنا رہے ہیں۔ برائیاں نشوونما پا رہی ہیں۔ مکر و فریب کا بازار گرم ہے، اخلاقی گراوٹ انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی تقریروں اور تحریروں میں ملحدوں، زندیقوں اور منکرین حدیث کی تردید کی بجائے

احناف پر خوب برستے ہیں ان کا خاکہ اڑاتے اور انہیں اپنے سب وشتم کا ہدف بناتے ہیں۔ فروعی مسائل کو ہوا دینا اور پر امن فضا میں زہر گھولنا ان کا رات دن کا محبوب مشغلہ ہے۔ ان کے مقررین کی شعلہ فشانیاں اور ان کے اہل قلم کی جولانیاں احناف کی مخالفت اور ان کی تحقیر وتوہین اور تذلیل وتضحیک کے لیے وقف ہیں۔

کئی مقامات پر اس فرقہ نے بڑا اودھم مچا رکھا بلکہ شور محشر برپا کر رکھا ہے۔ اس مکتب فکر کے سالانہ اجتماعات میں نہایت اشتعال انگیز اور سوقیانہ انداز سے فروعی مسائل بیان کیے جاتے ہیں اور کھلم کھلا علی الاعلان اور برملا کہا جاتا ہے کہ جو لوگ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے ان کی نمازیں بے کار وباطل اور کالعدم ہیں اور یہ لوگ ساری عمر بے نماز رہتے ہیں۔ بیس بیس ہزار روپے کے کھلے اور انعامی چیلنج دئے جاتے ہیں خوب تعلیاں کی جاتی ہیں اور شیخیاں بگھاری جاتی ہیں اور عوام کو باور کرایا جاتا ہے کہ ان کے پاس ایک حدیث بھی نہیں۔ ہمارے اسلاف واکابر نے انہیں کبھی منہ نہیں لگایا ان کو کبھی قابل اعتناء اور لائق التفات نہیں سمجھا کیونکہ ان کے پیش نظر ہمیشہ تعمیری پروگرام رہے ہیں۔

ہم حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اسوہ حسنہ اور اپنے اکابر واسلاف کے طریق کار کے پیش نظر ان کی اشتعال انگیزیوں اور سوقیانہ پروپگنڈے کو بڑے صبر وسکون اور حلم وتحمل سے برداشت کرتے رہے۔ لیکن جب ہم نے دیکھا کہ ہماری شرافت کو کمزوری پر محمول کیا جارہا ہے۔ علاوہ بریں غیر مقلدین کے علماء کی تقاریر وخطبات سننے والے عوام نے ہم سے بار بار استفسار کیا کہ کیا واقعی احناف احادیث سے تہی دامن ہیں، کیا ان کے پاس امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کے بارے میں ایک حدیث بھی نہیں تو بادل نخواستہ اس موضوع پر قلم اٹھانا پڑا اور ان کے بلند بانگ دعاوی اور مکروہ پروپگنڈہ کی حقیقت کو طشت از بام اور الم نشرح کرنے کے لیے یہ رسالہ ترتیب دیا گیا۔

خاکپائے اکابر بشیر احمد قادری

مدرس مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی

۱۵ نومبر ۱۹۷۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن کریم حق تعالیٰ کی آخری کتاب ہے وہ قرآن کریم جس سے گلستان ایمان میں رنگ و بو، بوستان اسلام میں تروتازگی اور رونق ہے۔ جس سے باغ عالم کی بہاروں میں نکھار ہے۔ جس سے چمنستان کائنات میں نور اور روشنی ضیا اور سنا ہے، جس کے حسن کی تابانیوں، جس کے جمال کی درخشانیوں اور جس کے کمال کی فراوانیوں کے سامنے گزشتہ آسمانی کتب ماند پڑ گئیں، جس نیر تاباں، جس آفتاب درخشاں اور جس سراج منیر کے ضوء فگن ہوتے ہی بزم ہدایت کی روشن شمعیں اور محفل رشد کی فروزاں قندیلیں بجھ گئیں جس نے سابق کتب سماویہ اور صحف ربانیہ پر خط تنسیخ کھینچ دیا۔

جو حقائق و دقائق کا خزینہ، علوم و معارف کا دفینہ اور حکم واسرار کا گنجینہ ہے جو خاتم الکتب ہے اور خاتم الانبیاء سید الاولین وآخرین امام المرسلین رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر نازل کی گئی۔ جس کی تنزیل کے بعد وحی و رسالت کا سلسلہ منقطع ہو گیا جو کامل ضابطہ حیات ہے جو مکمل دستور اور مدلل منشور ہے جو ہمہ گیر مطالب انقلاب انگیز مضامین اور حیرت خیز تعلیمات وہدایات پر حاوی اور مشتمل ہے۔

اگر اربوں رائٹر کھربوں سال تک رات اور دن بلا انقطاع پے در پے اور مسلسل اس کی صفت وثنا اور مدح و توصیف سطح قرطاس پر ثبت کرتے رہیں تو پھر بھی اس کے حسن و جمال کے کھربویں حصہ کی ادنیٰ سے ادنیٰ جھلک بھی پیش کرنے سے یکسر قاصر اور بیک قلم عاجز رہیں گے۔

جب اس کے کمال وجلال اور حسن و جمال کا یہ عالم ہے تو بتایئے پھر مجھ جیسا حقیر، فقیر، ناچیز ہیچ مدان، کج مج زبان، قصیر البنان اور ضعیف البیان انسان کیا کرے اس کی شان بیان۔

چونکہ قرآن کریم کلام ربانی اور صحیفہ آسمانی ہے۔ ادلہ اربعہ میں اس کا مقام

سب سے اونچا اور بلند و برتر ہے۔ اصول اربعہ میں قرآن کریم کو اولیت افضلیت اور ارجحیت حاصل ہے اور یہ ہمارے باہمی اختلافات، اندرونی افتراقات اور مناقشات کا ناطق اور دوٹوک فیصلہ دے سکتا ہے اس لیے مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمام مسلمانوں کے لیے خواہ وہ کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں یہ لازم اور واجب ہے کہ جب ان میں کسی مسئلہ کے بارے اختلاف رونما ہو، باہمی آویزش اور کشمکش واقع ہو، کسی مسئلہ کے سلسلہ میں افتراق کا شکار ہو کر شیر و شکر ہونے کے بجائے باہم دست و گریباں ہوں۔ ان کا شیرازہ بکھرتا اور اتحاد پارہ پارہ ہوتا نظر آئے تو ادھر ادھر تانکنے، جھانکنے اور بھٹکنے کی بجائے سب سے پہلے وہ اس کلام ازلی و ابدی کی طرف رجوع کریں۔ اس متنازعہ فیہ مسئلہ کو قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں۔ اس بارے میں قرآن کریم سے ہدایات کے طالب ہوں۔ اگر قرآن کریم میں اس مسئلہ کا حل مل جائے تو اس کے مطابق اپنے اعتقادات و خیالات کو ڈھالنا، اس پر عمل پیرا ہونا، اس کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے لیے راہ عمل متعین کرنا اور اپنے اعمال و کردار کی اساس قرآنی انوار کی ضیاء پاشیوں کی ضو میں استوار کرنا مسلمانوں کیلئے ہر فرض سے بڑا فرض ہے کیونکہ قرآن کریم کا فیصلہ خالق کائنات کا فیصلہ ہے۔ اس کے فیصلہ کے بعد کسی مسلمان کے لیے اس سے انحراف اعراض، روگردانی، سرتابی اور انکار کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِيْ غَيْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ
وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ...... وَمَنْ عَمِلَ
بِهٖ اُجِرَ وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ .

(مشکوۃ شریف ج۱ ص۱۸۶)

جو شخص (قرآن کو چھوڑ کر) اس کے غیر میں ہدایت کا متلاشی ہو تو

وہ گمراہ ہو جائے گا (گمراہی وضلالت کی تاریک وادیوں میں بھٹکتا پھرے گا) یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔ یہ ذکر حکیم اور صراط مستقیم ہے جو شخص (اس کی تعلیمات اور اصولوں پر گامزن اور) عمل پیرا ہو وہ اجر دیا جائے گا۔

جس شخص نے اس کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جس نے لوگوں کو اس کی ہدایات وتعلیمات کی طرف دعوت دی وہ سیدھی راہ کی ہدایت دیا گیا۔

بہرحال مسلمان کے لیے سعادت اور خوش بختی یہی ہے کہ وہ اپنے معتقدات ونظریات اور افکار وآراء کو قرآن کریم کی تعلیمات وہدایات کے ماتحت کردے اور اس کے ہر ہر اشارہ پر ہزار جان سے نچھاور ہونے کے لیے ہر وقت تیار رہے۔

حضرات آیئے! اب ہم اس متنازعہ فیہ مسئلہ (امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے) کو قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم سے ہدایات کے طالب ہوں۔

جب ہم اس سلسلہ میں قرآن کریم سے استفسار کرتے ہیں تو قرآن کریم اس سلسلہ میں ہمیں نہایت واضح اور ناطق فیصلہ دیتا ہے صاف اور کھلی ہدایات سے نوازتا ہے۔

قرآن کریم کا ناطق اور دو ٹوک فیصلہ ملاحظہ فرمایئے۔

مسئلہ قرأۃ خلف الامام قرآن کریم کی روشنی میں

حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (پ۹، سورۃ اعراف)

اور جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور خاموش رہو تاکہ تم پر (حق تعالیٰ) کی رحمتیں نازل ہوں۔

جمہور سلف وخلف کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں حق تعالیٰ نے مسئلہ قرأۃ خلف الامام کو واضح واشگاف اور آشکارا فرمایا ہے اور اس کے بارے میں صاف اور ناطق حکم صادر فرمایا ہے یعنی امام اور مقتدی دونوں کا کام اور وظیفہ الگ الگ متعین فرمایا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے (امام قرأۃ کرے) تو مقتدیوں کا وظیفہ خاموشی کے ساتھ توجہ کرنا ہے۔

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر اور تشریح میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ارشادات عالیہ اور اقوال مبارکہ پیش کر دیں کہ اس مقدس جماعت نے اس آیت کریمہ کا کیا مطلب سمجھا ہے۔

اس آیت کی تفسیر صحابہ کرامؓ سے

یوں تو سبھی صحابہ کرامؓ آسمان ہدایت کے روشن ستارے بلکہ چندے آفتاب ماہتاب تھے۔ ہر ایک اپنی جگہ مینارہ نور تھا۔ ہر ایک تقویٰ کا پیکر، تدین کا پہاڑ اور علم و فضل کا پتلا تھا۔ لیکن بعض صحابہ کرامؓ دوسرے صحابہ کرام سے علم و فضل، فقہی بصیرت، دانش و بینش، اور فہم فراست میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ منجملہ ان کے عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بعض ایسے جزوی فضائل حاصل تھے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کوئی دوسرا ان کا شریک وسہیم نہ تھا۔

قرآن کریم کے معلمین میں یہ سب صحابہ کرامؓ سے ممتاز اور فائق و برتر تھے۔ معلمین قرآن میں ان کا نمبر سب سے پہلا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِسْتَقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ مِنْ اَرْبَعَۃٍ مِنْ عَبْدِاللّٰہِؓ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَ سَالِمٍؓ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَیْفَۃَ وَاُبَیٍّؓ بْنِ کَعْبٍ وَ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ۔

(بخاری شریف ج ۱،ص ۵۳۱۔ ترمذی شریف ج ۲،ص ۲۲۲)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تم (صحابہ کرام) قرآن کریم ان چار حضرات سے سیکھو۔ عبداللہ ابن مسعودؓ سے، سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہ سے۔ ابی ابن کعبؓ اور معاذؓ بن جبل سے۔

حافظ الدنیا حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں۔

وان البداية بالرجل في الذكر على غيره في امر يشترك فيه مع غيره يدل على تقدمه فيه.

یعنی جو خوبی چند آدمیوں میں پائی جائے اس سلسلہ میں جس کا نام سب سے پہلے لیا جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خوبی اس میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ معلمین قرآن کریم میں چونکہ سب سے پہلا نام حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا ہے اس لیے میں ان سے شدید محبت کرنے لگا ہوں۔ اور یہ میرے خاص محبوبوں میں سے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے بارہ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

قال النبي ﷺ تمسكوا بعهد ابن ام عبد .

(ترمذی شریف ج ۲، ص ۲۹۳)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ابن مسعودؓ کی ہدایت اور حکم کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔

مسلم شریف ج ۲، ص ۲۹۳ میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ وَالَّذِىْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ مَامِنْ كِتَابِ اللّٰهِ سُوْرَةٌ اِلَّا اَنَا اَعْلَمُ حَيْثُ نَزَلَتْ وَمَا مِنْ آيَةٍ اِلَّا اَنَا اَعْلَم

فیما انزلت وَلَوْ اَعْلَمُ احدا هُوَ اَعْلَمُ بِكِتَابِ اللهِ مِنِّیْ تَبْلُغُهُ الابل لرکبت الیه.

کہ اس خدا کی قسم جس کے بغیر کوئی دوسرا اللہ نہیں قرآن کریم کی کوئی سورت اور کوئی آیت ایسی نہیں جس کا شان نزول مجھے معلوم نہ ہو کہ کس موقعہ پر اور کس حالت میں نازل ہوئی ہے۔ اور میں اپنے سے بڑا کتاب اللہ کا عالم کسی کو نہیں پاتا۔ اگر (اس وقت یعنی دور صحابہ میں) مجھ سے بڑا کوئی عالم ہوتا جس تک پہنچنا ممکن ہوتا تو میں اس کی طرف رجوع کر کے استفادہ کرتا۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود جو اس درجہ اور شان اور اس مرتبہ اور مقام کے حامل ہیں اور جو اپنی بعض غیر معمولی خصوصیات کی بنا پر بعض امتیازات کے بلا شرکت غیرے مالک ہیں ان سے اس آیت کریمہ کے بارے میں درج ذیل روایت منقول ہے۔

صَلّٰی اِبْنُ مَسْعُوْدٍؓ فَسَمِعَ اُنَاساً یَّقْرَؤُنَ مَعَ الاِمَامِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اَمَا آنَ لَكُمْ اَنْ تَفْهَمُوْ اَمَا آنَ لَكُمْ اَنْ تَعْقِلُوْا ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْالَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ (تفسیر ابن جریر ج ۹، ص ۱۰۳)

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے (ایک دفعہ) نماز پڑھی اور چند آدمیوں کو انہوں نے امام کے ساتھ قرأۃ کرتے سنا جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم سمجھ بوجھ اور عقل و خرد سے کام لو جب قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے۔

آیت مذکورہ کی تفسیر رئیس المفسرین وحبر الامہ حضرت ابن عباسؓ سے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ صحابہ کرامؓ میں بہت اونچے درجہ کے مفسر مانے گئے ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ کے بعد تفسیر میں ان کا درجہ اور مقام تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی۔

اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِیْلَ

(مسند احمد ج ا، ص ۳۲۸۔ ابن کثیر ج ا، ص ۴)

اے اللہ ان کو (عبداللہ بن عباسؓ کو) دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کریم کی تاویل اور تفسیر میں مہارت۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

ضَمَّنِیْ اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الْحِکْمَةَ

(ترمذی شریف ج ۲، ص ۲۲۴)

کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اپنے سینے کے ساتھ بھینچ کر فرمایا کہ اے اللہ اسے دین کی سمجھ اور دانائی عطا فرما۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جلیل القدر صحابی، عظیم المرتبت مفسر اور بے نظیر محدث حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ یعنی اِبْنُ مَسْعُوْدٍؓ نِعْمَ تَرْجُمَانُ الْقُرْآنِ ابْنُ عَبَّاسٍ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ا، ص ۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ قرآن کریم کے بہترین ترجمان، مفسر اور شارح ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو مذکورہ فضائل و مناقب اور ماثر و مفاخر کے حامل ہیں اور جو تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد دوسرے نمبر پر ہیں وہ اس آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

عن ابن عباسؓ فی قوله تعالیٰ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ يعني في الصلوة المفروضة. (تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۸۔ تفسیر ابن جریر ج ۹، ص ۱۰۳۔ کتاب القراۃ ص ۸۸۔ روح المعانی ج ۹، ص ۱۵۰)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا...﴾ کا شان نزول فرضی نماز ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر حضرت مقداد بن اسودؓ سے

وَذَكَرَ الْبَغَوِيُّ عَنِ الْمِقْدَادِ اَنَّهٗ سَمِعَ نَاسًا يَقْرَؤُوْنَ مَعَ الْاِمَامِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اَمَا آنَ لَكُمْ اَنْ تَفْقَهُوْا ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ كَمَا اَمَرَكُمُ اللهُ
(تفسیر مظہری ج ۳، ص ۵۰۷)

امام بغویؒ نے حضرت مقداد بن اسود سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو امام کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا۔ آپ نے ان لوگوں کو (ڈانٹتے ہوئے) فرمایا کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم عقل ودانش سے کام لو۔ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر تابعین عظامؒ سے

تابعین عظام میں سب سے بڑے مفسر حضرت مجاہد بن جبیرؒ ہیں۔ یہ اپنے دور میں فن تفسیر کے سب سے بڑے امام تھے۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا حضرت مجاہد کے بارے میں یہ قول مشہور ہے۔

كان سفيان الثوري يقول اذا جاءك التفسير عن مجاهد فحسبك به. (تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۵)

حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت مجاہد کی تفسیر تمہارے پاس پہنچ جائے تو پھر کسی اور تفسیر کی حاجت نہیں۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ:

عرضت المصحف علي ابن عباسؓ ثلث عرضات من فاتحته الي خاتمه اوقفه عند كل آية واساله عنها.

(تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۴)

میں نے قرآن کریم اول سے لے کر آخر تک تین دفعہ رئیس المفسرین حضرت ابن عباسؓ پر پیش کیا۔ قرآن کریم کی ہر ہر آیت کریمہ پر حضرت ابن عباسؓ کو ٹھہراتا اور ان سے اس کے بارے میں سوال کرتا۔

آیت مذکورہ کی تفسیر حضرت مجاہد سے

عن مجاهد في قوله ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا...﴾ في الصلوة .

(تفسیر بن جریر ج ۹، ص ۱۰۳۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۸۱۔ کتاب القراۃ ص ۱۰)

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کا شان نزول نماز ہے۔

حضرت سعیدؒ بن مسیب سے

عن سعيد بن المسيب ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ قال في الصلوة.

(تفسیر ابن جریر ج ۹، ص ۱۰۳۔ کتاب القراۃ ص ۱۹)

حضرت سعیدؒ بن مسیب فرماتے ہیں کہ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ﴾

کا شان نزول نماز ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ تابعی سے

عن سعید بن جبیر ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ فی الصلوۃ المکتوبۃ.

(تفسیر ابن جریر ج ۹، ص ۱۰۳۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۸۱)

حضرت سعید بن جبیر تابعی فرماتے ہیں کہ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ فرضی نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ تابعی سے

عن الحسن فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا قال فی الصلوۃ

(کتاب القراۃ ص ۹۱)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت عبید بن عمیرؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ سے

قال عبید بن عمیر و عطاء بن ابی رباح انما ذلک فی الصلوۃ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾

(تفسیر ابن جریر ج ۹، ص ۱۰۳)

حضرت عبید بن عمیر تابعی اور حضرت عطاء ابن ابی رباح تابعی فرماتے ہیں کہ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ کا شان نزول نماز ہے۔

حضرت ضحاک، ابراہیم نخعی قتادہ، شعبی، سدی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ سے

قال الضحاک وابراھیم النخعی و قتادۃ والشعبی والسدی و عبدالرحمن بن زید بن اسلم ان المراد بذلک فی الصلوۃ . (تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۸۱)

حضرت ضحاک، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت قتادہؒ، حضرت شعبی، حضرت سدی اور حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، حضرت امام احمدؒ بن حنبل کا قول مذکورہ آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

وذکر ابن حنبل الا جماع علی انھا نزلت فی الصلوۃ وذکر الاجماع علی انھا لا تجب القرأۃ وذکر الاجماع علی انھا لا تجب القرأۃ علی الماموم حال الجھر.

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲، ص ۱۲۸)

حضرت امام احمدؒ بن حنبل نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس آیت کا شان نزول نماز ہے۔ نیز اس پر بھی علماء کا اتفاق نقل کیا ہے کہ جب امام جہر سے قرأۃ کر رہا ہو تو مقتدی پر قرأۃ واجب نہیں۔

ایک دوسرے مقام پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں۔

وقول الجمھور ھو الصحیح فان اللہ سبحانہ و تعالیٰ قال ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ

تُرْحَمُوْنَ﴾ قال احمدؒ اجمع الناس علی انها نزلت فی الصلوۃ. (فتاویٰ کبریٰ ج ۲ ص ۱۶۸)

جمہور کا قول ہی صحیح اور درست ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو تم اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو تا کہ تم پر حق تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش نازل ہو۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ سب لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول نماز ہے۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ دوسرے جلیل القدر مفسرین مثلاً صاحب تفسیر کشاف ج ۱، ص ۵۲۳ میں، علامہ بیضاوی ص ۳۰۸ میں، صاحب معالم التنزیل ج، ص ۲۷۲ میں اور ابوالسعود ج ۴، ص ۵۰۳ صاحب تفسیر مظہری ج ۳، ص ۵۰۷ میں۔ اور صاحب روح المعانی ج ۹، ص ۱۵۱ میں یہی زیب قرطاس فرمارہے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول نماز ہے۔

ناظرین کرام! آپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے لے کر علامہ آلوسی صاحب روح المعانی تک کی تفاسیر کی عبارات ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول صرف نماز ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ سے یہ بات نقل کی جا چکی ہے کہ اس بات پر تمام اہل اسلام کا اجماع اور اتفاق ہے کہ اس کا شان نزول فقط نماز ہے۔ اور یہ اجماع نقل کرنے والے کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں بلکہ امام اہل سنت اور پیشوائے ملت یکے از ائمہ مجتہدین امام احمدؒ بن حنبل ہیں اور آپ یہ بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنا شاذ اور خلاف اجماع ہے۔ ان وزنی دلائل اور معقول براہین کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص اس بات پر اڑا رہے کہ اس کا شان نزول خطبہ ہے یا یہ آیت کریمہ کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو سمجھئے

کہ وہ تعصب کی خاردار وادی میں بھٹک رہا ہے اور غلو کے سنسان بیابان اور بے آب وگیاہ صحراء کی طرف لپک رہا ہے اور حق کے دامن کو ہاتھ سے جھٹک رہا ہے۔

غیر مقلدین کی ایک مضحکہ خیز حرکت

غیر مقلدین کی ایک مضحکہ خیز حرکت یہ ہے کہ ان کو جہاں اپنے مطلب کی بات ملے گی خواہ وہ کتنی ہی ضعیف اور کمزور، کتنی ہی لغو اور بیکار اور کتنی ہی پادر ہوا اور پھسپھسی کیوں نہ ہو اس کو سینے سے لگائیں گے، گلے کا ہار بنائیں گے اس سے تمسک کریں گے اور اس کو مضبوطی سے تھامیں گے۔

لیکن جو بات ان کے مطلب اور مقصد، ان کے مذہب اور مشرب اور ان کی منشا اور رائے کے خلاف ہو خواہ وہ بات صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ، تبع تابعین فخام اور آئمہ ذی المجد والاحتشام سے ثابت ہو اس کو پس پشت ڈال دیں گے اس سے صرف نظر اور اعراض کریں گے۔ اس میں بے جا تاویلات، رکیک توجیہات اور بیہودہ تاویلات کا دروازہ کھولیں گے۔ حقائق سے اغماض کریں گے۔ واقعات کو جھٹلائیں گے۔ صحیح احادیث سے چشم پوشی کریں گے۔ ضعیف احادیث سے استدلال کریں گے خواہ اس میں محمد ابن اسحاق جیسے کذاب اور دجال راوی کیوں نہ ہوں۔

غیر مقلدین کا یہ طرز عمل اور یہ ناروا رویہ درج ذیل سطور سے پوری طرح واضح اور بے نقاب ہو جائے گا، بس ذرا چشم بصیرت کو وا کریں اور حقیقت بیں نگاہوں سے درج ذیل معروضات کا مطالعہ فرمائیں۔ دیکھئے آیت مذکورہ کے بارے میں صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ اس کا شان نزول نماز ہے۔ تابعین فرماتے ہیں اس کا شان نزول نماز ہے، تبع تابعین فرماتے ہیں اس کا شان نزول نماز ہے، امام احمد بن حنبل اس پر جمہور سلف وخلف کا اجماع نقل کرتے ہیں، ان وزنی دلائل و براہین اور قوی بینات وحجج کا تقاضا تو یہ تھا کہ جمہور صحابہ کرام وتابعین فخام وتبع تابعین ذی شان کی بات مان لی جاتی لیکن وہ غیر مقلد ہی کیا جو صحیح بات مان لے۔ چنانچہ غیر مقلدین نے

یہ کیا ان سب تفسیرات کو پس پشت ڈال کر سب سے اعراض کر کے ایک مفسر کی مرجوح تفسیر کو گلے لگایا، گلے کا ہار بنایا، اسے آنکھوں سے لگایا، دل میں بٹھایا، دماغ میں جمایا، اس بارے میں تشدد کر کے دشمنوں کو ہنسایا، دوستوں کو رلایا، مسلمانوں کو ستایا، سادہ لوح مسلمانوں کو بہکایا اور غلایا۔

وہ مرجوح تفسیر یہ ہے کہ آیت کریمہ کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم پوری توجہ اور خاموشی سے سنیں اور شور و غل نہ مچائیں۔

باوجودیکہ یہ تفسیر نہایت مرجوح بلکہ غلط اور باطل ہے لیکن چونکہ بظاہر ان کے مطلب و مقصد اور مسلک و مشرب کے موافق تھی اس لیے قبول کر لی گئی۔

جمہور سلف و خلف کی صحیح ترین تفسیر چونکہ ان کے مطلب و مشرب کے خلاف تھی اس لیے وہ ردی کی ٹوکری میں پھینک دی گئی بلکہ پائے استحقار سے ٹھکرادی گئی۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

اسے کہتے ہیں مطلب پرستی، خود غرضی، بحر تعصب میں غوطہ زنی اور دریائے غلو میں غواصی۔

جب انسان اندھے بہرے تعصب میں مبتلا ہو جاتا ہے، تشدد کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیتا ہے اور غلو کو شعار و دثار تو وہ حقائق بینی کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ واقعات دیکھنے کی قابلیت سے محروم ہو جاتا ہے جس کے طاغوت آشیاں دماغ کو تعصب کی کدورتوں نے گدلا کر رکھا ہو تو وہ حقائق دیکھے تو کیونکر، واقعات پرکھے تو کیسے؟

غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ مذکورہ آیت کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی بالکل غلط اور باطل ہے کیونکہ:

(۱) اس لیے کہ مذکورہ سطور میں احادیث صحیحہ، اجماع امت اور مفسرین کرام کی تصریحات سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کا شان نزول نماز ہے۔ بایں ہمہ یہ کہنا

کہ یہ آیت کریمہ کفار ومشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے تفسیر بالرائے بدعت سیئہ اور آیت کریمہ کی حقیقت کے انکار کے مترادف ہے، حق تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسی بے جا جسارت اور ناروا، وناپسندیدہ حرکت سے محفوظ فرماوے۔ آمین۔

(۲) اس لیے کہ قرآن کریم میں کوئی ایک حکم بھی ایسا نہیں جس کی تعمیل صرف کفار پر واجب ہو اور مسلمانوں کے لیے اس پر عمل پیرا ہونا ممنوع ومحظور ہو۔

(۳) اگر فریق ثانی کی یہ الٹی منطق صحیح تسلیم کر لی جائے تو نہ معلوم ان کا قرآن کریم کے ان عمومی احکام کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا جو بظاہر ایک کافر اور مشرک قوم کے بارے میں نازل ہوئے ہیں۔

مثلاً ایک مقام پر حق تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ، وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (پ۸ رکوع ۴)

ترجمہ: ”اے نبی کریم ﷺ آپ فرما دیجئے کہ تم آؤ میں سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے کہ شریک نہ کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور ان کو اور بے حیائی کے قریب نہ بھٹکو جو ظاہر ہو اس میں سے اور جو پوشیدہ ہو اور نہ قتل کرو اس جان کو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے مگر حق کی وجہ سے تم کو یہ حکم دیا گیا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ“

کیا فریق ثانی کی منطق کی رو سے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان احکام کے مخاطب

صرف کافر اور مشرک ہیں، کفار ومشرکین کے لیے تو شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، قتل اولاد کا ارتکاب کرنا، فواحش ومنکرات کے قریب جانا حرام اور گناہ ہے لیکن مسلمانوں کے لیے ان اعمال قبیحہ کا ارتکاب بالکل جائز اور مستحسن ہے۔ مومنوں کے لیے شرک کرنا اور قتل کرنا بالکل درست ہے۔

(۴) اگر بفرض محال یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ مذکورہ آیت کریمہ کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ کفار ومشرکین کو تو قرآن کریم کی تلاوت کے وقت شور وغل مچانے سے منع کیا گیا ہے لیکن مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت خوب شور وغل کیا کریں۔ کیا فرماتے ہیں علماء غیر مقلدین بیچ اس مسئلہ کے:

آنکھیں اگر بند ہیں پھر دن بھی رات ہے

اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

(۵) نیز اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ آیت کریمہ کافروں اور مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے تب بھی اس کو کافروں میں منحصر سمجھنا اور مسلمانوں کو اس سے خارج کر دینا باطل ہے، حالانکہ اس کا شان نزول ہی مومنوں کی نماز ہے، مگر افسوس صد افسوس کہ فریق مخالف بڑی جرأت اور جسارت سے یہ بات کہتا ہے کہ اس آیت کا جو اولین مصداق ہے اس کو یہ آیت شامل نہیں بلکہ یہ صرف کفار ومشرکین کو شامل ہے۔ یاللعجب۔

(۶) اگر مان بھی لیا جائے کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول کفار ومشرکین کا شور و غل مچانا ہے تو گزارش ہے کہ تمام علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کے کسی حکم اور آیت کو اس کے شان نزول اور خاص سبب پر منحصر کر دینا غلط اور باطل ہے۔ اس کو صرف سبب نزول میں محصور ومسدود سمجھنا ایک ایسی علمی غلطی ہے جس کا ارتکاب کوئی ادنیٰ طالب علم بھی نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم کی سینکڑوں ایسی آیات ہیں جو کسی خاص سبب کی وجہ سے نازل ہوئیں لیکن ان کا حکم چونکہ عام ہے اس لیے وہ اسی

سبب پر محصور و مقصور اور بند و مسدود نہیں ہیں۔

دیکھئے حضرت زید بن حارثہؓ کو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا کہا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے حکم دیا کہ رسول خدا ﷺ تم میں سے کسی بالغ مرد کے باپ نہیں۔ اس آیت کریمہ کا سبب گو خاص ہے لیکن حکم خاص نہیں بلکہ عام ہے۔ اس آیت مقدسہ کی رو سے جیسا کہ زید بن حارثہؓ کو حضور علیہ السلام کا بیٹا کہنا جائز نہیں، ایسا ہی زید، عمر بکر اور خالد وغیرہ دیگر افراد و اشخاص کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا کہنا جائز نہیں۔ جس طرح حضرت زید بن حارثہؓ کے بارے میں حکم ہے کہ ان کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے بلایا جائے، اسی طرح ہر شخص اور ہر فرد کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ اس کو اس کے باپ کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے۔

کیا غیر مقلدین حضرات اس آیت کریمہ کا یہ مطلب لیں گے کہ صرف حضرت زیدؓ کو ہی حضور علیہ السلام کا بیٹا کہنا منع ہے اور دوسرے افراد کو آنحضرت ﷺ کا بیٹا کہنا جائز ہے۔

مسئلہ قرأۃ خلف الامام احادیث نبویہ کی روشنی میں

پہلی حدیث (بطریق سلیمان تیمی)

عن ابی موسیٰ الاشعریؓ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ خَطَبَنَا فَبَیَّنَ لَنَا سُنَّتَنَا وَ عَلَّمَنَا صلوتَنَا فَقَالَ اَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ ثُمَّ لِیَؤُمَّکُمْ اَحَدُکُمْ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا وَاِذَا قَالَ ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ﴾ فَقُوْلُوْا آمِیْنَ.

(صحیح مسلم ص ۱۷۴ ج ۱، ابوداؤد شریف ص ۱۴۰ ج ۱، ابن ماجہ ص ۶۱، مسند ابوعوانہ ص ۱۳۳ ج ۲، بیہقی ص ۱۵۵ ج ۱، مشکوٰۃ شریف ص ۸۱، دار قطنی ص ۳۲۸ ج ۲)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیں (صحابہ کرامؓ کو) خطاب فرمایا، پس آپ نے ہمیں سنت کی تعلیم و تلقین فرمائی اور نماز پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا۔ پس حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ (نماز شروع کرنے سے قبل) اپنی صفیں درست کرلو پھر تم میں سے ایک شخص تمہارا امام بنے جب وہ (امام) تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو۔ اور جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو۔

وجوہ استدلال

(۱) ناظرین باتمکین! یہ حدیث صریح صحیح اور مرفوع ہے اور ہمارے دعویٰ پر واضح اور واشگاف دلیل ہے۔ اس حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑے اہتمام سے نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا اور نماز میں امام اور مقتدیوں کے فرائض، وظائف، ذمہ داریوں کو بڑی وضاحت اور صراحت اور بڑے واضح اور بین طریقے سے بیان فرمایا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ، التباس اور شک وشبہ باقی نہ رہا۔

آپؐ نے اس حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ قراۃ کرنا صرف امام کا فریضہ، وظیفہ اور ذمہ داری ہے۔ مقتدیوں کا کام اور وظیفہ صرف اور صرف خاموشی، توجہ اور انصات ہے۔

چونکہ یہ روایت مطلق ہے اس لیے سری اور جہری دونوں قسم کی نمازوں کو شامل ہے، لہٰذا اس حدیث کی رو سے مقتدیوں کے لیے کسی نماز میں بھی خواہ وہ جہری ہوں یا سری امام کے پیچھے قراۃ کرنے کی مطلق گنجائش نہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد اس حدیث سے امام اور مقتدی کے فرائض اور وظائف پر روشنی ڈالنا ہے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

امام اور مقتدی کے فرائض ترک کر دیے ہوں۔ کیونکہ اگر آپ ایسا کریں تو تبلیغ احکام میں کوتاہی کے مرتکب ہوں گے اور نبی سے ایسی کوتاہی ناممکن ہے۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان احکام کے وقت مقتدی کے فریضہ کو تو بیان نہ فرمائیں بلکہ اس فریضہ کی ضد اور الٹ اور عکس بیان فرما دیں۔ مثلاً اس کے ذمہ امام کے پیچھے قرأۃ کرنا فرض ہو لیکن آپ مقتدی کو قرأۃ کا حکم دینے کی بجائے اس کو قرأۃ نہ کرنے کا امر فرمائیں۔

(۲) امام اور مقتدی کے لیے جو افعال و اعمال فرض تھے وہ حضور علیہ السلام نے بڑی تشریح اور توضیح سے بیان فرما دیے۔ تکبیر تحریمہ دونوں کے لیے فرض تھی اس کی فرضیت اِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا کے الفاظ سے بیان فرمائی، رکوع دونوں کے لیے فرض تھا اس کی وضاحت اِذَا رَکَعَ فَارْکَعُوْا (جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو) سے فرمائی۔ سجدہ دونوں کے لیے فرض تھا اس کی تشریح کے لیے آپ کی زبان فیض ترجمان سے اِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا (جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو) کا جملہ صادر ہوا۔

جب حضور علیہ السلام نے امام اور مقتدی کے مشترکہ فرائض بیان فرما دیے تو کیا وجہ ہے کہ آپ نے قرأۃ (جو بقول غیر مقلدین مقتدی کے لیے فرض ہے) کی فرضیت کے بیان سے نہ صرف پہلو تہی فرمائی بلکہ اس کی جگہ اس کی ضد انصات کو ذکر فرمایا۔ اگر قرأۃ مقتدی کے لیے بھی فرض ہوتی تو حدیث شریف کے الفاظ یوں ہوتے اِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَءَ فَاقْرَؤُا جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب امام پڑھے تو تم بھی پڑھو۔ لیکن حدیث شریف میں اِذَا قَرَءَ فَاقْرَؤُا کی بجائے اِذَا قَرَءَ فَانْصِتُوْا کے الفاظ ہیں۔ اگر امام کے پیچھے قرأۃ فرض تھی تو رکوع سجود وغیرہ کی طرح اس کی فرضیت کی تشریح کیوں نہیں کی گئی۔

(۳) اگر بالفرض اس حدیث میں وَاِذَا قَرَءَ فَانْصِتُوْا کے لفظ نہ بھی مذکور و موجود ہوتے تب بھی یہ روایت اس پر دلالت کرتی کہ قرأۃ کرنا امام کا وظیفہ ہے نہ کہ مقتدیوں

کا۔ان الفاظ کے بغیر حدیث شریف کا مفہوم و مضمون اور مطلب یہ ہوتا۔

جب تم نماز پڑھنا چاہو (پہلے) اپنی صفیں درست کر لو اور تم میں سے ایک شخص امامت کے فرائض انجام دے۔ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّيْنَ﴾ پڑھے تو تم آمین کہو۔ اگر مقتدیوں پر سورہ فاتحہ فرض ہوتی تو وَاِذَا قَالَ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّيْنَ﴾ کے بجائے جمع کا صیغہ وَاِذَا قُلْتُمْ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّيْنَ﴾ فَقُوْلُوْا آمین ہوتا۔ جیسا کہ فقولو آمین میں قولوا جمع کا صیغہ ہے ایسے ہی یہاں بھی قُلْتُمْ جمع کا صیغہ ہوتا۔

صحیح مسلم ص ۱۷۲ ج ۱ کی ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ اِذَا قَالَ الْقَارِئُ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّيْنَ﴾ فَقَالَ مِنْ خَلْفَهٗ آمین کہ جب پڑھنے والا ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّيْنَ﴾ کہے تو جو اس کے پیچھے ہیں وہ آمین کہیں۔ اس حدیث میں پڑھنے کی نسبت صرف امام کی طرف ہوئی ہے یہ اس امر کی واضح اور بین دلیل ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنا صرف امام کا فریضہ ہے۔ مقتدی کا کام صرف خاموش رہنا اور انصات کرنا ہے ہاں البتہ آمین کہنے میں مقتدی برابر کے شریک ہیں۔

دوسری حدیث

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اِنَّمَا جُعِلَ الاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا وَاِذَا قَالَ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّيْنَ﴾ فَقُوْلُوْا آمین وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ.

(نسائی شریف ص ۱۰۷، ج ۱، ابن ماجہ شریف ص ۶۱، طحاوی شریف ص ۱۲۸، مشکوٰۃ شریف ص ۸۱، ج ۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام صرف اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے جب وہ امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب وہ قرأۃ کرے تو تم خاموش رہو اور جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو۔ جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو۔

یہ حدیث بھی واضح طور پر امام اور مقتدی دونوں کے فرائض اور وظائف کی تعیین کرتی ہے کہ تمام نمازوں میں امام کا وظیفہ قرأۃ کرنا اور مقتدی کا وظیفہ خاموشی اور انصات ہے۔

تیسری حدیث

عن جابر بن عبداللہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ. (ابن ماجہ شریف ص ۶۱)

ترجمہ: ”حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لیے امام کی قرأۃ ہی کافی ہے“۔

یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو اس کو الگ پڑھنے اور علیحدہ قرأۃ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ امام کی قرأۃ مقتدی کی قرأۃ اور امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔ اس حدیث شریف میں بھی سری اور جہری کی کوئی قید نہیں لہٰذا یہ بھی اپنے عموم پر ہونے کی وجہ سے ہر نماز کو شامل ہے۔

چوتھی حدیث

عن انسؓ قال صلی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا

بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَتَقْرَءُ وْنَ وَالاِمَامُ يَقْرَأُ فَسَكَتُوْا فَسَأَلَهُمْ ثَلٰثًا فَقَالُوْا اِنَّا نَفْعَلُ قَالَ فَلا تَفْعَلُوْا. (طحاوی شریف ص ۱۰۷)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ ایک نماز پڑھا کر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا کیا تم امام کے پڑھتے وقت (امام کی اقتداء میں) پڑھتے ہو؟ صحابہ کرام خاموش رہے، آپؐ نے تین دفعہ دریافت فرمایا تب صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں حضرت ہم امام کے پیچھے قرأۃ کرتے ہیں۔ اس پر حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (آئندہ) ایسامت کرنا۔

پانچویں حدیث:

عن عبداللہ بن مسعود قَالَ كَانُوْا يَقْرَءُ وْنَ خَلْفَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ خلطتُمْ عَلَيَّ الْقُرْآن (طحاوی شریف ص ۱۰۶، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۶، کتاب القرأۃ ص ۱۴۴)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ حضورﷺ کی اقتداء میں قرأۃ کیا کرتے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (ان کو ڈانٹتے ہوئے) فرمایا کہ تم لوگوں نے (میرے پیچھے پڑھ کر) مجھ پر قرآن کریم کی قرأۃ مختلط (خلط ملط) کردی ہے۔

چھٹی حدیث

عن الزهريؒ عن انسؓ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا

(کتاب القرأۃ ص ۱۱۳)

ترجمہ: ''امام زہریؒ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب امام پڑھے تو تم

خاموش رہو۔

اس روایت میں بھی امام مقتدی دونوں کے وظائف پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ مقتدی کا وظیفہ تمام نمازوں میں خاموشی، سکوت اور انصات ہے اور امام کا فریضہ یہ ہے کہ وہ قرأۃ کرے۔ دونوں کے الگ الگ وظائف ہیں۔ ان میں اشتراک نہیں بلکہ تقسیم ہے۔

ساتویں حدیث:

عَنْ جابر بن عبداللہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ صَلّٰی خَلْفَ اِمَامٍ فَاِنَّ قِرَأۃَ الاِمَامِ لَہٗ قِرَأۃٌ. (طحاوی شریف ص۱۰۶)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو اس کے لیے امام کی قرأۃ ہی کافی ہے۔

امام کا پڑھنا ہی اس کا پڑھنا ہے۔ اسے الگ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

آٹھویں حدیث:

عَنْ جابر قَالَ اِنَّ رَجُلاً صَلّٰی خَلْفَ النَّبِیِّ ﷺ فِی الظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ یَعْنِیْ یَقْرَأُ فَاَوْمٰی اِلَیْهِ رَجُلٌ فَنَهَاهُ فَاَبٰی فَلَمَّا اِنْصَرَفَ قَالَ اَتَنْهَانِیْ اَنْ اَقْرَءَ خَلْفَ النَّبِیِّ ﷺ فَتَذَاکَرَا حَتّٰی سَمِعَ النَّبِیُّ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ صَلّٰی خَلْفَ اِمَامٍ فَاِنَّ قَرَأۃَ الاِمَامِ لَہٗ قِرَأۃٌ.

(کتاب القرأۃ ص۱۲۶)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء میں ظہر یا عصر کی نماز میں قرأۃ کی اثناء نماز میں ایک شخص نے اس کو اشارتاً منع کیا لیکن وہ دوسرا شخص باز

نہ آیا جب نماز سے فارغ ہو چکے تو قرأۃ کرنے والے شخص نے منع کرنے والے سے کہا کہ تم مجھے حضور ﷺ کے پیچھے پڑھنے سے کیوں روکتے ہو وہ دونوں آپس میں تکرار کر رہے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی گفتگو سن کر فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو تو اس کے لیے امام کی قرأۃ ہی کافی ہے (اس کو الگ پڑھنے کی ضرورت نہیں امام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا ہے)

نویں حدیث

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ اِنْصَرَفَ مِنْ صَلٰوۃٍ جَھَرَ فِیْھَا بِالْقِرَاۃِ فَقَالَ ھَلْ قَرَأَمَعِیَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ آنِفًا فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنِّیْ اَقُوْلُ مَا لِیْ اُنَازِعُ الْقُرْآنَ فَانْتَھَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاۃِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْمَا جَھَرَ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ.

(موطا امام مالک ص ۲۹۔ نسائی شریف ص ۱۰۶۔ ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۲۱۔ ترمذی شریف ص ۴۲۔ ابن ماجہ ص ۶۱۔ کتاب القرأۃ ص ۱۱۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک جہری نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا ہے (باوجودیکہ تمام صحابہ کرام موجود تھے) ان میں سے صرف ایک شخص بولا کہ جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ کے ساتھ قرأۃ کی ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جبھی تو میں (اپنے دل میں) کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کی قرأۃ میں جھگڑا کیوں کیا جا رہا ہے۔ منازعت اور کشمکش کیوں

ہو رہی ہے مجھ سے قرآن کریم کیوں چھینا جا رہا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد گرامی کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جہری نمازوں میں قرأۃ کرنے سے رک گئے۔

یہ صبح کی نماز کا واقعہ ہے (ملاحظہ فرمایئے سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۷ اور سنن ابی داؤد ج ۱۔ ص ۱۳۰) جس میں تقریباً تمام صحابہ کرام موجود تھے لیکن ان میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے پڑھنے والا صرف ایک شخص تھا اس کو بھی امام کے پیچھے قرأۃ کرنے پر ڈانٹا گیا۔

اگر امام کے پیچھے پڑھنا فرض ہوتا تو اس فریضہ کے ادا کرنے والے کو نہ ڈانٹا جاتا بلکہ اس کی تحسین وتصویب کی جاتی۔

جو صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے نہیں پڑھ رہے تھے بقول غیر مقلدین چونکہ وہ فرض کے تارک تھے اس لیے چاہیے تھا کہ ان کو فرض کے ترک پر ڈانٹا جاتا اور ان سے کہا جاتا کہ چونکہ تم ایک فرض کے ترک کے مرتکب ہوئے ہو اس لیے تمہاری نماز نہیں ہوئی لہٰذا نماز کا اعادہ کرو۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ فرض کے تارکین کو تو کچھ نہیں کہا گیا اور فاتحہ پڑھنے والے شخص کو ڈانٹ پلائی گئی۔

غیر مقلدین سے ہمارا ایک سوال ہے از راہ کرم وہ اسے حل کر کے شکریہ کا موقع دیں کہ کیا فرض ادا کرنے والوں کو ڈانٹا جاتا ہے یا فرض ترک کرنے والوں کو؟

قابل غور نکتہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ کو اپنی اقتداء میں قرأۃ کرنے کا حکم فرمایا ہوگا یا نہیں۔ اگر آپ نے اپنی اقتداء میں پڑھنے کا امر فرمایا تھا تو پھر حضور علیہ السلام کا اپنے ارشاد گرامی کی تعمیل کرنے والے کو ڈانٹنا چہ معنی دارد؟ کیا یہ ممکن ہے کہ سرور کائنات ﷺ پہلے خود ہی ایک چیز کا حکم فرما دیں اور پھر اس کی تعمیل کرنے والے کو ڈانٹنا شروع کر دیں۔

نیز اگر آپ نے امام کی اقتداء میں پڑنے کا امر فرمایا تھا تو کیا بات ہے کہ سب صحابہ کرامؓ میں سے صرف ایک شخص اس حکم کی تعمیل کرتا ہے اور باقی سب صحابہ کرامؓ آپ کے ارشاد گرامی کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

صحابہ کرامؓ جو شمع نبوت کے پروانے اور آفتاب رسالت کے دیوانے تھے جو آپ کے ادنیٰ اشارہ پر ہزار جان سے نچھاور ہونے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ آپؐ ان دیوانگان شمع رسالت کو حکم فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأۃ کیا کرو اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی لیکن صحابہ کرامؓ کی اکثریت آپؐ کے ارشاد کی تعمیل پر آمادہ نہیں ہوتی بلکہ آپؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرتی ہے کیا صحابہ کرامؓ سے یہ جسارت ممکن ہے۔ بینوا توجروا۔

نیز یہ امر بھی قابل غور ولائق التفات اور خاص طور پر پیش نظر رکھنے کے لائق ہے کہ فریق ثانی کے مسلک کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقتدیوں کو امام کے پیچھے پڑھنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اس کو مقتدیوں کے لیے فرض بھی قرار دیا۔ تو یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ جو چیز آپ کی منازعت خلجان اور تکدر کا باعث بنی اور جس فعل پر آپ نے اظہار ناراضگی اور ناپسندیدگی فرمایا اور آپؐ نے جس حرکت کو ناپسند فرماتے ہوئے اس پر سرزنش کی اور ڈانٹا اور پھر اسی ناپسندیدہ فعل اور باعث خلجان عمل کو فرض بھی قرار دے دیا۔

فریق ثانی کے مسلک و مشرب کا حاصل اور لب لباب یہ نکلا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیچھے پڑھنے کو ناپسند بھی فرمایا ہے اور پسند بھی۔ اس سے منع بھی فرمایا ہے اور اس کا حکم بھی دیا ہے۔

قرأۃ سے منازعت، مخالجت، مخاصمت اور کشمکش ہوتی بھی ہے اور نہیں بھی ہوتی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امام کے پیچھے پڑھنے کے فعل کو ناپسند اور باعث تکدر ہونے کے باوجود فرض قرار دیا۔ حاشا وکلا رسول اللہ ﷺ کی شان عالی اس سے

بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ بیک وقت دو متضاد باتوں کا حکم فرماویں۔ نیز صحابہ کرامؓ کی شان اس سے بہت اونچی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے لیے ایک امر کو ضروری قرار دیں لیکن صحابہؓ سے قابل اعتناء نہ سمجھیں بلکہ اس کی خلاف ورزی کا ارتکاب کریں۔

دسویں حدیث

حضرت ابن عباسؓ سے ابن ماجہ میں ایک لمبی حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ لب لباب اور ماحصل یہ ہے کہ حضور ﷺ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپؐ نے امامت کے فرائض حضرت صدیق اکبرؓ کو تفویض فرمائے تا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھایا کریں۔

ایک مرتبہ جب مرض میں قدرے تخفیف محسوس ہوئی تو حضور ﷺ دو آدمیوں کے سہارے آہستہ آہستہ چل کر مسجد میں تشریف لائے آپ کی مسجد میں تشریف آوری سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز شروع کرا چکے تھے۔ آپ کی آمد محسوس کر کے پیچھے ہٹنے لگے آپ نے اشارہ فرمایا اپنی جگہ ٹھہرے رہو ابوبکر صدیقؓ مصلیٰ کے قریب کھڑے ہو گئے اور ان کی جگہ حضور ﷺ مصلیٰ پر تشریف فرما ہوئے اور بیٹھ کر نماز پڑھانا شروع کی اور ابوبکر صدیقؓ مکبر بن گئے اگلے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں۔

وَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنِ الْقِرَأَۃَ مِنْ حَیْثُ کَانَ بَلَغَ اَبُوْبَکْرٌ. (ابن ماجہ شریف ص۸۸)

حضور ﷺ نے قرأۃ وہیں سے شروع کی جہاں تک حضرت صدیق اکبرؓ قرأۃ فرما چکے تھے۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فَاسْتَفْتَحَ النَّبِیُّ ﷺ مِنْ حَیْثُ انْتَھٰی اَبُوْبَکْرٌ مِنَ الْقُرْاٰن.

(سنن کبریٰ بیہقی ج۳، ص۸۱)

پس حضور ﷺ نے قرآن کریم کے اس حصہ سے پڑھنا شروع

کیا جہاں تک حضرت ابوبکر صدیقؓ قرأۃ فرما چکے تھے۔

ایک تیسری روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

فَاسْتَتَمَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مِنْ حَیْثُ اِنْتَھٰی اَبُوْبَکْرٍ مِنَ الْقِرَاۃِ.

(طحاوی شریف ج ا۔ص ۱۹۷)

کہ حضور ﷺ نے وہاں سے قرأۃ پوری کی جہاں تک حضرت ابوبکرؓ قرأۃ کر چکے تھے۔

یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔اس کے سب راوی ثقہ،ثبت اور حجت ہیں۔اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی پوری سورۃ فاتحہ رہ گئی تھی یا اس کا اکثر حصہ رہ گیا تھا اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شدید بیمار تھے۔دو آدمیوں کے سہارے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے مسجد نبوی میں رونق افروز ہوئے تھے۔آپ کے دھیرے دھیرے تشریف لانے میں معمول سے زیادہ وقت صرف ہو گیا اور حضرت صدیق اکبرؓ آپ کی تشریف آوری سے قبل نماز شروع فرما چکے تھے۔

ان حالات کے پیش نظر عقل و بصیرت اور انصاف و دیانت کا تقاضا تو یہی ہے کہ سورۃ فاتحہ اگر مکمل طور پر نہ پڑھی گئی ہوگی تو اس کا اکثر حصہ تو یقیناً پڑھا جا چکا ہوگا۔ مگر باوجود اس کے حضور ﷺ کی نماز ہو گئی آپ نے اس کا اعادہ نہ فرمایا۔اسے بیکار اور باطل قرار نہ دیا بلکہ اسے درست اور صحیح سمجھا۔اگر امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہوتا تو حضور ﷺ کی یہ نماز نہ ہوتی آپ اسے باطل قرار دے کر اس کا اعادہ فرماتے۔

گیارہویں حدیث

عن ابی ہریرۃ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَنْ اَدْرَکَ رَکَعَۃً مِّنَ الصَّلٰوۃِ فَقَدْ اَدْرَکَھَا قَبْلَ اَنْ یُّقِیْمَ الْاِمَامُ صُلْبَہٗ۔ (دار قطنی ج ا،ص ۳۴۸)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

جس شخص نے امام کو پشت سیدھی کرنے سے پہلے رکوع میں پالیا
اس نے رکعت کو پالیا۔

اس حدیث شریف سے پوری وضاحت اور صراحت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس شخص نے امام کو رکوع میں پالیا اس نے رکعت کو پالیا یعنی اس کی رکعت ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو گیا اس کے رکوع میں شریک ہونے سے پہلے امام فاتحہ پڑھ چکا ہوگا کیونکہ امام فاتحہ پڑھ کر ہی رکوع میں جاتا ہے۔ لیکن باوجودیکہ اس نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی یہ رکعت ہو گئی معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ورنہ اس شخص کی یہ رکعت نہ ہوتی۔

یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ غیر مقلدین حضرات بھی اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔

بارہویں حدیث:

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ اَنَّہٗ دَخَلَ الْمَسْجِد وَالنَّبِیُّ ﷺ رَاکِعٌ فَرَکَعَ قَبْلَ اَنْ یَّصِلَ اِلَی الصَّفِّ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ زَادَکَ اللّٰہُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ. (سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۰)

حضرت ابوبکرہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ رکوع میں چلے گئے تھے چنانچہ صف میں ملنے سے پہلے ہی وہ رکوع میں چلے گئے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ صف میں مل گئے آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیکی پر حریص کرے پھر ایسا نہ کرنا۔

یہ بات بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر رکوع میں شامل ہو گئے تھے لیکن اس کے باوجود ان کی یہ رکعت ہو گئی۔ حضور ﷺ نے ان کی اس نماز کو کامل مکمل اور صحیح سمجھا اور ان کو نماز دہرانے کا حکم نہیں فرمایا۔ اگر سورۃ

فاتحہ کا پڑھنا ہر رکعت میں فرض اور رکن ہے تو حضرت ابوبکرہ کی یہ نماز کیسے درست ہو گئی ان کو دوبارہ پڑھنے کا کیوں نہ حکم دیا گیا۔

غیر مقلد حضرات کو بھی بدرجہ مجبوری بادل نخواستہ اس حدیث کو صحیح ماننا پڑا ہے اور اس بات کا اقرار کرنا پڑا ہے کہ مدرک رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے چنانچہ مولانا شمس الحق عظیم آبادی التعلیق المغنی علی الدار قطنی میں لکھتے ہیں۔

وفی ذلک دلالۃ علی ادراک الرکعۃ بادراک الرکوع و قد روی صریحاً عن ابن مسعودؓ و زیدؓ بن ثابت وابن عمرؓ. (التعلیق المغنی علی الدار قطنی ص ۳۴۷)

اور اس (حدیث ابوبکرہؓ) میں اس بات پر دلالت ہے کہ امام کو رکوع میں پانے والا رکعت پا لیتا ہے اور یہ مسئلہ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی صراحۃً روایت کیا گیا ہے۔

امام غرباء اہلحدیث ابومحمد مولوی عبدالستار صاحب اپنی تفسیر ستاری میں لکھتے ہیں۔

بیشک شرعاً مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔ احادیث نبویہ وتعامل صحابہؓ سے اس کا کافی ثبوت پایا جاتا ہے مگر اس سے عدم وجوب فاتحہ پر استدلال کرنا محض غلط و باطل ہے۔ قرأۃ کا وجوب حالت قیام میں ہے نہ حالت رکوع میں جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔ (تفسیر ستاری ص ۳۶۷)

جواب: تفسیر ستاری کے مصنف کے اس جواب میں قطعاً کوئی وزن اور معقولیت نہیں۔ مولوی صاحب موصوف کا جواب تو سراسر قیاس پر مبنی ہے جس کے متعلق یہ حضرات گلا پھاڑ پھاڑ کر اور چیخ چیخ کر یہ نعرہ لگایا کرتے ہیں اول من قاس ابلیس کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا۔ آگے یہ ان کی بلا جانے کہ ابلیس کا قیاس کس نوعیت کا تھا۔ اور قیاس مجتہد کسے کہتے ہیں؟

پھر یہ بھی خوب رہی کہ جب حالت بدل گئی تو حکم بھی بدل گیا۔ اول تو اس کو ثابت کرنا چاہیے تھا کہ رکوع کرنے سے کیا حالت بدل گئی؟ کیا نماز ختم ہوگئی یا نمازی بدل گیا۔

آخر یہ مسئلہ کس حدیث سے آپ نے معلوم کیا کہ رکوع کرنے سے نماز یا نمازی کی حالت بدل جاتی ہے۔ حضرت ابوبکرہؓ کی حدیث اور دوسری وہ احادیث جو رکوع پالینے سے رکعت پانے پر دلالت کرتی ہیں، سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر میں رکوع قیام کے حکم میں ہے کہ سجدہ پالینے سے رکعت نہیں ملتی اور رکوع پالینے سے رکعت مل جاتی ہے۔ جب رکوع بحکم قیام ہے تو رکوع سے حالت نہیں بدلی لہٰذا رکوع پالینے کی حالت میں رکوع میں قرأۃ فاتحہ فرض ہونی چاہیے۔

چنانچہ بعض صحابہ کرامؓ اس طرف بھی گئے ہیں کہ رکوع میں فاتحہ پڑھ لینی چاہیے۔ کتاب القرأۃ بیہقی کی درج ذیل روایت ملاحظہ فرماویں۔

عن حسان بن عطية عن ابى الدر داء قال لا تترك الفاتحة خلف الامام زاد ابن ابى الحوارى ولوان تقرا وانت راكع وفى رواية اخرى عن ابى الدرداء قال لو ادركت الا مام وهو راكع لا حببت ان اقرء بفاتحة الكتاب . (کتاب القرأۃ بیہقی ص ۵۲)

حسان ابن عطیہ حضرت ابوالدرداء سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ چھوڑو چاہے رکوع ہی میں پڑھ لو۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں امام کو رکوع میں پاؤں تو اس کو پسند کروں گا کہ سورۃ فاتحہ رکوع ہی میں پڑھ لوں۔

اس اثر سے صاحب تفسیر ستاری کی بنائی ہوئی عمارت دھڑام سے پیوند زمین ہوجاتی ہے پس معلوم ہوا کہ رکوع سے حالت نہیں بدلی بلکہ رکوع میں قیام کی طرح قرأۃ

فاتحہ ہوسکتی ہے پس امام غرباء اہلحدیث کا یہ کہنا کہ جیسے شریعت کا یہ حکم ہے کہ کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی ویسے ہی شریعت کا یہ بھی حکم ہے کہ رکوع میں ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے یہ احناف کے مسلک کے قوی، وزنی اور معقول ہونے کا اعتراف واقرار ہے۔ جب رکوع میں مقتدی کے ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے اور رکوع میں پڑھنا فرض نہیں حالانکہ رکوع بحکم قیام ہے تو معلوم ہوا کہ حالت قیام میں بھی مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ امام کی قراۃ ہی مقتدی کی قراۃ تصور کی جائے گی۔

حق بات یہ ہے کہ جو لوگ مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرض قرار دیتے ہیں ان کو یا تو داؤد بن علی ظاہری کی طرح اس بات کا قائل ہو جانا چاہیے کہ رکوع پالینے سے رکعت ہرگز نہیں ہوسکتی۔ یا پھر حضرت ابودرداؓ کی طرح اس بات کے قائل ہو جائیں کہ امام کو رکوع میں پانے والا رکوع کی حالت میں ہی سورۃ فاتحہ پڑھ لے۔ اگر غیر مقلد حضرات جمہور کی طرح اس بات کے قائل ہوں گے کہ رکوع پالینے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں فاتحہ پڑھنا فرض نہیں تو پھر وہ کسی طرح بھی مقتدی پر سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کو فرض نہیں کہہ سکتے۔

رہا یہ اعتراض کہ حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے لیے قیام فرض ہے اور اس حالت میں ابوبکرہ صحابی کو قیام بھی نہیں ملا اور بغیر قیام کے ان کی وہ رکعت ہوگئی پس معلوم ہوا کہ قیام بھی فرض نہیں ہے۔ حالانکہ احناف کے نزدیک قیام ارکان صلوۃ میں سے ایک اہم رکن ہے۔

جواب: معترضین حضرات سے ہماری گزارش ہے کہ وہ ارشاد فرمائیں کیا ابوبکرہ نے تکبیر تحریمہ بھی کہی تھی یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو حدیث میں اس کا ذکر کہاں ہے؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ تکبیر کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، تو ہم جواباً عرض کریں گے کہ قیام کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ تکبیر تحریمہ بدوں قیام کے صحیح نہیں ہوتی علامہ شوکانیؒ اور امام طحاوی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر

قیام کے صحیح نہیں ہوتی۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو ساری امت کے اجماع اور تعامل کے خلاف ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بغیر کسی کے نزدیک نماز صحیح نہیں ہوتی۔

تیرہویں حدیث

عن جابرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ کُلُّ صَلوٰۃٍ لا یُقْرَأُ فِیْھَا بِاُمِّ الْکِتَابِ فَھِیَ خِدَاجٌ اِلا وَرَاءَ الاِمَامِ.

(کتاب القرأۃ بیہقی ص۱۳۶)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے ناقص ہے مگر امام کی اقتدا میں جو نماز پڑھی جائے اس میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

چودہویں حدیث

اخبرنا ابو سعد احمد بن محمد المالینی انا ابو احمد عبداللہ بن عدی الحافظ نا جعفر بن احمد الحجاج و جماعۃ قالو انا بحر بن نصر نا یحییٰ بن سلام نا مالک بن انس نا وھب بن کیسان قال سمعت جابر بن عبداللہ یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول مَنْ صَلّٰی صَلوٰۃً لَمْ یَقْرَأْ فِیْھَا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَلَمْ یُصَلِّ اِلاوَرَاءِ الاِمَامِ . (کتاب القرأۃ ص۱۳۶)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ہم کو ابو سعد احمد بن محمد مالینی نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو احمد عبداللہ بن عدی الحافظ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے جعفر بن احمد حجاج نے اور ایک جماعت نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے یحییٰ بن سلام نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مالک

بن انس نے بیان فرمایا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے وہب بن کیسان نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے سنا کہ جس شخص نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوگی مگر امام کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز اس سے مستثنیٰ ہے یعنی وہ ہو جائے گی اور مقتدی کے لیے الگ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

پندرہویں حدیث

عن ابی ھریرۃؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کُلُّ صَلٰوۃٍ لا یُقْرَأُ فِیْھَا بِاُمِّ الْکِتَابِ فَھِیَ خِدَاجٌ اِلا صَلٰوۃَ خَلْفِ الْاِمَامِ

(کتاب القراۃ بیہقی ص ۱۷۱)

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوتی ہے مگر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جاوے۔

(اس میں امام کے پیچھے پڑھنے کی ضرورت نہیں وہ امام کے پیچھے پڑھے بغیر ہی ہو جاوے گی)

اس روایت میں خلف الامام اور ام الکتاب کی قید خاص طور پر ملحوظ خاطر اور پیش نظر رکھنی چاہیے اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ اس حدیث شریف میں حضور ﷺ نے تمام نمازوں میں خواہ وہ جہری ہوں یا سری سورۃ فاتحہ کی قراۃ کو ضروری، لازم اور واجب قرار دیا ہے مگر مقتدی کی نماز کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور مقتدی کے لیے پڑھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

مبارکپوری صاحب اور ان کے ہمنوا حضرات نے جہاں قراۃ سے ماز اد علی الفاتحہ کی تاویل کر کے جان چھڑانے کی کوشش کی ہے ان کی یہ تاویل بھی باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اس حدیث شریف میں خاص طور پر امّ الکتاب کی قید مذکور ہے جو ان کی مذکورہ تاویل کو غلط قرار دیتی ہے۔

مسئلہ قرأۃ خلف الامام

جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے فتووں کی روشنی میں

جمہور سلف وخلف کی تفسیر کی روشنی میں قرآن کریم کا واضح، ناطق، اور واشگاف فیصلہ پیش کیا جا چکا ہے۔ نیز اس بارہ میں صحیح، صریح اور مرفوع احادیث بھی پیش کی جا چکی ہیں۔ اب احقر مناسب سمجھتا ہے کہ شمع نبوت کے پروانوں اور آفتاب رسالت کے دیوانوں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال وآثار، آراء و افکار اور فتاویٰ پیش کر دیے جائیں۔ تاکہ ناظرین کرام پر یہ بات واضح ہو جائے کہ آفتاب نبوت سے براہ راست اکتساب فیض کرنے والوں نے امام کے پیچھے قرأۃ کرنے کے بارے میں کیا سمجھا ہے، اس بارے میں ان کے اقوال وفتاویٰ کیا ہیں۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ اس سلسلہ میں جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابہ کرام کی اکثریت احناف کی ہمنوا، ہم صدا اور مؤید ہے۔

نہ صرف یہ کہ ان سے امام کے پیچھے پڑھنے کی ممانعت وارد ہے بلکہ پڑھنے والوں کے لیے دھمکیاں اور وعیدیں بھی منقول ہیں۔

حضرت مسروق جو بہت بڑے تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ۔

قَالَ وَجَدتُّ عِلْمَ اَصْحَابِ مُحَمَّد ﷺ اِنْتَھٰی اِلٰی سِتَّۃٍ، اِلٰی عُمَر وَ عَلِي و معاذ وابی الدر داء وزید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنھم (تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۲۵)

میں نے صحابہ کرامؓ سے اکتساب فیض کرنے کے بعد دیکھا کہ ان سب کا علم چھ (بزرگ) صحابہ کرام کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری دینی مسائل کی نشر واشاعت اور ترویج کے لحاظ سے صحابہ کرامؓ کو تین طبقات پر منقسم کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ایک طبقہ وہ ہے جس سے دینی مسائل کی نشر واشاعت اور ترویج کم ہوئی ہے۔ دوسرا وہ طبقہ ہے جو اس بارے میں متوسط رہا ہے۔ تیسرا وہ طبقہ ہے جس سے دینی مسائل واحکام کی نشر واشاعت اور ترویج بہت زیادہ ہوئی ہے۔

مبارکپوری صاحب کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

وکان المکثرون منهم سبعة عمرؓ بن الخطاب و علیؓ بن ابی طالب و عبداللہؓ بن مسعود و عائشہؓ ام المومنین و زید بن ثابتؓ و عبداللہؓ بن عباس و عبداللہ بن عمرؓ.

جن صحابہ کرام سے دین کی بہت زیادہ نشر واشاعت ہوئی ہے ان میں سے یہ سات حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حسن اتفاق سے مذکورہ جلیل القدر وعظیم المرتبت صحابہ کرامؓ کی اکثریت اس بارہ میں (امام کے پیچھے قرأۃ نہ کرنے کے سلسلہ میں) احناف کثر اللہ سوادہم کے ساتھ ہے فللہ الحمد علی ذلک۔ اب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فتوے ملاحظہ فرمائیں۔

فتویٰ حضرت زید بن ثابتؓ

عن عطاء انّہٗ سَاَلَ زَیْدَ بن ثَابِتٍ عَنِ الْقِرَاءَۃِ مع الامام فَقَالَ لا قِرَائَۃَ مَعَ الاِمَامِ فِیْ شَیْءٍ مِنَ الصَّلٰوۃِ.

(مسلم شریف ج ۱، ص ۲۱۵۔ نسائی شریف ج ۱، ص ۱۱۱۔ مسند ابو

عوانہ ج ۲، ص ۲۰۷۔ طحاوی شریف ص ۱۰۸)

حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ثابت سے امام کے پیچھے پڑھنے کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں (خواہ سری ہو یا جہری) کوئی قرأۃ نہیں کی جا سکتی۔

مصنف ابن ابی شیبہ اور موطا امام محمد میں حضرت زید بن ثابتؓ کا یہ فتویٰ ان الفاظ سے منقول ہے۔

عن زید بن ثابت قال مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الاِمَامِ فَلا صَلٰوۃَ لَہٗ

(موطا امام محمد ص ۴۶)(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۶ ج ۱)

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے امام کے پیچھے قرأۃ کی تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۶ میں حضرت ابن ثوبان نے حضرت زید بن ثابت کا یہ اثر بایں الفاظ نقل فرمایا ہے۔

عن ابن ثَوْبَانٍ عن زیدؓ بن ثابت قال لا یُقْرَءُ خَلْفَ الاِمَامِ اِنْ جَھَرَ وَاِنْ خَافَتَ.

حضرت ابن ثوبان حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں امام کے پیچھے نہ پڑھا جائے امام بلند آواز سے پڑھتا ہو یا پست آواز سے۔

حضرت زید بن ثابتؓ کا یہ فتویٰ اس امر کی واضح اور بیّن دلیل ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کو کسی نماز میں کسی قسم کی قرأۃ کا کوئی حق نہیں۔

فتویٰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

عن ابن عمرؓ قال اذا صَلّٰی اَحَدُکُمْ خَلْفَ الاِمَامِ فَحَسْبُہٗ

قِرَاءَةُ الاِمَامِ وَاِذَا صَلّٰى وَحْدَهٗ فَلْيَقْرَاْ وَكَانَ عَبْدُاللهِ بنُ عَمَرَ لا يَقْرَاُ خَلْفَ الاِمَامِ.

(موطا امام مالک ص۲۹، طحاوی شریف ص۱۲۹، موطا امام محمد ص۹۲)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ تم میں سے جب کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کو امام کی قرأۃ ہی کافی ہے اور جب اکیلا اور تنہا پڑھے تو اس کو پڑھنا چاہیے اور حضرت عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے نہیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کا یہ اثر موطا امام محمد میں ان الفاظ سے روایت کیا گیا ہے۔

عن ابن عمرؓ قال مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الاِمَامِ كَفَتْهُ قِرَاْتُهٗ

(موطا امام محمد ص۹۳)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جس شخص نے امام کی اقتداء میں نماز پڑھی اس کے لیے امام کی قرأۃ ہی کافی ہے۔

فتویٰ حضرت جابر بن عبداللہؓ

عن وهب بن كَيْسَانَ اِنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بن عبدُاللهِ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَا فِيْهَا بِاُمِّ القرآن فَلَمْ يُصَلِّ اِلا وَرَاءَ الاِمَامِ. (موطا امام محمد ص۹۲)

وہب بن کیسان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے سنا کہ جس شخص نے کوئی رکعت بغیر سورۃ فاتحہ کے پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے (یعنی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں)

اس اثر میں مبارکپوری صاحب کی یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ قرأۃ سے مراد جہر ہے کیونکہ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص کوئی رکعت پڑھے اور اس

میں سورۃ فاتحہ جہر سے نہ پڑھے اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے زور سے نہ پڑھے اس سے یہ لازم آئے گا کہ منفرد پر سورہ فاتحہ زور سے پڑھنا واجب ہے حالانکہ اہل اسلام میں سے اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ

عن ابنؓ مسعود قَالَ اَنْصِتْ لِلْقُرْآنِ فَاِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ شُغْلاً وَسَیَکْفِیکَ ذٰلِکَ الاِمَامُ.

(طحاوی شریف ص ۱۰۷۔ موطا امام محمد ص ۹۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۔ ص ۳۷۶)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ امام کے پیچھے قرآن کے لیے خاموش رہو کیونکہ نماز میں (دوسرا) شغل ہے (یعنی قرآن کے اوامر ونواہی اور وعدہ وعید پر غور کرنا) اور تم کو (قرأۃ کے بارہ میں) امام کافی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا دوسرا فتویٰ

لَیْتَ الَّذِیْ یَقْرَأُ خَلْفَ الاِمَامِ مُلِیءَ فُوْہُ تُرَابًا.

(طحاوی شریف ص ۱۰۷)

وہ شخص جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے کاش کہ اس کا منہ مٹی سے بھرا جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فتویٰ

امام عبدالرزاق اپنے مصنف میں داؤد بن قیس سے اور وہ محمد بن عجلان سے روایت کرتے ہیں۔

قال علیؓ مَنْ قَرَأَ مَعَ الاِمَامِ فَلَیْسَ عَلَی الْفِطْرَۃِ.

(مصنف عبدالرزاق ج ۲، ص ۱۳۷۔ دار قطنی ج ۱، ص ۱۲۱۔ طحاوی ج ۱، ص ۱۰۷)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جس شخص نے امام کے پیچھے پڑھا وہ فطرت (سنت) پر نہیں ہے یعنی وہ سنت پر عامل نہیں بلکہ بدعت کا پیروکار ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ فتویٰ مصنف ابن ابی شیبہ میں ان الفاظ سے مروی ہے۔

مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الاِمَامِ فَقَدْ اَخْطَأَ الْفِطْرَةَ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۱، ص۳۷۶)

جس شخص نے امام کے پیچھے پڑھا اس نے سنت کی خلاف ورزی اور مخالفت کی۔

مصنف عبدالرزاق اور کنز العمال میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر بایں الفاظ منقول ہے۔

عن علیؓ ان عَلِیًا قال مَنْ قرا خلف الاِمَامِ فلا صَلٰوۃَ لَہٗ.

(مصنف عبدالرزاق ج۲، ص۱۳۹۔ کنز العمال ج۸، ص۱۸۴)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس شخص نے امام کے پیچھے قرأۃ کی اس کی نماز نہیں ہوتی۔

فتویٰ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

عن ابی جمرۃ قال سَاَلْتُ عَبْدَاللہ بن عباسؓ اَقْرَأُ وَالاِمَامُ بَیْنَ یَدَیَّ قَالَ لَا . (طحاوی شریف ج۱، ص۱۲۹)

حضرت ابوجمرۃؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ جب امام میرے آگے قرأۃ کر رہا ہو تو کیا میں بھی قرأۃ کروں (پڑھوں) انہوں نے فرمایا نہیں۔

اس اثر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے صاف طور پر مقتدیوں کو امام کے

پیچھے پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا دوسرا فتویٰ

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سوال کیا گیا۔

اِنَّ نَاسًا یَقْرَؤنَ فِی الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ فَقَالَ لَوْ کَانَ لِیْ سَبِیْلٌ لَقَلَعْتُ اَلْسِنَتَھُمْ. (طحاوی شریف ج ا ص ۱۲۱)

کہ کچھ لوگ ظہر اور عصر کی نماز میں (امام کے پیچھے) قرأۃ کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر میرا بس چلے تو میں ان کی زبانیں (گدی سے) کھینچ لوں۔

حضرت ابن عباسؓ کے اس فتویٰ میں اگرچہ خلف الامام کی قید مذکور نہیں مگر معمولی غور وخوض، ادنیٰ سوچ و بچار، اور تھوڑے سے تفکر وتدبر کے بعد یہ بات بخوبی واضح، واشگاف اور روشن ہو جاتی ہے کہ امام اور منفرد کے لیے تو بالاتفاق پڑھنا ضروری ہے۔ امام اور منفرد کے بارے میں تو یہ شدید دھمکی ہو ہی نہیں سکتی لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ وعید شدید امام کے پیچھے قرأۃ کرنے والوں کے بارے میں ہے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کا فتویٰ

عن عمرؓ بن الخطاب قال لَیْتَ فِیْ فَمِ الَّذِیْ یَقْرَأ خَلْفَ الْاِمَامِ حَجَرًا.

(موطا امام محمد ص ۹۸ مصنف عبدالرزاق ج ۲، ص ۱۳۸)

حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے پڑھنے والوں کے منہ میں پتھر پڑ جائیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عمرؓ کا یہ فتویٰ بایں الفاظ منقول ہے۔

عن نَافِعٍ وانس بن سِیْرِیْن قال قال عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ

تکْفِیْکَ قِرَأتُہٗ (الامام، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۶)

حضرت نافع اور انس بن سیرین سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا کہ مقتدی کو امام کی قراۃ کافی ہے۔

حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کا فتویٰ

عن سعدؓ قال وَدِدْتُ الَّذِیْ یَقْرَاُ خَلْفَ الاِمَامِ فِیْ فِیْہِ جَمْرَۃٌ.

(موطا امام محمد ص ۹۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۶)

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میری تمنا اور خواہش ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں انگارے بھر جائیں۔

فتویٰ حضرت عبداللہؓ بن عمر و زیدؓ بن ثابت و جابرؓ بن عبداللہ

عن عبید اللہ بن مِقْسَمٍ اَنَّہٗ سَاَلَ عبداللہ بن عمرؓ و زیدؓ بن ثابت و جابرؓ بن عبداللہ فَقَالُوْا لایَقْرَا فِیْ شَیْءٍ مِنَ الصَّلَوٰاتِ. (طحاوی شریف ص ۱۰۷)

عبید بن مقسم سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ سے امام کے پیچھے پڑھنے کے بارہ میں دریافت کیا تو ان سب حضرات نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی (سری ہو یا جہری) قراۃ نہ کی جائے۔

فتویٰ حضرات خلفاء راشدینؓ

اخبرنی موسی بن عقبۃ ان رسول اللہ ﷺ وابا بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کَانُوْا یَنْھَوْنَ عَنِ الْقِرَائَۃِ خَلْفَ الاِمَامِ

(مصنف عبدالرزاق ج ۲، ص ۱۳۹)

امام عبدالرزاقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے موسیٰ بن عقبہ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ اور عثمان غنی رضی

اللہ تعالیٰ عنہم امام کے پیچھے قرأۃ کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

ستر بدری صحابہ کرامؓ کا فتویٰ

قَالَ الشعبی اَدْرَکْتُ سَبْعِیْنَ بَدْرِیًّا کُلُّھُمْ یَمْنَعُوْنَ الْمُقْتَدِی عَنِ الْقِرَائَۃِ خَلْفَ الاِمَامِ.

(روح المعانی ج۹، ص ۱۵۲)

حضرت شعبیؒ جو بہت بڑے تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ کرامؓ کو پایا وہ سب کے سب امام کے پیچھے قرأۃ کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

مسئلہ قرأۃ خلف الامام

تابعین عظام کے فتووں کی روشنی میں

ناظرین کرام! صحابہ کرام کے اقوال و آثار پیش کیے جاچکے ہیں۔ اب تابعین عظام کے کچھ آثار و فتاویٰ پیش کیے جاتے ہیں تاکہ ناظرین کرام معلوم کرسکیں کہ خیر القرون کے درخشندہ ستاروں اور آسمان ہدایت کے روشن سیاروں تابعین عظام کا قرأۃ خلف الامام کے بارے میں مسلک کیا تھا انہوں نے اس بارہ میں قرآن و حدیث سے کیا سمجھا ہے۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ کا فتویٰ

عن مغیرۃ عن ابراھیم انہ کان یکرہ القرأۃ خلف الامام و کان یقول تکفیک قرأۃ الامام .

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱، ص ۳۷۷)

حضرت مغیرہ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی امام کے پیچھے پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور

فرماتے تھے کہ مقتدی کو امام کی قرأۃ ہی کافی ہے۔

حضرت سعید بن جبیر کا فتویٰ

عن ابی بشر عن سعیدؒ بن جبیر قال سالته عن القرأة خلف الامام قال لیس خلف الامام قرأة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱، ص ۳۷۷)

حضرت ابو بشرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعیدؒ بن جبیر سے امام کے پیچھے پڑھنے کے بارہ میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأۃ نہیں یعنی سری اور جہری دونوں قسم کی نمازوں میں قرأۃ نہیں۔

حضرت سعیدؒ بن مسیب کا فتویٰ

عن قتادة عن ابن المسیب قال انصت للامام

(کتاب القرأۃ ص ۹۱)

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کہ امام کی قرأۃ کے لیے خاموش رہو۔ یعنی امام کے پیچھے قرأۃ کی ضرورت نہیں۔

حضرت محمدؒ بن سیرین کا فتویٰ

عن محمدؒ قال لا اعلم القرأة خلف الامام من السنة

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۷، ج ۱)

حضرت محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میں امام کے پیچھے پڑھنے کو سنت نہیں سمجھتا یعنی میرے نزدیک امام کے پیچھے پڑھنا سنت کی خلاف ورزی کرنا اور بدعت کا ارتکاب کرنا ہے۔

حضرت علقمہ بن قیس کا فتویٰ

عن ابی اسحاق ان علقمة بن قیس قال ان الذی یقرا خلف الامام ملی فوہ ترابا اور ضفا.

(مصنف عبدالرزاق ج ۲، ص ۱۳۹۔ موطا امام محمد ص ۴۵)

حضرت ابواسحق فرماتے ہیں کہ میری تمنا ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کا منہ مٹی یا گرم پتھر سے بھر جائے۔

حضرت اسود بن یزید کا فتویٰ

عبدالرزاق بن ہمام اپنے مصنف میں سفیان ثوریؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ امام اعمش اور وہ ابراہیم نخعی اور وہ اسود بن یزیدؒ سے وہ فرماتے ہیں۔

قال وددت ان الذی یقرا خلف الامام ملی فوہ ترابا

(مصنف عبدالرزاق ج ۲، ص ۱۳۹)

میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھے اس کا منہ مٹی سے بھر جائے۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱، ص ۳۷۶ میں حضرت اسود بن یزیدؒ سے یہ فتویٰ ان الفاظ سے مروی ہے۔

عن الاسود بن یزید لان اعض علی جمرة احب الی ان اقرء خلف الامام.

امام کے پیچھے پڑھنے سے میرے لیے یہ زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں منہ میں انگارہ رکھ لوں۔

حضرت عمرو بن میمونؒ کا فتویٰ

عن اشعث عن مالک بن عمارة قال سئلت لاادری کم رجل من اصحاب عبداللہ بن مسعود کلھم

یقولون لا یقرا خلف الامام منھم عمرو بن میمون

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۷)

اشعث حضرت مالک بن عمارۃ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے بے شمار شاگردوں سے (امام کے پیچھے پڑھنے کے بارہ میں سوال کیا) ان سب نے (بالاتفاق) کہا کہ امام کے پیچھے قرأۃ نہیں کرنی چاہیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے وہ شاگرد جن سے میں نے اس بارہ میں سوال کیا ان میں سے حضرت عمرو بن میمون خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت ضحاکؒ کا فتویٰ

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

کان الضحاک ینھی عن القرأۃ خلف الامام.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۷)

حضرت ضحاک تابعیؒ امام کے پیچھے قرأۃ کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عروہؒ بن زبیر کا فتویٰ

ہشام بن عروہ اپنے والد ماجد حضرت عروہؒ بن زبیر سے روایت فرماتے ہیں۔

انہ کان یقرا خلف الامام اذا لم یجھر فیہ الامام

(موطا امام مالکؒ کتاب القرأۃ ص ۱۰۰)

کہ عروہؒ بن زبیر امام کے پیچھے صرف سری نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔

مسئلہ قرأۃ خلف الامام
تبع تابعین کے فتووں کی روشنی میں

حضرت سفیان بن عیینہ

امام سفیان بن عیینہؒ جو تبع تابعین میں بڑا اونچا اور ممتاز مقام رکھتے تھے، وہ امام کے پیچھے مطلقاً (سری جہری دونوں میں) قرأۃ کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی مرفوع حدیث لاصلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب فصاعدا کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ حدیث شریف "لمن یصلی وحدہ" (ابوداؤد ج اص ۱۱۹) اس شخص کے لیے ہے جو تنہا نماز پڑھتا ہو۔ یعنی یہ حدیث منفرد کے بارہ میں ہے کہ منفرد کے لیے پڑھنا ضروری ہے۔ مقتدی کے حق میں نہیں اس لیے کہ مقتدی کے لیے امام کی قرأۃ کافی ہے۔

امام سفیان بن عیینہؒ کے اس ارشاد (ھذا لمن یصلی وحدہ) سے یہ بات بالکل عیاں اور الم نشرح ہو جاتی ہے کہ ان کے نزدیک مقتدی کے لیے امام کے پیچھے پڑھنا جائز نہیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ

حضرت سفیان ثوری سری اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأۃ کے قائل نہ تھے چنانچہ مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں۔

قال سفیان الثوری واصحاب الرای لایقرا خلف الامام فیما جھراً وسراً (تحفۃ الاحوذی ۲۵۷)

سفیان ثوریؒ اور اصحاب رائے کا مذہب یہ ہے کہ امام کے پیچھے سری اور جہری نمازوں میں نہ پڑھا جائے۔

امام عبداللہ بن وہبؒ

رئیس المحققین، سید المحدثین، سند المفسرین امام العصر حضرت العلام جناب مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام عبداللہ بن وہب کا مسلک بھی امام ابن عیینہؒ کی طرح یہ ہے کہ امام کے پیچھے قرأۃ نہ کی جائے۔
(فصل الخطاب ص ۸۰)

امام اوزاعیؒ

امام اوزاعیؒ بھی امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قرأۃ کی فرضیت کے قائل نہ تھے، صرف سری نمازوں میں قائل تھے وہ بھی استحبابی طور پر نہ کہ وجوباً چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں۔

ومذهب طائفة كالاوزاعي و غيره من الشاميين يقراها استحبابا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۶۷)

امام اوزاعی اوران کی علاوہ شام کے علماء کا مسلک یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا صرف مستحب ہے یعنی اگر نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بھی امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ جہری نمازوں میں پڑھنے سے روکتے تھے اور سری میں پڑھنے کی صرف اجازت دیتے تھے اور اس کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری جزء القرأۃ میں لکھتے ہیں۔

قال ابو وائل عن ابن مسعودؓ قال انصت للا مام وقال ابن المبارک ان هذا في الجهر و انما يقرء خلف الامام فيما سكت الامام. (جزء القرأۃ ص ۱۲)

ابو وائل حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ امام

کے پیچھے خاموش رہا کرو۔ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراۃ نہ کرنی چاہیے اور سری نمازوں میں پڑھ لینا چاہیے، وہ بھی وجوبی طور پر نہیں۔

مولانا عبدالرحمان صاحب مبارکپوری تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں۔

فان عبدالله بن مبارک لم یکن من القائلین بوجوب القرأۃ خلف الامام. (تحفۃ الاحوذی ج ا ص ۲۵۷)

حضرت عبداللہ بن مبارک ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

امام زہریؒ

حضرت امام زہری جیسے حدیث کے عظیم امام بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری (مشہور غیر مقلد عالم) تحفۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں۔

قال الزھریؒ و مالکؒ و ابن المبارکؒ واحمدؒ واسحقؒ یقرافیما اسر الامام فیه ولا یقرا فیما جھر به

(تحفۃ الاحوذی ج ا ص ۲۵۰ مغنی ابن قدامہ ص ۱۰۹)

امام زہریؒ، امام مالکؒ، امام ابن مبارکؒ اور امام احمدؒ اور امام اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو نہیں پڑھنا چاہیے اور سری میں پڑھ لینا چاہیے۔

امام اسحٰقؒ

مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری نے مذکورہ بالا عبارت میں امام اسحٰقؒ بن راہویہ کا بھی وہی مسلک بیان کیا ہے جو امام زہریؒ، امام مالکؒ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، اور امام احمدؒ بن حنبل کا تھا کہ جہری نمازوں میں نہیں پڑھنا چاہیے۔

علامہ ابوالفضل شہاب الدین السید محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ اپنی مشہور اور بے نظیر کتاب ''تفسیر روح المعانی'' میں لکھتے ہیں۔

وذهب قوم الى ان المأموم يقرا اذا اسر الامام لا يقرا اذا جهر وهو قول عروة بن زبير واحمد واسحق

(روح المعانی ص۱۵۱)

علماء کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی سری نمازوں میں پڑھے اور جہری میں نہ پڑھے۔ یہی قول ہے حضرت عروہ بن زبیر کا اور امام احمدؒ اور امام اسحٰقؒ کا۔

امام لیث بن سعدؒ

اہل مصر کے امام حضرت لیث بن سعدؒ بھی امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ابن قدامہؒ رقمطراز ہیں۔

وهذا مالكؒ في اهل الحجاز وهذا الثوريؒ في اهل العراق وهذا الاوزاعيؒ في اهل الشام وهذا ليث في اهل مصر ما قالوا لرجل صلى وقرا امامه ولم يقرا هو صلوته باطلة. (مغنی ابن قدامہ ص۱۰۶ ج۱)

یہ اہل حجاز کے امام مالکؒ ہیں اور یہ امام ثوریؒ ہیں جو اہل عراق کے امام ہیں اور یہ امام اوزاعیؒ ہیں شام والوں کے امام اور یہ لیث بن سعد امام اہل مصر ہیں ان آئمہ مذکورہ میں سے کسی نے بھی یہ فتویٰ نہیں دیا کہ جب امام قرأۃ کر رہا ہو اور مقتدی نہ پڑھے تو اس کی نماز باطل اور بیکار ہوتی ہے۔

حضرات آئمہ مجتہدینؒ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک

حضرت امام اعظمؒ امام کے پیچھے مطلقاً سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل نہ تھے نہ جہری میں اور نہ سری میں۔

تفسیر ستاری کے مؤلف کی غلط بیانی اور دروغ گوئی

تفسیر ستاری کا مولف تفسیر ستاری کے ص ۳۵۶ پر لکھتا ہے۔

''آیئے ہم آپ کو بتلائیں کہ امام صاحب کے اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول قدیم، دوسرا قول جدید، علامہ شعرانی نے میزان الکبریٰ میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد امام محمد کا یہ قول کہ مقتدی کو الحمد نہیں پڑھنی چاہیے، ان کا قدیم (پرانا) قول ہے۔ امام صاحبؒ اور امام محمدؒ نے اپنے اس پرانے قول سے رجوع کر لیا ہے اور مقتدی کے لیے الحمد پڑھنے کو مستحسن اور مستحب قرار دیا ہے۔''

مولف مذکور کو امام محمدؒ کی تصانیف اور فقہائے احناف کی مشہور و معروف اور معتبر و متداول کتب سے تو یہ قول نہ مل سکا لہٰذا انہوں نے آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہوئے علامہ شعرانی شافعی کی کتاب میزان الکبریٰ کا سہارا ڈھونڈا۔ ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' جب علماء احناف کی کتب اطراف عالم اور اکناف دنیا میں شرقاً و غرباً پھیلی ہوئی ہیں، امام محمدؒ کی کتب ''موطا امام محمد'' اور ''کتاب الآثار'' عام طور پر دستیاب ہیں تو ان سے اعراض اور صرف نظر کر کے ایک دوسرے مکتب فکر کے عالم کی کتاب کی طرف رجوع کرنا از حد تعجب اور از بس حیرت کا باعث ہے۔ جب امام محمدؒ کی اپنی کتب میں اس سلسلہ میں تصریحات و تفصیلات موجود ہیں ان کو نظر انداز کر کے ایک دوسرے مسلک کے عالم کی کتاب کی طرف رجوع کرنا مطلب پرستی نہیں تو اور کیا ہے؟۔

ثانیاً مؤلف تفسیر ستاری کا یہ دروغ بے فروغ ہے کہ میزان الکبریٰ میں امام صاحبؒ کے دو قول مذکور ہیں اس لیے احقر نے یہ حوالہ تلاش کرنے کے لیے میزان الکبریٰ کا از اول تا آخر خوب گہرا مطالعہ کیا۔ مگر تلاش بسیار کے باوجود یہ حوالہ اس کتاب میں نہ مل سکا اس سلسلہ میں مؤلف مذکور نے اپنی مطلب برآری کے لیے اپنی طرف سے ایک بات گھڑ کر علامہ شعرانی کے سر تھوپ دی۔

احقر اس مقام کی تحقیق و ریسرچ میں مختلف کتب کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ محقق عصر حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ کی شہرہ آفاق کتاب اعلاء السنن کی درج ذیل عبارت نظر افروز ہو کر بیحد مسرت کا باعث ہوئی کہ مولانا موصوف کی تحقیق بھی اس بارے میں یہی ہے کہ میزان الکبریٰ وغیرہ میں یہ بات سرے سے موجود ہی نہیں۔

مولانا رقمطراز ہیں ۔ولم اظفر بهذا الكلام في كتب العلامة الشعراني من الميزان او كشف الغمة و رحمة الامة (اعلاء السنن ص۹۳ ج۴)

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کی تحقیق امام محمدؒ کی اپنی تصانیف سے کر دیں۔

امام محمدؒ اپنی مشہور کتاب ''کتاب الآثار'' میں رقمطراز ہیں۔

قال محمد لا ينبغي ان يقرا خلف الامام في شئي من الصلوات (کتاب الآثار ص۱۸۷)

امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی خواہ وہ جہری ہو یا سری نہیں پڑھنا چاہیے۔

امام محمدؒ اپنی معروف کتاب، کتاب الآثار میں ایک دوسرے مقام میں تحریر فرماتے ہیں۔

محمد قال اخبرنا ابو حنيفة قال حدثنا حماد عن ابراهيم قال ماقرا علقمة بن قيس فيما يجهر فيه ولا

فیما لا یجهر فیه ولا فی الرکعتین الاخیرین ام القران ولا غیرها خلف الامام قال محمد وبه ناخذ لانری القرأة خلف الامام فی شیئی من الصلوٰة یجهر فیه اولا یجهر. (کتاب الآثار ص۱۶۴)

امام محمد نے فرمایا کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حماد نے بیان کیا وہ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علقمہ بن قیس امام کے پیچھے نہ جہری نمازوں میں پڑھتے تھے اور نہ ہی سری میں اور نہ دوسری دو رکعتوں میں نہ سورۃ فاتحہ اور نہ اس کے علاوہ کوئی دوسری سورت۔ امام محمد نے فرمایا کہ ہمارا مسلک بھی یہی ہے کہ ہم امام کے پیچھے پڑھنا جائز نہیں سمجھتے نہ جہری میں اور نہ ہی سری میں۔

امام محمدؒ موطا امام محمدؒ میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال محمدؒ لا قرأة خلف الامام فیما جهر فیه ولا فیمالم یجهر فیه بذلک جاء ت عامة الآثار و هو قول ابی حنیفة . (موطا امام محمد ص۹۴)

امام محمدؒ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے نہ جہری نمازوں میں پڑھا جائے اور نہ ہی سری میں۔ عام آثار و روایات اسی پر دلالت کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی یہی ہے۔

امام ابن ہمامؒ فتح القدیر ج۱ ص۲۴۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

والحق ان قول محمد کقو لهما فان عباراته فی کتبه مصرحة بالتجافی عن خلافه فانه قال فی کتاب الآثار فی باب القرأة خلف الامام بعد ما اسند الی علقمة بن

قيس انه ماقرا قط فيما يجهر فيه ولا فيما لا يجهر فيه
قال وبه ناخذلا نرى القرأة خلف الامام فى شيئى من
الصلوة يجهر فيه اولا يجهرفيه وفي موطه بعد ان روى
في منع القرأة في الصلوة ما روى قال قال محمد لا
قرأة خلف الامام فيما جهر فيه وفيما لا يجهر بذلك
جاء ت علمة الاخبار و هو قول ابى حنيفة .

(فتح القدیر ج ۱ص ۲۴۱)

حق بات یہ ہے کہ امام محمدؒ کا قول بھی (امام کے پیچھے نہ پڑھنے کے بارہ میں) امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ جیسا ہے۔ اس لیے کہ امام محمدؒ کی تصانیف کی عبارات اس اختلاف کی صراحتاً نفی کرتی ہیں کیونکہ امام محمد نے اپنی کتاب ''کتاب الآثار'' میں باب القرأۃ خلف الامام میں علقمہ بن قیس تک سند پہنچانے کے بعد کہا کہ علقمہ بن قیس نہ جہری نمازوں میں پڑھتے تھے اور نہ ہی سری میں۔ امام محمدؒ نے اس کے بعد فرمایا کہ ہمارا مسلک بھی یہی ہے کہ ہم امام کے پیچھے جہری اور سری نمازوں میں مطلقاً قرأۃ کے جواز کے قائل نہیں ''موطا امام محمدؒ'' میں بھی امام محمد نے امام کے پیچھے قرأۃ کی ممانعت کی روایات بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ امام کے پیچھے جہری اور سری نمازوں میں نہ پڑھنا چاہیے۔ عام روایات ممانعت کے بارے میں آئی ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کا قول بھی یہی ہے۔

امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کا مسلک جب امام محمدؒ کی اپنی تصانیف میں بڑی صراحت اور وضاحت سے مرقوم ومسطور ہے تو ان کو چھوڑ کر دوسرے مکتب فکر کے عالم

کی کتب سے استدلال کرنا دراں حالیکہ وہ حوالہ اس کتاب میں مذکور و مسطور اور مرقوم و منقول بھی نہ ہو، انتہائی دیدہ دلیری انتہائی ناانصافی اور انتہائی کذب بیانی ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

ثانیاً بالفرض اگر امام محمد کا یہ قول کہ وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنے کو مستحسن سمجھتے تھے، صحیح بھی ہو تو پھر بھی اس سے فریق ثانی کا مدعیٰ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ غیر مقلدین کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جہری اور سری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور امام محمدؒ کی عبارت سے زیادہ سے زیادہ استحباب واستحسان ثابت ہوتا ہے اور وہ بھی سری نمازوں میں تو اس سے غیر مقلدین کا دعویٰ جو کہ امام کے پیچھے سب نمازوں میں سورۃ فاتحہ کی فرضیت کا ہے کیسے ثابت ہوا۔ دعویٰ اور دلیل میں مطابقت شرط ہے جو یہاں معدوم ومفقود ہے۔

امام مالکؒ کا مسلک

امام دار الہجرۃ حضرت امام مالکؒ بھی امام کے پیچھے جہری نمازوں میں مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے حق میں نہ تھے اور سری نمازوں میں گو پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن وجوب وفرضیت کے قائل نہیں۔ چنانچہ موطا امام مالکؒ میں مرقوم ہے۔

قال یحییٰ سمعت مالکاً الامر عندنا ان یقر الرجل وراء الامام فیما لا یجهر فیه الامام بالقرأة ویترک القرأة فیما یجهر فیه الامام بالقرأة. (موطا امام مالک ص ۲۹)

(امام مالکؒ کے مشہور شاگرد) امام یحییٰ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے سنا کہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ آدمی (مقتدی) امام کے پیچھے سری نمازوں میں پڑھے اور جہری نمازوں میں نہ پڑھے۔

مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں۔

وقال الزهری ومالک وابن المبارک و احمد و اسحق یقرا فیما اسر فیہ ولا یقرا فیما جھر بہ.

(تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۵۷)

امام زہریؒ امام مالکؒ حضرت عبداللہ بن مبارک امام احمد اور امام اسحٰق فرماتے ہیں کہ سری نمازوں میں مقتدی قرأۃ کر سکتا ہے۔ اور جن نمازوں میں امام بلند آواز سے پڑھتا ہے ان میں مقتدی کے لیے پڑھنے کی گنجائش نہیں۔

امام موفق الدین بن قدامہ حنبلیؒ رقمطراز ہیں۔

وجملة ذلک ان القرأة غیر واجبة علی المأموم فیما جھر بہ الامام ولا فیما اسر نص علیہ احمد فی روایة الجماعة وبذلک قال الزھریؒ والثوری وابن عیینة ومالکؒ وابو حنیفةؒ واسحق.　(مغنی ابن قدامہ ص ۶۰۹)

حاصل کلام یہ کہ مقتدی پر قرأت واجب نہیں نہ جہری نمازوں میں اور نہ ہی سری میں۔ امام احمد بن حنبل نے یہ صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے جیسا کہ علماء کرام کی ایک جماعت نے ان سے نقل کیا ہے۔ امام زہریؒ سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام اسحٰق کا مسلک یہی ہے۔

مذکورہ تصریحات سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور واضح ہوا کہ امام مالکؒ کے نزدیک سری اور جہری دونوں قسم کی نمازوں میں مقتدی پر قرأۃ واجب نہیں۔ جہری نمازوں میں تو ان کے نزدیک پڑھنا منع ہے۔ سری نمازوں میں پڑھنے کی صرف اجازت ہے۔

امام شافعیؒ کا مسلک

امام شافعیؒ کے مسلک کو سمجھنے میں بڑے بڑے حضرات نے ٹھوکر کھائی ہے۔ کسی نے کچھ کہا ہے اور کسی نے کچھ۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ دوسرے علماء کے اقوال پیش کرنے کے بجائے خود امام شافعیؒ کی اپنی کتاب ''کتاب الام'' سے ان کا مسلک نقل کر دیں۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ ''کتاب الام'' امام شافعیؒ کی جدید تصانیف میں سے ہے یہ کتاب ان کتب جدیدہ میں سے ہے جو انہوں نے مصر میں تصنیف کیں۔ لہٰذا اگر ان کی کسی قدیم کتاب میں اس کے خلاف نظر آئے تو یہ قول جدید ان کے قول قدیم کے لیے ناسخ تصور ہوگا۔

امام شافعی اپنی کتاب ''کتاب الام'' میں رقمطراز ہیں۔

ونحن نقول کل صلوۃ صلیت خلف الامام والامام یقرا ء قرأۃ لا یسمع فیما قرا فیھا. (کتاب الام ص۱۵۳ ج۷)

ترجمہ: ''اور ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور امام ایسی قرأۃ کرتا ہو جو سنی نہ جاتی ہو (آہستہ پڑھتا ہو) تو مقتدی ایسی نماز میں قرأۃ کرے''۔

امام شافعیؒ کی اس عبارت سے یہ بات بالکل صاف اور بے غبار ہو جاتی ہے کہ مقتدی کو جہری نمازوں میں امام کی اقتداء میں سورۃ فاتحہ پڑھنا درست نہیں، فرض ہونا تو درکنار جہری نمازوں میں مقتدی کا پڑھنا درست اور صحیح بھی نہیں۔ مقتدی صرف ان نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھ سکتا ہے جن میں امام کی قرأۃ سنی نہ جاتی ہو یعنی سری نمازوں میں۔

اس سے امام شافعیؒ نے ''قرأۃ لا یسمع'' (ایسی قرأۃ جو سنی نہ جا سکتی ہو) کی قید لگا کر مقتدی کا کام اور وظیفہ مقرر فرما دیا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی مذکورہ صاف، صریح، واضح اور واشگاف عبارت کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس بات کے وجوب کے قائل ہیں وہ حقائق سے آنکھیں بند کر کے اپنے مزعومہ خیالات اور موہومہ تصورات کی خارزار وادی میں بھٹک رہا ہے اسے آنکھوں سے تعصب کی عینک اتار کر آخرت کی مسئولیت کے احساس کے پیش نظر مذکورہ عبارت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان شاء اللہ اس پر حقیقت عیاں ہوجائے گی۔

امام احمد بن حنبلؒ

امام احمد بن حنبلؒ بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے جواز کے قائل نہ تھے۔ بلکہ امام احمد بن حنبل جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنے کو شاذ اور خلاف اجماع قرار دیتے تھے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ رقم طراز ہیں۔

بخلاف وجوبها فی حال الجهر فانه شاذ حتی نقل احمد الاجماع علی خلافه. (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۷۶ ج ۱)

ترجمہ: ''یعنی سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے وجوب کے طور پر پڑھنا شاذ ہے حتی کہ امام احمدؒ نے اس کے خلاف اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے''۔

امام موفق الدین ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

وجملة ذلک ان القرأة غیر واجبة علی المأموم فیما جهر به الامام ولا فیما اسر نص علیه احمد فی روایة.

(مغنی ابن قدامہ ص ۶۰۸ ج ۱)

ترجمہ: ''حاصل کلام یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا نہ جہری نمازوں میں واجب ہے اور نہ ہی سری میں علماء کی ایک جماعت نے امام احمد سے امام صاحب کا یہی مسلک نقل کیا ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری لکھتے ہیں:

قال الزهریؒ و مالکؒ وابن المبارک واحمدؒ واسحاقؒ یقرا فیما اسر فیه ولا یقرا فیما جهر به .

(تحفۃ الاحوذی ص ۲۵۷ ج ۱)

ترجمہ: ''امام زہریؒ، امام مالک، حضرت ابن مبارکؒ، امام احمد اور امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ سری نمازوں میں مقتدی قرأۃ کر سکتا ہے اور جہری میں پڑھنے کی اجازت نہیں''۔

مبارک پوری صاحب ایک دوسرے مقام پر تحریر کرتے ہیں۔

وکذالک الامام مالک و الامام احمد لم یکونوا قائلین بوجوب قرأة الفاتحة خلف الامام فی جمیع الصلوات. (تحفۃ الحوذی ص ۲۵۷ ج ۱)

ترجمہ: ''اسی طرح (عبداللہ بن مبارک کی طرح) امام مالک اور امام احمد بھی امام کے پیچھے تمام نمازوں میں سورہ فاتحہ کے وجوب کے قائل نہ تھے''

ناظرین کرام! دیکھئے ائمہ مجتہدین کے مسالک تفصیلاً باحوالہ بیان کیے جا چکے ہیں۔ غور فرمایئے ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی امام کے پیچھے مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ کی قرأۃ کی فرضیت یا وجوب کا قائل نہیں۔ امام احمد بن حنبل جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنے کو شاذ اور خلاف اجماع قرار دیتے ہیں اور سری نمازوں میں وجوب کے قائل نہیں۔ امام مالک بھی تمام نمازوں میں مقتدی کے لیے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو واجب نہیں سمجھتے۔ سری نمازوں میں گو پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن وجوب کے قائل نہیں اور جہری میں پڑھنے سے منع فرماتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی مقتدی کے لیے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنا جائز نہیں۔ سری میں بھی صرف پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، واجب نہیں کہتے۔ تو غیر مقلدین جو

مقتدی کے لیے تمام نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأۃ کو فرض قرار دیتے ہیں ان کے مسلک کی تائید جیسے قرآن وحدیث سے نہیں ہوتی ایسے ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام بھی ان کی پشت پناہی نہیں کرتا۔ کوئی ان کے سر پر ہاتھ نہیں رکھتا۔

محبوب سبحانی پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا فتویٰ

حضرت پیران پیر بھی مقتدی کے لیے قرأۃ کو درست نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ رقم طراز ہیں۔

ان کان ماموما ینصت الی قرأۃ الامام و یفهمها.

(غنیۃ الطالبین ص ۳ ج ۲)

اگر نماز پڑھنے والا مقتدی ہوتو اس کو امام کی قرأۃ کے لیے خاموش رہنا چاہیے اور اس کو امام کی قرأۃ سننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

حضرت شیخ کے ظاہری الفاظ تو اسی بات کے آئینہ دار اور غماز ہیں کہ مقتدی کا وظیفہ تمام نمازوں میں یہ ہے کہ وہ نہایت توجہ، التفات، دھیان اور پورے انہماک سے امام کی قرأۃ سنے اور خود خاموش وساکت رہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ

حضرت شیخ الاسلام اپنے مشہور عالم فتاویٰ میں مسئلہ قرأۃ خلف الامام کا تجزیہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وایضاً فالمقصود بالجهر استماع المامومین ولذا یؤمنون علی قرأۃ الامام فی الجهر دون السر. فاذا کانوا مشغولین عنه بالقرأۃ فقد امر ان یقرا علی قوم لا یستمعون لقرأته وهو بمنزلة من یحدث من لا یستمع لحدیثه و یخطب من لا یستمع لخطبته وهذا سفه تنزه عنه الشریعة ولهذا روی فی الحدیث مثل

الذی یتکلم والامام یخطب کمثل الحمار یحمل اسفارا فھکذا اذا کان یقرا والامام یقرا علیه

ترجمہ: ''اور نیز امام کے بلند آواز پڑھنے سے مقصد یہ ہے کہ امام پڑھے اور مقتدی سنیں اس لیے امام جہری نمازوں میں جب ولا الضالین پڑھتا ہے تو مقتدی بھی آمین کہتے ہیں اور سری نمازوں میں چونکہ مقتدی نہیں سنتے اس لیے وہ آمین بھی نہیں کہتے۔ اگر امام بھی پڑھ رہا ہو اور مقتدی بھی پڑھ رہے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم ایسے لوگوں کو سناؤ جو سننا نہیں چاہتے اور ایسی قوم کو وعظ کہو اور خطبہ دو جو سننے کے لیے آمادہ اور تیار نہیں۔ ایسی بات کہنا ایسی کھلی حماقت اور سفاہت ہے جس کا شریعت مطہرہ قطعاً حکم نہیں دے سکتی کیونکہ شریعت مقدسہ احمقانہ باتوں اور سفاہت آمیز چیزوں کا حکم نہیں دیا کرتی وہ اس سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس شخص کی مثال جو امام کے خطبہ دیتے وقت باتیں کر رہا ہو کسی سے محو گفتگو ہو ایسی ہے جیسے گدھے پر کتابوں کا بوجھ لادا گیا ہو۔ ایسا ہی وہ شخص ہے جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھتا ہو۔ یعنی جیسے گدھا کتابوں سے مستفید و مستفیض نہیں ہوسکتا، ایسا ہی وہ شخص ہے جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأۃ کرتا ہے امام کی قرأۃ سے نفع نہیں اٹھاسکتا۔

ناظرین باتمکین! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ امام ابن تیمیہؒ نے امام کے پیچھے جہری نمازوں میں پڑھنے والوں کے بارے میں کیا فرمایا ہے۔ ان کو کس چیز سے تشبیہ دی گئی ہے۔ تشبیہ کی نزاکت ملاحظہ فرمایئے اور پھر امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قرأۃ کرنے والوں کے اصرار پر غور فرمایئے کہ امام ابن تیمیہؒ کے فتویٰ کی رو سے وہ

کیسی احمقانہ حرکت کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

ناظرین کرام! قرآن کریم کی آیت کریمہ، پندرہ احادیث، صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین فخام کی آراء وفتاویٰ، ائمہ مجتہدین کے مسالک، پیران پیر حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی، شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی عبارات کے اقتباسات سے آفتاب نصف النہار کی طرح یہ امر واضح الم نشرح اور آشکارا ہو گیا کہ مقتدی کے لیے کسی نماز میں بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض اور واجب نہیں بلکہ ممنوع ومحظور ہے۔ اور یہ بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ مانعین قراۃ خلف الامام صرف احناف ہی نہیں بلکہ جمہور اہل اسلام ہیں جمہور فقہاء ومحدثین ہیں اور جو روایات پیش کی گئی ہیں وہ صحیح، صریح اور مرفوع ہیں ان کے ۹۵ فیصد راوی ثقہ، ثبت، حافظ اور حجت ہونے کے علاوہ بخاری اور مسلم کے مرکزی راوی ہیں۔

فریق ثانی اگر تعصب کی عینک اتار کر دامن دل کو غلو کی کثافتوں سے جھٹک کر آئینۂ قلب کو تحزب کی کدورتوں سے صاف کر کے مذکورہ دلائل و براہین کا بغور مطالعہ کرے گا تو امید ہے کہ وہ دنیا کے تمام حنفی حضرات کو کھلے اور انعامی چیلنج دینے سے باز آ جائے گا اور ان کی نمازوں کو باطل، بے کار اور کالعدم قرار دینے کی بے باکانہ جسارتوں سے رک جائے گا۔ فریق مخالف کے معتدل مزاج، انصاف پسند اور سلیم الطبع اشخاص سے امید ہے کہ وہ مذکورہ براہین کو بنظر عمیق پڑھ کر اپنی پارٹی کے بے لگام اور متعصب مزاج اشخاص کو بدزبانی اور چیلنج بازی سے روک کر اتحاد واتفاق کی فضا پیدا کرنے میں ممد ومعاون ہوں گے۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس رسالہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور اہل زیغ کے لیے اس کو باعث ہدایت بنا دے اور انہیں افراط وتفریط کے قعر ضلالت سے نکال کر صراط مستقیم پر گامزن فرمادے۔ آمین

تحقیق
مسئلہ آمین

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید
المرسلین وعلی آلہ اصحابہ اجمعین اما بعد

یہ عاجز تمام اہل اسلام کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ پاک و ہند میں قریباً تیرہ سو سال سے اسلام پھیلا یہاں اہل سنت و جماعت حنفی مقلدین اسلام، قرآن، احادیث اور فقہ لے کر آئے یہاں کے لاکھوں غیر مسلموں کو مسلمان کیا۔ بیشمار مدارس بنائے جن میں کتاب وسنت اور فقہ حنفی پڑھائی جاتی ہزاروں مساجد تعمیر کیں جن میں مسلک حنفی کے موافق نمازیں ادا کی جاتیں۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان سرگروہ غیر مقلدین لکھتے ہیں:

خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم، فاضل، مفتی، قاضی اور حاکم ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک جم غفیر نے مل کر فتاویٰ ہندیہ یعنی فتاویٰ عالمگیری جمع کیا اور اس میں شیخ عبدالرحیم دہلویؒ والد بزرگوار شاہ ولی اللہؒ بھی شریک تھے۔ (ترجمان وہابیہ از نواب صدیق حسن خان ص۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ انگریز کے دور سے قبل تمام عالم، مفتی، قاضی، حاکم بادشاہ حنفی المذہب تھے ایک عالم یا ایک حاکم یا ایک بادشاہ بھی غیر مقلد نہ تھا۔ انگریز کی پالیسی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے تحت جب مسلمانوں میں خانہ جنگی کی بنیاد ڈالی گئی تو وہ مساجد جو بارہ سو سال سے عبادت گاہ تھیں ذکر وتلاوت سے آباد تھیں اب میدان جنگ بن گئیں۔ مساجد میں دن کو آمین بالجہر اور رفع یدین پر قتل وغارت ہوتا، رات کو مقلدین کی مساجد میں یہ لوگ غلاظت، نجاست، گندا بدبودار گوشت پھینک جاتے۔

کئی مسجدوں میں تالے لگے۔ کتنے مقدمے کھڑے ہوئے اور ہزاروں لاکھوں روپے برباد ہوئے۔ بارہ سوسال سے اسلامی اخلاق وتعلیمات کے سامنے غیر مسلم آنکھیں اونچی نہیں کرسکے تھے۔ اب کافر ہنستے اور تالیاں بجاتے تھے اور مسلمان شرم سے سر اوپر نہ اٹھاتے تھے۔

یہ مسئلہ آمین بالجہر بھی ان مسائل میں سے ہے جس کو ہزاروں مسلمانوں کے خون سے سینچا گیا۔ لاکھوں روپے مقدمات کے ذریعہ اس کی بھینٹ چڑھائے اور سینکڑوں کتابوں کی سیاہی سے اس کی سیرابی کا سامان مہیا کیا گیا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ کس کی طرف سے ہوا جب کہ اس سے قبل بارہ سوسال تک پاک وہند کی ایک مسجد کا نام نہیں لیا جاسکتا۔ جو کسی غیر مقلد نے بنائی ہو اور وہاں آمین باآواز بلند کہی جاتی ہو اور آج بیسیوں رسائل اور سینکڑوں مضامین اس کی حمایت میں لکھے جارہے ہیں۔ انگریز کے منحوس عہد سے پہلے کا ایک رسالہ بھی پورے پاک وہند کی تاریخ میں نہیں ملتا جو اس مسئلے پر ہو۔ تو ظاہر ہے کہ اس خانہ جنگی کی ساری ذمہ داری غیر مقلدوں پر عائد ہوتی ہے۔ جو شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کی مقصد برآری کا ذریعہ بنے۔

غیر مقلدوں کی سب سے بڑی کمزوری

اگرچہ کئی فرق باطلہ سے بحث وگفتگو کا موقعہ ملا۔ بحث وگفتگو میں بنیادی مقدمہ اس دعویٰ کا ہوتا ہے جس کا اثبات یا ابطال مقصود ہو۔ جب تک اس دعویٰ کی وضاحت نہ کی جائے دلائل وشواہد کی چھان پھٹک بے فائدہ ہوتی ہے غیر مقلدوں کا یہ حال ہے کہ دعوے پر دعویٰ کرتے چلے جائیں گے۔ لیکن اصل مسئلہ پوری وضاحت سے کبھی بیان نہ کریں گے۔

مسئلہ آمین جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں یہ وہ مسئلہ ہے جس پر تقریباً ایک صدی سے ہنگامہ کارزار برپا ہے۔ قتل وغارت، مقدمات، مساجد کے تقدس کی پامالی،

اور بارہ صدیوں کے مسلمانوں کو یہودی، منکرین سنت کہہ کر نفاق وشقاق کی خلیجوں کو وسیع سے وسیع تر کیا جارہا ہے۔

اس پر انگریزی دور میں پچاسوں رسائل لکھے گئے لیکن کسی ایک رسالہ میں بھی مسئلہ کی پوری وضاحت نہیں۔ آخر یہ تقیہ بازی کیوں؟

اس لیے ضروری ہے کہ بحث ونظر سے قبل نقطہ اختلاف کا تعین کرلیا جائے۔

مسلک اہل سنت وجماعت

اذکار وادعیہ میں افضل اخفاء ہے۔ اس لیے نماز میں تمام اذکار اور دعائیں، آہستہ پڑھی جائیں گی۔ ہاں کسی خاص عارض کی وجہ سے کہیں جہر ہو تو وہ خلاف اصل ہونے کی وجہ سے اپنے مورد پر ہی رہے گا۔ چونکہ آمین بھی نماز میں دیگر ادعیہ کی طرح اذکار میں سے ہے اس لیے تمام نمازوں میں آہستہ کہی جائے گی۔

غیر مقلدین کا مسلک

۱۔ غیر مقلدین جب نماز اکیلے پڑھتے ہیں تو ہر نماز میں خواہ فرض ہو خواہ سنت یا نفل، آمین آہستہ کہتے ہیں۔

۲۔ اگر فرض باجماعت ادا کریں تو امام اور مقتدی صرف چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہتے ہیں باقی گیارہ رکعات میں آہستہ آواز سے کہتے ہیں۔

۳۔ باقی تمام دعائیں اور اذکار ہر حال میں آہستہ پڑھتے ہیں۔ جیسے ثناء، تسبیحات، رکوع، سجود، تشہد، درود، آخری دعائیں وغیرہ۔

الغرض ان کے دعوے کے تین حصے ہیں آج تک پہلے اور تیسرے حصے کو یہ زیر بحث نہیں لائے ان کے آمین کے رسائل اس سے بالکل خالی ہیں۔ صرف دوسرے حصے پر یہ قلم اٹھاتے ہیں۔ لیکن اس میں بھی چھ رکعات کی کوئی تخصیص نہیں دکھاتے کہ ہمارے یہ دلائل صرف چھ رکعات سے متعلق ہیں۔ باقی گیارہ رکعات اس حکم میں داخل نہیں۔

باب اول

پہلے ہم مسلک اہل سنت وجماعت احناف کو مدلل کرتے ہیں۔

فصل اول: آمین کا تلفظ اور معنیٰ

آمین ایک دعائیہ کلمہ ہے جس کے معنیٰ ہیں۔ اے اللہ قبول فرما چنانچہ اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ (ان شاء اللہ العزیز)

اس کا تلفظ الف کی مد کے ساتھ آمین۔ جیسا کہ حدیث میں ہے مد بھا صوتہ۔

فصل دوم

جہر کے معنیٰ بلند آواز کے ہیں اور اخفاء کے معنیٰ چھپانے کے ہیں۔

۱۔ اخفاء کا اعلیٰ درجہ ہے کہ دل میں تکلم ہو لیکن زبان اور ہونٹ شریک نہ ہوں۔

۲۔ اخفاء کا اوسط درجہ یہ ہے کہ دل کے ساتھ زبان بھی شریک ہو اور اپنے کان تک آواز جائے۔

۳۔ اخفاء کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ پھسپھساہٹ کی آواز قریب والا بھی سن لے۔

۴۔ جہر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ قریب والے دو چار سن سکیں۔ ایک دو صفوں تک آواز جائے۔

۵۔ جہر کا اوسط درجہ وہ ہے جو روزانہ جہری قرأۃ میں ہوتا ہے۔ ﴿لَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا﴾ "یعنی اتنی آواز بلند بھی نہ ہو کہ دور دور جائے اور اتنی پست بھی نہ ہو کہ اپنے مقتدی بھی نہ سن سکیں تو درجہ اوسط یہ ہوا کہ چار پانچ صفوں تک آواز پہنچ جائے۔

۶۔ جہر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ خوب کڑک کر الفاظ ادا کیے جائیں۔

فصل سوم: آمین دعا ہے

۱۔ لغت کی رو سے آمین ایک دعائیہ کلمہ ہے اور معانی لغویہ کے لیے اہل لغت کا

بیان ہی دلیل ہوتا ہے اگرچہ اور کوئی دلیل نہ ہو۔

۲۔ قرآن پاک سے: قرآن پاک میں حضرت موسیٰ ◆ اور حضرت ہارون ◆ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ﴿قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا...﴾ میں نے تم دونوں کی دعا قبول کر لی۔ حالانکہ تفسیر الدر المنثور میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عکرمہ، حضرت ابو صالح، حضرت ابو العالیہ، حضرت ربیع، حضرت زید بن اسلم ◆ نے بیان کیا کہ دعا صرف حضرت موسیٰ ◆ نے فرمائی تھی۔ حضرت ہارون ◆ نے موسیٰ ◆ کی دعا پر صرف آمین کہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو دعا گو فرمایا (ج ۳ ص ۳۱۵) اس سے صاف ظاہر ہے کہ آمین بھی دعا ہے۔

۳۔ حدیث پاک سے:

صحیح بخاری شریف ص ۱۰۷ پر ہے قال عطا آمین دعاء اور ابن خزیمہ نے روایت کی ہے۔

> عن انس بن مالک قال قال رسولُ اللّٰہ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ اَعْطَانِیْ التَّامِیْنَ وَلَمْ یُعْطَہٗ اَحَدٌ مِّنَ النَّبِیِّیْنَ قَبْلِیْ اِلاَّ اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰہُ قَدْ اَعْطَاہُ ھَارُوْنَ یَدْعُوْ مُوْسیٰ وَھَارُوْنُ یُؤمن۔
>
> حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اقدس ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے آمین عطا فرمائی ہے مجھ سے پہلے حضرت ہارون کے سوا کسی نبی کو نہیں ملی حضرت موسیٰ ◆ دعا فرماتے تھے اور حضرت ہارون ◆ آمین کہتے تھے۔

۴۔ تفاسیر سے: جلالین، معالم التنزیل، مدارک التنزیل، مظہری وغیرہ تفاسیر میں بھی آمین کو دعا کہا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ دعا فرماتے تھے۔ اور حضرت ہارون آمین کہتے تھے۔

پس دوپہر کے سورج کی طرح ظاہر ہوگیا کہ آمین دعا اور ذکر الٰہی ہے۔

فائدہ: قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ ◆ جب دعا مانگ رہے تھے تو حضرت ہارون ◆ بالکل خاموش مگر متوجہ رہے۔ جب موسیٰ ◆ نے دعا ختم فرمائی تو آپ نے آمین فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دعا کرنے والا فرمایا۔ اسی طرح جب اہل سنت وجماعت امام سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے تو مقتدی حضرت ہارون ◆ کی طرح خاموش اور متوجہ رہتے ہیں جب امام سورۃ فاتحہ ختم کرتا ہے تو مقتدی بھی آمین کہہ دیتے ہیں۔ تو وہ فاتحہ دونوں کی طرف سے شمار ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ ان قرأۃ الامام لہ قرأۃ کہ امام کی قرأۃ مقتدی کیلئے بھی ہوتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۳۲، وج ۲، ص ۴۲۹) تو اب غیر مقلدوں کا یہ شور کہ حنفی مقتدی کی نماز بلا فاتحہ ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ اور رسول مصطفی ﷺ کے ارشاد سے بغاوت ہے۔

فصل چہارم

اس بات کا ثبوت کہ دعا اور ذکر میں اصل آہستہ کہنا ہے۔ استدلال میں سب سے اول نمبر قرآن پاک کا ہے۔ دوسرے نمبر پر وہ احادیث جو قرآن پاک کے موافق ہوں پھر خلفائے راشدین کا تعامل۔

دلیل اول

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ دعا کرو اپنے پروردگار سے عاجزی سے اور خفیہ (آہستہ) بیشک اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ الاعتداء الجھر حد سے گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ بلند آواز سے دعا کرے یعنی آہستہ آواز سے دعا کرنے والا خدا کا محبوب ہے اور بلند آواز سے دعا کرنے والے کو خدا محبوب نہیں رکھتا۔

دلیل دوم

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک بدوی آیا اور عرض کی کہ حضرت ہمارا

خدا ہم سے دور ہے کہ میں بلند آواز سے خدا کو پکاروں یا نزدیک ہے کہ آہستہ دعا کروں۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾ جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو بتادو کہ بے شک میں قریب ہوں (تفاسیر مدارک وغیرہ) اس سے یہ معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ قریب ہے ان سے آہستہ دعا کرنی چاہیے۔

تیسری دلیل

اللہ تعالیٰ سورہ مریم کے شروع میں حضرت زکریا ◆ پر اپنی رحمت نازل فرمانے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان پر خصوصی رحمت اس لیے نازل ہوئی کہ انہوں نے اپنے رب سے آہستہ دعا کی۔

﴿ذِکْرُ رَحْمَةِ رَبِّکَ عَبْدَهٗ زَکَرِیَّا o اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا﴾

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ آہستہ دعا کرنے والے پر خدا تعالیٰ کی خصوصی رحمت نازل ہوتی ہے۔

چوتھی دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ﴾ اپنے رب کو اپنے دل ہی دل میں یاد کرو۔ (اعراف ۲۴)

پانچویں دلیل

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ غزوہ خیبر کے لیے نکلے تو لوگ ایک میدان میں پہنچے وہاں انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو بے شک تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے تم تو اس ذات کو پکارتے ہو جو سننے والی اور قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ (بخاری ج ۲، ص ۶۰۵، مسلم ج ۲، ص ۳۴۶)

چھٹی دلیل

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِیُّ وَ خَیْرُ الرِّزْقِ مَا یَکْفِیْ یعنی بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو ضروریات میں کفایت کرے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲ موارد الظمان، تلخیص، صحیح ابن حبان۔ سند صحیح۔ الجامع الصغیر ج ۲، ص ۸، السراج المنیر ج ۲ ص ۲۶۲)

ساتویں دلیل

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اس نماز کو جس کے لیے مسواک کی جائے ایسی نماز پر جس کے لیے مسواک نہ کی جائے ستر گنا فضیلت دیتے تھے اور آپؐ نے فرمایا کہ بے شک اس ذکر کی فضیلت جو سننے میں نہیں آتا ستر گنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ تعالیٰ مخلوق کو ان کے حساب کے لیے جمع کرے گا اور اعمال کے لکھنے اور جمع کرنے والے فرشتے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے کہے گا آیا اس شخص کا کوئی نیک عمل باقی رہ گیا؟ تو فرشتے کہیں گے کہ اے اللہ ہم نے کوئی چیز نہیں چھوڑی ان چیزوں میں سے جن کو ہم نے جانا اور جن کو ہم نے محفوظ رکھا مگر سب کا احاطہ اور شمار کر لیا اور لکھ لیا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس بندے سے فرمائیں گے کہ تیرے لیے میرے پاس ایک چھپی ہوئی چیز ہے تو اس کو نہیں جانتا۔ اور میں اس کا بدلہ تجھے دوں گا اور وہ ذکر خفی ہے۔

(اخرجه ابو یعلی قال الهیثمی فیه معاویه بن یحی الصدفی وهو ضعیف) (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۸۱)

آٹھویں دلیل

قال الحسن بن علی بین دعوة السر والعلانیة سبعون ضعفا ولقد کان المسلمون یجتهدون فی

الدعاء وما یسمع لهم صوت ان کان همسا بینهم وبین ربهم (معالم التنزیل)

ترجمہ: حضرت امام حسن بن علیؓ نے فرمایا کہ دعا پوشیدہ اور دعا ظاہر کے درمیان ستر درجہ کا فرق ہے اور تحقیق مسلمان دعا میں کوشش کرتے تھے یعنی پوشیدہ رکھنے کی کہ ان کی آواز سنی تک نہ جاتی تھی بس ان کی دعا اپنے اور خدا تعالیٰ کے درمیان پوشیدہ رہتی تھی۔

معلوم ہوا کہ سب صحابہ اور تابعین دعا میں نہایت اخفاء کرتے تھے۔ اب کتاب وسنت سے ثابت ہوگیا کہ خدا تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ آہستہ دعا کرو وہ جہر کرنے والوں کو اپنا محبوب نہیں بناتا۔ خدا کی رحمت آہستہ دعا والے پر نازل ہوتی ہے جہر کرنے والے پر یہ شبہ ہے کہ شاید وہ خدا کو دور، بہرہ اور غائب جانتا ہے۔ اور آہستہ دعا کرنے والے کا ثواب ستر گنا زائد ہے۔ اب ایک شخص ایک روپیہ کمائے اور خدا کی محبوبیت اور رحمت سے دور بھی رہے۔ اور خدا کو دور اور بہرہ سمجھنے کا شبہ بھی ہو اور دوسرا ستر گنا کمائے اور خدا کی محبوبیت اور رحمت کا بھی مستحق ہو جائے۔ تو آپ کس کو پسند کریں گے۔؟

خلاصہ دلیل

آمین دعا ہے (یہ قرآن، حدیث اور لغت سے ثابت ہے) اور دعا میں اصل اخفاء ہے۔

نتیجہ: آمین میں اصل اخفاء ہے، وہو المطلوب۔

اب اس دلیل کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یا تو غیر مقلدین دلیل کے پہلے مقدمہ کو توڑیں قرآن حدیث اور لغت سے ثابت کر دیں کہ آمین دعا نہیں ہے یا دلیل کے دوسرے مقدمے کو توڑیں کہ دعا میں اصل اخفاء نہیں بلکہ قرآن، حدیث اور اجماع صحابہ کرام سے ثابت کر دیں کہ دعا میں اصل اخفاء نہیں بلکہ جہر ہے۔ ورنہ دلیل کے

دونوں مقدموں کو تسلیم کر لینے کے بعد ان کے نتیجے کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے دو اور دو اڑھائی ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دلیل کے مقدمات کو ماننا اور اس کے نتیجے کا انکار ایسی ہی جہالت ہے جیسے کوئی بچہ قاعدہ پڑھتے وقت ہجے تو درست پڑھے لیکن تلفظ غلط کرے۔ جیسے چاقو کے ہجے درست کرے۔ چا۔ قو اور تلفظ کرے بندوق۔ یا ہجے کرے مکہ کے اور تلفظ کرے قادیان کا۔

یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے شوافع بھی اس دلیل کے سامنے جھک گئے ہیں۔ شوافع کے مشہور منطقی اور مناظر اور امام فخر الدین رازیؒ نے ہتھیار ڈال دیے اور کہا کہ آمین کے دعا وذکر ہونیکی وجہ سے اگر آمین سرا کا وجوب ثابت نہ ہو تو کم از کم استحباب ضرور ثابت ہوتا ہے اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۴، ص ۱۳۱)

فائدہ اول

قرآن پاک کے ان ہی ارشادات اور روایات سے نماز کے باقی اذکار کا آہستہ پڑھنا ثابت ہو گیا۔ اسی لیے سب اہل سنت وجماعت، ثناء، تعوذ، تسمیہ، تکبیرات انتقالات، تسبیحات رکوع وسجود، تشہد، درود شریف، دعائیں سب آہستہ پڑھتے ہیں۔

فائدہ دوم

اصل قاعدہ یہی ہے کہ دعا اور ذکر آہستہ پڑھے جائیں کیونکہ خدا تعالیٰ تو دل کے بھیدوں سے بھی واقف ہیں۔ ہاں بعض اذکار میں خدا کی یاد کے ساتھ انسانوں کو اطلاع دینا بھی مقصود ہوتا ہے۔ اور انسان دل کی آواز کو سن نہیں سکتا اس لیے انسانوں کو سنانے کے لیے وہاں آواز بلند کی جاتی ہے جیسے

۱۔ اذان۔ اس میں انسانوں کو بلانا ۲۔ اقامت میں مقتدیوں کو بتانا مقصود ہوتا ہے۔

۳۔ امام تکبیرات انتقالات اور سلام اونچی آواز سے کہتا ہے۔ کیونکہ مقتدیوں کو اطلاع دینا مقصود ہے۔ لیکن مقتدی اور اکیلے نمازی کو یہ ضرورت نہیں اس لیے وہ آہستہ کہتا ہے۔

باب دوم

مسلمان کے لیے سب سے مقدم قرآن پاک ہے۔ جب اس سے اس کا آہستہ کہنا ثابت ہو گیا تو اب احادیث کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن مزید اطمینان اور قرآن پاک کے اس اصل کی مزید تائید کے لیے چند احادیث مبارکہ بھی ذکر کی جاتی ہیں۔

حدیث (۱)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال اِذا قَالَ الاِ مَامُ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ فَقُوْلُوْا آمین فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلَائِكَة غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۸، نسائی ج ۱ ص ۹۴، ابوداؤد ج ۱ ص ۹۴)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول پاک ﷺ نے فرمایا جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو (اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں) پس جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافق ہو گئی اس کے سابقہ سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

حدیث (۲)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسولَ اللہ ﷺ قال اِذَا قَالَ الْقَارِی ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ فَقَالَ مَنْ خَلْفَهٗ آمین فَوَافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ اَهْلِ السَّمَاءِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ　(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۶)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

جب قاری (امام) ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ کہے تو مقتدی آمین کہے۔ پس جب اس کا قول (آمین) آسمان والوں (فرشتوں) کے ساتھ موافق ہوا تو اس کے پہلے سب گناہ معاف کردیے جائیں گے۔

حدیث (۳)

عن ابی ہریرۃؓ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اِذَا قَالَ الاِمَامُ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ فَقَالَ آمین فَوَافَقَ آمین اَهْلِ الاَرْضِ آمین اَهْلِ السَّمَاءِ غُفِرَ لِلْعَبْدِ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ مِثْلُ مَنْ لا يَقُوْلُ آمین كَمَثَلِ رَجُلٍ غَزَامَعَ قَوْمٍ فَاقْتَرَعُوْا فَخَرَجَتْ بِهَا سِهَامُهُمْ وَلَمْ يَخْرُجْ سَهْمُهٗ فَقَالَ لِمَ لَمْ يَخْرُجْ سَهْمِیْ فَقِيْلَ اِنَّكَ لَمْ تَقُلْ آمین.

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ کہے تو آمین کہے پس اہل زمین سے جس کی آمین آسمان والوں کے ساتھ موافق ہوگئی اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اور جو (اس موافقت کے ساتھ) آمین نہیں کہتا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے قوم کے ساتھ جہاد (کا ارادہ کیا) پس انہوں نے (جہاد میں جانے کیلئے) قرعہ اندازی کی۔ اس قرعہ اندازی میں باقیوں کے حصے نکلے لیکن اس آدمی کا حصہ نہ نکلا وہ پوچھتا ہے میرا حصہ کیوں نہیں نکلا؟ اس کو جواب دیا گیا کہ تو نے آمین نہیں کہی تھی۔

ان روایات میں یہ حکم ہے کہ آمین اس وقت ہو جب امام ولا الضالین کہے اور آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو جائے تو تمام گناہوں کی معافی کی خوشخبری ہے ورنہ محرومی اور نامرادی جیسا کہ قرعہ نہ نکلنے والی مثال میں ہے۔

فرشتوں کی آمین

غور کرنے سے فرشتوں کی آمین میں تین چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ وہ بغیر فاتحہ پڑھے صرف ختم فاتحہ پر آمین کہتے ہیں۔

۲۔ ان کی آمین کا وقت خاص وہی ہے جب امام ولا الضالین کہے وہ آمین کو اس وقت سے آگے پیچھے نہیں کرتے۔

۳۔ ان کی آمین کی آواز ہم نے کبھی نہیں سنی اور ظاہر ہے کہ وہ آہستہ آواز سے آمین کہتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کو بشارت

ہم اہل سنت والجماعت خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس بشارت کے پورے پورے مصداق ہیں کہ وقت اور وصف میں ہر طرح ہماری آمین فرشتوں سے موافق ہے۔ ہماری آمین فرشتوں کی طرح ہے کہ جس طرح فرشتے امام کی فاتحہ کے ساتھ خود فاتحہ نہیں پڑھتے بلکہ خاموش اور غور سے سن کر جب امام کی فاتحہ ختم ہوتی ہے آمین کہتے ہیں۔ اسی طرح ہم اہل سنت احناف بھی۔

غیر مقلدوں کی نامرادی

غیر مقلدین جس طرح سابقہ آیات قرآنیہ کے باغی ہیں اسی طرح انہوں نے آمین کہنے میں بھی فرشتوں کی مخالفت کی ہے۔

۱۔ یہ فرشتوں کے طریقہ کے خلاف بلند آواز سے آمین کہتے ہیں۔

۲۔ ان کی آمین کا وقت بھی فرشتوں کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتا کیونکہ جماعت میں اکثر نمازی بعد میں آکر شریک ہوتے ہیں ظاہر ہے اگر وہ خود فاتحہ نہ پڑھتے اور

انتظار میں حنفیوں کی طرح خاموش کھڑے رہتے تاکہ جب امام ولا الضالین کہے تو ہم بھی آمین کہیں پھر تو فرشتوں کے ساتھ موافقت وقت میں ممکن تھی لیکن یہ غیر مقلدین جب فاتحہ شروع کر لیتے ہیں اور بعد میں آنے کی وجہ سے ان کی فاتحہ ختم نہیں ہوئی اب اگر تو یہ اپنی فاتحہ کے درمیان آمین کہیں تو تحریف قرآن لازم آتی ہے کہ قرآن پاک کی سورت کے اندر وہ کلمہ کہا جو ختم سورت پر کہنا تھا تو وہ لوگ ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ کے مصداق ہو گئے۔ اگر وہ مقتدی اپنی فاتحہ ختم کرنے کے بعد آمین کہتے ہیں تو ایک فرشتوں کی مخالفت سے نامرادی اور بدقسمتی میں پڑے دوسری طرف آمین کو بلند آواز سے کہنا بھی جاتا رہا۔ کیونکہ ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ان کے مقتدی باری باری جب جس کی فاتحہ ختم ہو آمین آمین پکارتا ہو الغرض وصف اخفاء میں تو غیر مقلدوں کا امام اور تمام مقتدی فرشتوں کے مخالف ہیں اور وقت کے بارے میں اکثر مقتدی فرشتوں کے مخالف ہیں۔ گویا پوری نامرادی غیر مقلدوں کے حصہ میں آئی ہے۔

حدیث (۴)

عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ فی حدیث طویل قال قال رسول اللہ ﷺ اِذَا صَلَّيْتُمْ فَاَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ اَحَدُكُمْ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ فَقُوْلُوْا آمين يُجِبْكُمُ اللّٰهُ فَاِذَا كَبَّرَ وَرَكَعَ فَكَبِّرُوْا وَارْكَعُوْا فَاِنَّ الْاِمَامَ يَرْكَعُ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَتِلْكَ بِتِلْكَ قَالَ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ يَسْمَعُ اللّٰهُ لَكُمْ. (مسلم ج۱ ص۱۷۶)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ

نے ہمیں نماز باجماعت کا طریقہ سکھایا اور فرمایا صفیں سیدھی کرلو پھر تم میں سے ایک امام بن جائے پھر جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو پھر جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ کہے تم آمین کہو خدا تم سے محبت کرے گا۔ پھر جب امام اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرے۔ تم بھی اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرو امام رکوع میں بھی پہلے جاتا ہے اور اٹھتا بھی مقتدی سے پہلے ہے۔ اور جب امام سمع اللہ لمن حمده کہے۔ تم ربنا لک الحمد کہو۔

استدلال

اس حدیث میں تکبیر، رکوع وغیرہ میں تو امام اور مقتدی کو حکم دیا گیا ہے کہ دونوں ادا کریں اور فاتحہ اور آمین، تسمیع اور تحمید میں تقسیم کر دی ہے۔ روایت کے آخری حصہ کا مطلب غیر مقلدین بھی یہی لیتے ہیں۔ کہ ربنا لک الحمد آہستہ کہنی چاہیے اسی طرح آمین بھی آہستہ ہونی چاہیے۔

بعض غیر مقلدین کہا کرتے ہیں کہ قولوآ مین کا معنیٰ ہے آمین بلند آواز سے کہو۔ حالانکہ یہ بلند آواز کا لفظ انہوں نے خود حدیث پاک میں ملا لیا ہے۔ گویا یہ آنحضرت ﷺ کو مشورہ دے رہے ہیں کہ حضرت آپ کا یہ فرمان کافی نہیں ساتھ بلند آواز کا لفظ بھی چاہیے تھا۔

ہم غیر مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ کیا احادیث کے ان جملوں کا مطلب بھی یہی ہے۔ قُوْلُوْا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ، رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ بلند آواز سے کہو۔ قُوْلُوْا اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ، التحیات بلند آواز سے کہو قُوْلُوْ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ بلند آواز سے کہو۔ یہاں غیر مقلد بھی بلند آواز کا لفظ شامل نہیں کرتے۔ تو قولوا آمین میں کیوں شامل کرتے ہیں۔ افسوس کہ غیر مقلدین ایک ضدی فرقہ ہے جو ضد میں آ کر

قرآن کا بھی انکار کر جاتا ہے احادیث کے ترجمے بھی غلط کرتا ہے۔

حدیث (۵)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اِذَا قَالَ الاِمَامُ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ فَقُوْلُوْا آمین فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَقُوْلُ آمین وَاِنَّ الاِمَامَ يَقُوْلُ آمین فَمَنْ وَافَقَ تَامِيْنُهٗ تَامِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (رواہ احمد والنسائی والدارمی واسنادہ صحیح)
(آثار السنن ج ۱ ص ۹۱ ورواہ ابن حبان فی صحیحہ (ج ۱ ص ۱۹۴)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ کہے تم بھی آمین کہو بے شک فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے۔ پس جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافق ہوگئی اس کے سب پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

استدلال

اس حدیث سے اہل سنت نے کئی طرح استدلال کیا ہے۔

۱۔ آنحضرت ﷺ نے مقتدی کو حکم دیا کہ وہ امام کی ولا الضالین سن کر آمین کہے۔ مقتدی کی آمین کو ولا الضالین کے ساتھ معلق فرمانا صاف دلیل ہے کہ امام بلند آواز سے آمین نہیں کہتا۔

۲۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے آمین کہتے ہیں۔ یہ اس لیے بتانے کی ضرورت پیش آئی کہ فرشتوں کی آمین مقتدی سن نہیں سکتے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ اِنَّ الْاِمَامَ يَقُوْلُ آمین یعنی امام بھی آمین کہتا ہے۔ یہ جملہ اس لیے ارشاد فرمایا کہ فرشتوں کی آمین یعنی امام کی آمین بھی مقتدیوں کو نہیں سنائی دیتی۔ اگر

مقتدی خود سن سکتے تو پھر آنحضرت ﷺ کا اطلاع دینا ایک لغو کام ہوگا۔ معاذ اللہ۔

ایک شبہ کا ازالہ

ایک غیر مقلد کہنے لگا حضور ﷺ نے فرمایا اذا امن الامام فامنوا اس سے معلوم ہوا کہ امام بلند آواز سے آمین کہتا ہے۔ اس کی آمین سن کر تم بھی آمین کہو یہ بالکل ایسا ہے۔ جیسے اس حدیث میں ہے اذا کبر فکبروا جب امام اللہ اکبر کہے، تم بھی اللہ اکبر کہو تو ظاہر ہے کہ امام بلند آواز سے ہی اللہ اکبر کہتا ہے۔

میں نے کہا اس سے مقتدیوں کا بلند آواز سے آمین کہنا تو بالکل نہیں نکلتا کیونکہ جیسے امام اللہ اکبر بلند آواز سے کہتا ہے تو مقتدی سن کر امام کے بعد اللہ اکبر کہتے ہیں مگر مقتدی آہستہ آواز سے اللہ اکبر کہتے ہیں۔ اس لیے "امنوا" تو "کبروا" کی طرح ہوا کہ جیسی مقتدیوں کی تکبیر آہستہ ہے ایسے ہی آمین آہستہ۔ رہا امام کا آمین کہنا تو اس کو امام کی تکبیر پر قیاس کرنا غلط ہے۔ کیونکہ امام اور مقتدی کی تکبیر کا ایک ہی وقت میں ہونا ضروری نہیں۔ اس لیے اگر امام کی تکبیر سن کر امام کے بعد مقتدی اللہ اکبر کہہ دے تو بالکل جائز ہے۔ لیکن آمین کے متعلق بہت سی روایات آپ پڑھ چکے ہیں کہ امام، مقتدی اور فرشتوں کی آمین بالکل ایک وقت میں ہونی چاہیے۔ تو اب اذا امن کا معنیٰ ہوگا اذا اراد الامام التامین جب امام آمین کہنے کا ارادہ کرے۔ اور ارادہ دل کی بات ہے پس جہر امام کا ثابت نہ ہوا۔

یا اذا امن الامام فامنوا کے معنیٰ ہوں گے اذا بلغ الی موضع استدعی التامین فامنوا یعنی جب امام اس جگہ پر پہنچ جائے۔ جو آمین کو چاہتا ہے تو تم آمین کہا کرو اور یہ معنیٰ دوسری حدیث اذا قال الامام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ فقولوا آمین کے مطابق ہیں اور یہی معنیٰ بعض علماء امت نے لیے ہیں۔

حدیث (٦)

عَنْ عَلْقَمَةَ بن وَائِلٍ عن اَبِيْهِ اِنَّهٗ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

فَلَمَّا بَلَغَ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلا الضَّالِّيْنَ﴾ قال آمين وَاَخْفٰى بِهَا صَوْتَهٗ (رواه احمد وابو داؤد الطيالسي وابو يعلى والدار قطني والحاكم وقال صحيح الاسناد ولم يخرجاه.

(زيلعي ج ا ص ۱۹۴) واللفظ للدار قطني)

حضرت علقمہ اپنے باپ حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس جب آپ نے ولا الضالین پڑھا تو آمین کے وقت اپنی آواز کو پوشیدہ کیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث(۷)

عن حُجْرِ بن عَنْبَسٍ عن وَائِلِ بن حُجْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَرَءَ وَلا الضَّالِّيْن قال آمين وَ خَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ (ابن ابی شیبہ)

حضرت حجر بن عنبس حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضور اقدس ﷺ نے جب ولا الضالین پڑھا تو آمین کہی اور اپنی آواز کو پست کر لیا۔

حدیث(۸)

عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ سَمُرَةَ بْنَ جُنْدُبٍ وَ عِمْرَانَ بن حُصَيْنٍ رضى الله عنهما تَذَاكَرَا فَحَدَّثَ سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ اَنَّهٗ حَفِظَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سَكْتَتَيْنِ، سَكْتَةً اِذَا كَبَّرَ وَسَكْتَةً اِذَا فَرَغَ مِنْ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلا الضَّالِّيْنَ﴾ فَحَفِظَ سَمُرَةُ وَاَنْكَرَ عَلَيْهِ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ

فَکَتَبَا فِیْ ذٰلِکَ اِلٰی اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍؓ فَکَانَ فِیْ کِتَابِہٖ اِلَیْھِمَا اَنَّ سَمُرَۃَ قَدْ حَفِظَ.

(رواہ ابوداؤد ج ا ص ۹ ۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ترجمہ: حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت سمرہ بن جندبؓ اور حضرت عمران بن حصینؓ کے درمیان مذاکرہ ہوا تو حضرت سمرہ بن جندبؓ نے بیان کیا کہ مجھے خوب حفظ ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز میں دو سکتے فرماتے تھے ایک تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسرا ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ کے بعد حضرت عمران بن حصینؓ نے اس کا انکار کیا اور یہ طے پایا کہ اس کے متعلق حضرت ابی بن کعبؓ کو لکھیں چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ نے جواب دیا کہ واقعی حضرت سمرہؓ نے خوب یاد رکھا ہے۔

حدیث (۹)

عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍؓ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا صَلّٰی بِھِمْ سَکَتَ سَکْتَتَیْنِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّیْنَ سَکَتَ اَیْضًا ھُنَیَّۃً فَاَنْکَرُوْا ذٰلِکَ عَلَیْہِ فَکَتَبَ اِلٰی اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ فَکَتَبَ اِلَیْھِمْ اُبَیٌّ اَنَّ الْاَمْرَ کَمَا صَنَعَ سَمُرَۃُ.

(رواہ احمد والدارقطنی واسنادہ صحیح (آثار السنن ج ا ص ۹۶)

حضرت حسن حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جب نماز پڑھاتے تو دو سکتے کرتے ایک نماز شروع کرتے ہی، دوسرا ولا الضالین کے بعد پس لوگوں نے اس پر انکار کیا۔ پس انہوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کو اسکے متعلق لکھا تو حضرت ابی بن کعب نے جواب میں لکھا کہ بے شک حکم ویسا ہی ہے۔ جیسا حضرت سمرہؓ نے کیا ہے۔

حدیث (۱۰)

عن مغیرة عن ابراهیم انه کان اذا کبر سکت هنیة واذا نهض فی الرکعة الثانیة لم یسکت وقال ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۰۹)

حضرت مغیرہ امام نخعیؒ سے روایت کرتے ہیں آپ جب تکبیر کہتے تو تھوڑا سا سکتہ فرماتے اور دوسری رکعت میں کھڑے ہو کر سکتہ نہ فرماتے اور ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ پڑھتے۔

استدلال

ان تینوں احادیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ دو سکتے فرماتے تھے۔ ایک پہلی تکبیر کے بعد یعنی ثناء کے لیے دوسرا سکتہ ولا الضالین کے بعد اور آپ احادیث میں بار بار پڑھ چکے ہیں کہ ولا الضالین کے بعد آمین ہوتی ہے اور اس حدیث میں سکتہ کا لفظ ہے جس سے ثابت ہوا کہ جس طرح حضرت ثناء آہستہ آواز سے پڑھتے تھے۔ اسی طرح آمین بھی آہستہ آواز سے کہتے تھے۔ نیز دریافت طلب امر یہ ہے کہ ولا الضالین کے بعد سکتہ آمین کہنے کے لیے تھا۔ یا کسی اور چیز کے لیے اگر آمین کے لیے تھا۔ تو مدعی ثابت ہو گیا کہ آمین آہستہ کہنی مسنون ہے۔ اور اگر یہ سکتہ کسی اور چیز کے لیے تھا۔ تو یہ بعد آمین ہوا، بعد ولا الضالین نہ ہوا۔ حالانکہ حدیث کے الفاظ ہیں اذا فرغ من قرأة ولا الضالین.

اس واسطے اب روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ یہ سکتہ آمین کہنے کے لیے تھا اور پھر ان احادیث میں حفظ کا لفظ ہے۔ یعنی جس طرح حافظ، قرآن کو خوب یاد رکھتا ہے، اسی طرح یہ مسئلہ حضرت سمرہؓ کو خوب یاد تھا اور حضرت ابی نے اس کو امر یعنی حکم فرمایا

ہے گویا یہ آنحضرت ﷺ کا حکم بھی ہے۔ اور غیر مقلد تو کان، اذا سے دوام مراد لیا کرتے ہیں۔

آمین بلند آواز سے کہنے سے دوسرے سکتے کا وجود بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور سنت کی مخالفت لازم آتی ہے۔

خلفائے راشدین

آنحضرت ﷺ نے اختلاف کا ذکر فرماتے ہوئے اختلاف سے بچنے کا زریں اصول بیان فرمایا عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ تم میرے طریقے اور میرے خلفاء کے طریقے کو لازم پکڑو گویا احادیث میں اختلاف کے وقت وہ احادیث راجح اور معمول بہا قرار دی جائیں گی۔ جن کے موافق خلفائے راشدین کا عمل ہوگا۔

عن ابی وَائِلٍ قَالَ كَانَ عَلِيٌّ وَعَبْدُاللهِ لا يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلا بِالتَّعَوُّذِ وَلا بِالتَّامِيْنِ.

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

وفیہ ابو سعد البقال وھو ثقه مدلس (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۸)

ابو وائل سے روایت ہے کہ خلیفہ راشد حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز میں نہ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بلند آواز سے پڑھتے تھے نہ تعوذ اور نہ آمین بلند آواز سے کہتے تھے۔

عن ابی وائل قال لَمْ يَكُنْ عمر وعلی يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلا بِآمِيْنَ

(رواہ ابن جریر الطبری فی تہذیب الاثار الجوہر النقی ج ۱ ص ۱۳۰)

ابو وائل سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ نہ تعوذ اور نہ آمین بلند آواز سے کہا کرتے تھے۔

رَوٰی اَبُوْمَعْمَرٍ عَنْ عُمَرَؓ بن الْخَطَّابِ اَنَّهٗ قَالَ یُخْفِیَ الْاِمَامُ اَرْبَعًا اَلتَّعَوُّذُ وَبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم وَآمِیْن وَرَبَّنَا لکَ الْحَمْدُ. (عینی شرح ہدایہ)

ابو معمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا امام چار چیزیں آہستہ آواز سے پڑھے: تعوذ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم، آمین، ربنا لک الحمد.

ایک حقیقت

خلفائے راشدین میں سے کسی ایک خلیفہ کا بھی بلند آواز سے آمین کہنا ثابت نہیں اور نہ ہی ان چاروں خلفاء کے مقتدیوں کا کبھی بھی آمین بلند آواز سے کہنا ثابت ہے۔ بلکہ خلافت راشدہ میں کسی ایک شخص کا آمین بالجہر کہنا ثابت نہیں اگر کسی غیر مقلد میں کوئی دم خم ہے تو خلفاء راشدین میں سے کسی ایک خلیفہ سے یا پورے دور خلافت راشدہ میں ایک ہی مسجد یا ایک ہی شخص کی نشان دہی کریں کہ وہ آمین بالجہر کا قائل تھا اور بلند آواز سے آمین نہ کہنے والوں کو معاذ اللہ یہودی اور بے دین خیال کرتا تھا۔ دیدہ باید۔

عَنْ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ خَمْسٌ یُخْفِیْهِنَّ الْاِمَامُ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَالتَّعَوُّذُ وَبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم وآمین وَاللّٰهُمَّ رَبَّنَالکَ الْحَمْدُ.

(رواہ عبدالرزاق واسنادہ صحیح۔ آثار السنن ج ا ص ۹)

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا کہ امام پانچ چیزوں کو آہستہ پڑھے۔ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ، اَعُوْذُ بِاللّٰہِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ، آمین، رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ

حضرت علامہ ابراہیم نخعیؒ سید التابعین ہیں۔ آپ دار العلم کوفہ کے مفتی تھے۔ یہ شہر دار العلم تھا۔ ہزاروں محدثین اور فقہاء کا مسکن تھا۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ عہد صحابہ میں ہی پیدا ہوئے اور عہد صحابہ میں ہی آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی جلالت علم کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں آپ فتویٰ دیتے تھے عہد صحابہ میں ہی حضرت علامہ نخعی نے آمین کے آہستہ کہنے کا فتویٰ دیا۔ لیکن کسی ایک صحابی نے اس پر انکار نہ فرمایا کہ یہ فتویٰ خلاف سنت ہے۔ حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تاریخ کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ سنت کے کس قدر شیدائی تھے۔ وہ اپنی جان، مال، عزت، آبرو سب کچھ اتباع سنت کے لیے نچھاور کرنے کے لیے ہر آن تیار رہتے تھے۔ لیکن آہستہ آمین کے فتویٰ کے خلاف نہ کسی صحابی کی آواز اٹھتی ہے۔ نہ تابعی کی اور نہ تبع تابعی کی۔ نہ کوئی تقریر آہستہ آمین کے خلاف ہوتی ہے۔ نہ کوئی رسالہ لکھا جاتا ہے۔ نہ تو کسی مسجد میں لڑائی جھگڑا کھڑا کر کے مناظروں کے چیلنج دیے جاتے ہیں۔ نہ ہی بلند آواز سے آمین نہ کہنے والوں کو معاذ اللہ یہودی، مخالف سنت کے القاب سے نوازا جاتا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت وائل بن حجرؓ صحابی جن کی روایت کو آمین بالجہر کی دستاویز سمجھا جاتا ہے۔ وہ بھی اس وقت کوفہ میں موجود ہیں۔ لیکن اس فتویٰ کے خلاف کوئی حدیث نہیں پڑھتے۔ نہایت پرسکون ماحول ہے۔ یہاں پاک و ہند میں بھی انگریز کے دور سے پہلے ایسا ہی پرسکون ماحول تھا۔ نہ کوئی رسالہ آمین بالجہر پر لکھا گیا نہ ان بارہ صدیوں میں کوئی ایسی تقریر ہوئی۔ جس میں بلند آواز سے آمین نہ کہنے والوں کو یہودی، منکرین نبوت و رسالت کہا گیا ہو نہ کسی مسجد میں ایسا جھگڑا ہوا۔ لیکن جونہی انگریز کے منحوس قدم اس زمین پر آئے۔ بس اس سفید آقا کے اشاروں پر یہاں کے مسلمانوں کو لڑانا بعض لوگوں نے سب سے بڑا دینی فریضہ سمجھ لیا۔ اور کوئی جلسہ، کوئی تقریر ان خرافات سے

خالی نہ رہی۔ سینکڑوں رسالے لکھے گئے۔ ہزاروں تقریریں ہوئیں، اور ملی اتفاق واتحاد کو اس آگ میں جھونک دیا گیا۔ جو آج تک بجھنے کا نام نہیں لیتی۔ الحاصل یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ نمازوں میں آہستہ آواز سے آمین کہتے ہیں ان کا یہ مسئلہ قرآن پاک کے ساتھ موافقت، نبی اکرم ﷺ کے عمل سے مطابقت، ملائکہ ارض وسما کے ساتھ موافقت رکھتا ہے۔ اور اس مسئلہ میں خلفائے راشدین کی متابعت ہے اور خیر القرون صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کے تعامل کی حمایت ان کو حاصل ہے۔ ان کو آج ایک ایک زبان سے سو سو گالیاں دینا کہ مقلد ہے، جاہل ہے، اندھا ہے، اس کے گلے میں پھندا ہے یہ دل ودماغ کا گندا ہے۔ یہ بدعتی ہے۔ مشرک ہے بے دین ہے، جیسا کہ اکثر نئے مجتہدین نے اپنی تحریر وتقریر میں یہ طرز تخاطب اختیار کر رکھا ہے۔ ایسا ننگ انسانیت طرز تخاطب وہی شخص اختیار کیا کرتا ہے۔ جو استدلال سے تہی دامن ہو اور اس تہی دامنی کا اس کو احساس بھی ہو۔

باب سوم

اس باب میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ غیر مقلدین کی زنبیل میں کیا ہے۔ وہ اپنے رسالوں میں کیا لکھتے ہیں۔ اور کس بل بوتے پر وہ مناظروں کے چیلنج دے دے کر سکون سے بسنے والے مسلمانوں کی نیند حرام کرتے ہیں اور ہر مسجد اور ہر گھر کو میدان جنگ بنا دیتے ہیں۔

ا۔ اس بارے میں سب سے پہلی بات تو یہ یاد رکھنی چاہیے۔ کہ ان کا ہر مجتہد ہر مصنف اور ہر مناظر اپنے مسئلہ کے تقریباً اسی فیصد پہلو کو ایسا چھپاتا اور تقیہ کے صندوق میں ایسا بند کرتا ہے کہ کسی کو خواب میں بھی پتہ نہ چلے وہ یہ ہے کہ جب یہ لوگ تنہا نماز ادا کرتے ہیں۔ تمام فرائض، سنن اور نوافل میں آہستہ آواز سے آمین کہتے ہیں ان تمام جگہوں میں آہستہ آمین کہنے کے ان کے پاس کیا دلائل ہیں اس پر آج تک انھوں نے نہ کوئی رسالہ لکھا نہ کوئی مناظرہ کیا نہ کوئی دلیل بیان کی بلکہ جتنے رسائل اور

مضامین مسئلہ آمین پر ان لوگوں نے آج تک لکھے ہیں۔ ان میں کبھی بھول کر بھی یہ تذکرہ نہیں کیا کہ ہم بھی اکثر جگہ آمین آہستہ آواز سے کہتے ہیں۔

۲۔ اس بارے میں دوسری بنیادی بات یہ تھی کہ نماز کے تمام اذکار اور دعائیں یہ لوگ بھی آہستہ آواز میں پڑھتے ہیں صرف آمین کو ہی ان لوگوں نے تمام تسبیحات اور دعاؤں سے کیوں مخصوص کر لیا ہے اس تخصیص کی کیا دلیل ہے کہ مقتدی سوائے آمین کے باقی سب کچھ آہستہ آواز سے پڑھیں اس بنیادی بات کو بھی ان لوگوں نے بالکل ہی نظر انداز کر رکھا ہے۔

۳۔ مسئلہ کا تیسرا پہلو یہ تھا کہ جو شخص باجماعت نماز ادا کرے وہ صرف چھ رکعات میں آمین بلند آواز سے کہے۔ اور بقیہ گیارہ رکعتوں میں آہستہ آواز سے کہے۔ یہاں بھی گیارہ رکعتوں میں آہستہ آمین کہنے کے ثبوت کو شاید اس لیے نظر انداز کر جاتے ہیں کہ گیارھویں سے خاص نفرت ہے۔ نو دو گیارہ کا عملی ثبوت فراہم کر دیں۔ لیکن صرف چھ رکعتوں میں تخصیص کا تو کوئی ثبوت ہوتا۔ اس تخصیص کے لیے کوئی صریح آیت یا صریح حدیث انہوں نے کبھی ذکر نہیں کی اور نہ قیامت تک دکھا سکتے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز۔

ہمارا مسئلہ چونکہ ایک پہلو ہی رکھتا ہے (یعنی ہر نماز میں آمین آہستہ کہنی چاہیے) اس لیے ہمارے سابقہ دلائل کافی شافی اور وافی ہیں اس کے برعکس چونکہ غیر مقلدوں کا مسلک چار پہلو رکھتا ہے اس لیے ہر پہلو پر تفصیلی گفتگو کی جاتی ہے۔ اور میں یہاں ایک ایک گفتگو درج کرتا ہوں۔

پہلا حصہ

نماز کے تمام اذکار اور دعائیں تم لوگ آہستہ ادا کرتے ہو صرف آمین بلند آواز سے اس تخصیص کی کیا دلیل ہے؟

۱۔ کیا قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی ہے۔ جس میں یہ تخصیص ہو کہ نماز کے

تمام اذکار آہستہ ادا کرو اور صرف آمین بلند آواز سے کہو۔ ہمارا چیلنج ہے کہ پورے قرآن پاک میں کوئی صریح ایک بھی آیت نہیں ہے۔

۲۔ اسی طرح دنیا کے کتب خانوں میں کوئی ایسی حدیث موجود نہیں ہے۔ جس میں یہ صراحت اور وضاحت ہو کہ نماز کے باقی تمام اذکار آہستہ ادا کرو۔ مگر آمین بلند آواز سے کہا کرو۔

دوسرا پہلو

کہ جب نمازی اکیلا نماز ادا کرے تو خواہ نماز فرض ہو یا نفل یا سنت، اس کی ہر رکعت میں آمین آہستہ آواز سے کہے۔

اس بارے میں ان لوگوں نے منفرد یعنی اکیلے نمازی کی جو تخصیص کی ہے، یہ نہ کسی آیت قرآنی سے صراحۃً ثابت ہے۔ نہ کسی حدیث نبوی ﷺ سے صراحۃً ثابت ہے۔ غیر مقلدین حضرات میں اگر علم واستدلال کا ذرہ بھی موجود ہے تو وہ صراحۃً یہ تخصیص کتاب وسنت سے دکھائیں۔ ورنہ کبھی اہل سنت وجماعت کو منہ نہ دکھائیں۔ دیدہ باید۔

ایک ضروری نوٹ

شاید میرے بعض حنفی دوست خیال کریں کہ یہ مسئلہ فروعی اور اجتہادی نوعیت کا ہے۔ اس لیے بعض ائمہ میں مختلف فیہ ہے۔ تو مطالبہ میں اتنی سختی نہیں چاہیے تو میں عرض کروں گا کہ یہ آپ کا عندیہ ہے۔ غیر مقلدین اس مسئلے کو ہرگز ہرگز اجتہادی نہیں سمجھتے بلکہ ان کا اعلان ہے کہ یہ مسائل مثلاً آمین بالجہر، قرأۃ خلف الامام رفع یدین اجتہادی مسائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک یہ اختلاف حق وباطل کا اختلاف ہے۔ اس لیے غیر مقلدوں کا فرض ہے کہ وہ دلائل ایسے پیش کریں جو ثبوت اور دلالت میں قطعی ہوں اور متعارض یا مرجوح نہ ہوں۔

تیسرا پہلو مقتدیوں کی آمین کا مسئلہ

غیر مقلدوں کا مسئلہ یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے فرضوں کی صرف چھ

رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہیں اور باقی گیارہ رکعتوں میں آہستہ آواز سے کہیں۔

اس کے متعلق مندرجہ ذیل باتیں یاد رکھیں۔

۱۔ قرآن پاک میں یہ مسئلہ ہرگز ہرگز موجود نہیں ہے کہ مقتدی صرف چھ رکعتوں میں امام کے پیچھے آمین بلند آواز سے کہے اور باقی گیارہ رکعتوں میں آہستہ آواز سے کہیں۔

۲۔ آنحضرت ﷺ کی ایک بھی قولی حدیث نہیں ہے جس میں یہ وضاحت اور صراحت ہو کہ مقتدی امام کی اقتداء میں صرف چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہیں باقی گیارہ رکعات میں آہستہ آواز سے۔

۳۔ صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم شریف، نسائی، ابوداؤد، ترمذی ابن ماجہ وغیرہ کسی حدیث کی کتاب میں ایک بھی حدیث صحیح یا حسن ایسی نہیں ہے۔ جس میں یہ صراحت ہو کہ آنحضرت ﷺ کے مقتدی آپ کی اقتداء میں چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہتے تھے اور باقی گیارہ رکعات میں آہستہ۔

۴۔ خلفاء راشدین سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ وہ بحالت اقتداء چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہتے تھے اور باقی گیارہ رکعتوں میں آہستہ۔

۵۔ خلافت راشدہ کے پورے دور میں یہ ہرگز ہرگز ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ خلفائے راشدین کے مقتدی ان خلفاء کی اقتداء میں چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہتے تھے اور گیارہ رکعات میں آہستہ۔

آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ جب قرآن ان کے سر پر ہاتھ نہیں رکھتا اور بخاری مسلم نے بھی ان کو دھتکار دیا ہے۔ باقی اصحاب صحاح نے بھی ان یتیموں اور مسکینوں کو لاوارث قرار دے دیا ہے۔ تو آخر یہ کس بھروسے پر مسلمانوں میں سر پھٹول کرا رہے ہیں۔

ایک دفعہ میں نے ان کے ایک بہت بڑے مولوی سے پوچھا کہ مقتدیوں کی آمین کے بارے میں آپ کے پاس کوئی صحیح صریح حدیث ہے۔ انہوں نے فرمایا بخاری مسلم وغیرہ میں تو کچھ نہیں صرف ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ترک الناس التامین سب لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا ہے۔ اور رسول پاک ﷺ جب سورۃ فاتحہ ختم کرتے تو آمین کہتے تھے۔ یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے تھے۔ پھر مسجد گونج جاتی تھی۔ (ابن ماجہ ص ۶۱)

میں نے کہا یہاں مقتدی آپ نے کس لفظ سے سمجھا۔ اس نے کہا یہاں مقتدی کا لفظ صراحۃً تو موجود نہیں ہے۔ لیکن مسجد کے گونجنے سے قیاس یہی ہوتا ہے۔ کہ یہ مقتدیوں کی آواز سے ہی گونج پیدا ہوتی تھی۔

میں نے کہا کہ آپ کے نزدیک تو قیاس کرنا شیطان کا کام ہے آپ نے یہ شیطانی کام کر کے اپنی اجتہادی شان کو داغدار کر لیا ہے۔

پھر یہ جملہ جس پر آپ نے یہ قیاس کی عمارت کھڑی کی ہے خود بے بنیاد ہے اور عقل و نقل اس کے منہ پر طمانچے مار رہے ہیں ذرا سنیے۔

۱۔ یہی روایت ابوداؤد ج ۱ ص ۹۴ اور مسند ابو یعلی (آثار السنن ج ۱ ص ۹۴) پر بھی موجود ہے۔ مگر وہاں یہ گونج پیدا کرنے والا جملہ نہیں ہے۔

۲۔ اس کی سند کا راوی بشیر بن رافع ہے۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۴۷، پر امام بخاریؒ، امام احمدؒ، امام ابن معینؒ، امام نسائیؒ سے اس کا ضعیف ہونا نقل کر کے پھر ابن حبان سے تو یہ نقل کیا ہے کہ یروی اشیاء موضوعۃ وہ بالکل جھوٹی حدیثیں روایت کیا کرتا تھا۔ اور علامہ ابن عبد البرؒ نے کتاب الانصاف میں لکھا ہے کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ اس کی روایات کا شدت سے انکار کیا جائے اور اٹھا کر پھینک دیا جائے۔

۳۔ اس کا دوسرا راوی ابن عم ابی ہریرہؓ ہے جو مجہول ہے۔ کیا اس جھوٹی اور بناوٹی روایت کے بل بوتے پر سارا فساد وعناد برپا کیا جا رہا ہے۔

۴۔ یہ جملہ قرآن پاک کے صراحتہ خلاف ہے۔ کیونکہ اس روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی آمین کی آواز تو صرف پہلی صف تک گئی لیکن آپ کے خیال میں مقتدیوں کی آواز آنحضرت ﷺ کی آواز سے اتنی زیادہ بلند تھی کہ مسجد گونج اٹھی۔

اس جھوٹی روایت سے یہ معلوم ہوا کہ معاذ اللہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی کھلم کھلا قرآن پاک کی مخالفت کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی...﴾ یعنی اپنی آواز کو نبی پاک ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ ورنہ تمہارے اعمال اکارت جائیں گے۔ اب یہ جھوٹی روایت بتاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ خاص طور پر مسجد میں اور خاص حضور اکرم ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر اس قرآنی حکم کی مخالفت کرتے تھے۔ اور اپنی نمازوں کو برباد کر دیتے تھے۔

۵۔ اس جھوٹی روایت میں مسجد نبوی ﷺ کے گونجنے کا ذکر ہے حالانکہ گونج پختہ اور گنبد دار عمارت میں پیدا ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ کے دور میں مسجد نبوی کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی جس میں گونج پیدا ہونا ہی محال ہے۔

الغرض آپ نے جس جملے پر اپنے قیاس کی بنیاد رکھی تھی اس کا یہ حال ہے کہ قرآن کی بارگاہ میں اس جملے کا گزر نہیں ہو سکتا، عقل نے اس کے منہ پر تھوک دیا ہے۔

۶۔ اب یہ بھی سنئے کہ خود غرضی اور مطلب پرستی کے تحت جناب نے قرآن کو چھوڑا علم و عقل سے منہ موڑا۔ سب صحابہ کی نمازوں کو برباد مان لیا، لیکن دیکھو اب بھی جھوٹی روایت کس طرح تمہارا منہ بند کرتی ہے۔

اس کا پہلا جملہ یہ ہے کہ ترک الناس التامین لوگوں نے آمین چھوڑ دی ہے اور آپ تسلیم کرتے ہیں کہ اس حدیث میں آمین بالجہر کا ذکر ہے۔ کیونکہ آپ لوگ اس روایت کو آمین بالجہر کے ثبوت ہی میں پیش کرتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ نے اس جملے سے ایک متنفس کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ کوئی شخص بھی بلند آواز سے آمین کہنے والا نہ تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا وصال ۵۹ھ میں ہوا ہے اور

آپ نے خلافت راشدہ کو بھی دیکھا تو معلوم ہوا کہ صحابہؓ اور کبار تابعین میں سے ایک شخص بھی بلند آواز سے آمین نہ کہتا تھا۔ کیونکہ صحابہؓ کا دور ۹۰ھ تک عام ہے اور اس وقت لوگ صحابہؓ یا تابعین ہی تھے۔

۷۔ میں نے پوچھا کہ تمام ذخیرہ حدیث سے یہ ایک جھوٹی روایت آپ نے پلے باندھی تھی لیکن افسوس ہے کہ یہ چھ رکعت اور گیارہ رکعت کی تفصیل اس میں بھی نہیں، یہ آپ نے کہاں سے لیا کہ مقتدی چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہیں اور باقی گیارہ رکعات میں آہستہ۔

اب اس شخص کی حالت قابل دید تھی، شرم سے سر جھکائے ہوئے تھا میں نے دو تین بار جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر پوچھا کہ حضرت کچھ تو فرمایئے۔ آخر نہایت شرمسار ہو کر کہنے لگا کہ جناب اس بارے میں ہمارا قیاس ہے۔ میں نے کہا کہ قیاس تو کار شیطان ہے آپ سارا قرآن اور ساری حدیثیں قیاس کے رد میں پڑھ جایا کرتے ہیں۔ آخر آج یہ کیا قصہ ہے خیر بتایئے کہ قیاس سے کیسے ثابت ہوا کہ مقتدی چھ رکعات میں بلند آواز سے آمین کہے اور گیارہ رکعات میں آہستہ آواز سے۔

تو اس نے کہا کہ جناب ہمارے قیاس میں آمین قرآن پاک کے تابع ہے۔ اگر قرآن پاک بلند آواز سے پڑھا جائے تو آمین بھی بلند آواز سے کہی جائے گی اور جب قرآن پاک آہستہ پڑھا جائے گا تو آمین بھی آہستہ کہی جائے گی۔

میں نے کہا بہت خوب کسی نے خوب کہا ہے جس کا کام اسی کو ساجھے، اور کرے تو ٹھینگا باجے۔ محترم یہ تو بتایئے کہ کیا آپ کے مقتدی امام کے پیچھے قرآن بلند آواز سے پڑھتے ہیں کہنے لگا نہیں۔ میں نے کہا جب وہ فاتحہ آہستہ آواز سے پڑھتے ہیں تو آپ کے قیاس کے مطابق بھی ان کو آمین آہستہ آواز میں کہنی چاہیے اب تو اس پر سکتہ طاری تھا، کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

میں نے کہا یہ ہے مقلدوں کی مار کہ ان سے ڈر کر قرآن سے منہ موڑا، عقل

کو چھوڑا اصحابہؓ کی نمازوں کو برباد بتایا، شیطان کی خایہ بوسی بھی کی مگر مقلدین کے سامنے اجتہاد بے گور وکفن تڑپ رہا تھا۔ اور کوئی اس کا جنازہ پڑھنے والا نہ ملتا تھا۔ اور ﴿فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ...﴾ کا منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔

ایک دوسرے مجتہد صاحب سے گفتگو ہوئی میں نے پوچھا جو مقتدیوں کو آپ امام کی اقتداء میں چھ رکعات میں بلند آواز سے آمین کا حکم دیتے ہیں اور گیارہ رکعات میں آہستہ آمین کا یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے یا رسول اللہ ﷺ کا۔ کہنے لگا یہ نہ خدا کا حکم ہے نہ رسول کا، میں نے کہا کیا آنحضرت ﷺ کے مقتدی ایسا کرتے تھے یا خلفائے راشدین کے مقتدی؟ کہنے لگا ان سے بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ میں نے کہا آخر یہ مقتدیوں کو مسئلہ کہاں سے بتایا اس نے کہا صحیح بخاری میں ہے امن ابن الزبیرؓ وامن من خلفه حتی ان للمسجد للجته کہ عبداللہ بن زبیر نے آمین کہی اور ان کے مقتدیوں نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھی۔ میں نے کہا یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے مقتدیوں سے اس طرح چھ رکعتوں میں بلند آواز سے آمین کہنا ثابت نہیں ہو سکا۔ خلافت راشدہ کا دور ختم ہونے کے کئی سال بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ خیر آپ پہلے بتائیں کہ بخاری میں اس روایت کی کوئی سند ہے؟ کہنے لگا نہیں بخاری نے اگرچہ اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی لیکن امام بخاریؒ کی تعلیقات حجت ہیں کیونکہ ہمیں ان کی علمی مہارت پر کلی اعتماد ہے۔ میں نے کہا یہی اعتماد تو تقلید ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کا اجتہاد اتنا سخت جان ہے کہ شرک کی دلدل میں پھنس کر بھی اس کی توحید میں فرق نہیں آتا۔

پھر اس میں صرف ایک وقت کا ذکر ہے اور اس سے سنت کیسے ثابت ہوگی اور اس میں تو یہ بھی ذکر نہیں کہ یہ آمین نماز کے اندر تھی یا نماز کے بعد اور اگر نماز کے اندر تھی تو سورۃ فاتحہ کے بعد تھی یا قنوت نازلہ کے وقت جب اس میں اتنے احتمالات ہیں تو استدلال کیسا؟

پھر کیا آپ کے نزدیک قرآن حدیث کو چھوڑ کر ابن زبیرؓ کی تقلید شخصی جائز ہے یا شرک، اور اگر جناب نے ابن زبیرؓ کی تقلید شخصی کر لی ہے تو وہ تو ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور وہ عیدین میں اذان بھی کہتے تھے اور اقامت بھی۔ (معارف السنن ص ۴۶۰ بحوالہ تہذیب الآثار طبری) بلکہ طحاوی شرح معانی الآثار ج ا ص ۱۴۷، ابن ابی شیبہ ج ا ص ۹۸، میں ہے کہ وہ سرے سے آمین ہی نہ کہتے تھے (ص ۱۲۰ ج ا) نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

کہنے لگا عطا نے دوسو صحابہؓ کو آمین کہتے دیکھا۔ میں نے کہا سرے سے یہ ہی ثابت نہیں کہ عطاء کی ملاقات دوسو صحابہ سے ہوئی ہو اور یہ تو بالکل ہی غلط ہے کہ ابن زبیرؓ کے وقت کسی ایک شہر میں دوسو صحابہ موجود ہوں۔

ازاں بعد جب خلفائے راشدین کے زمانہ میں سے ۲۰ رکعت تراویح شروع ہوئیں اس کو تو آپ بدعت کہتے ہیں تو اب ابن زبیرؓ کے فعل سے استدلال کر کے اس کی تقلید شخصی کر کے مشرک کیوں بنتے ہو؟

پھر بھی ان روایات میں یہ نہیں ہے کہ چھ رکعات میں بلند آواز سے اور باقی گیارہ رکعات میں آہستہ۔

ہمارا تو ایسے اجتہاد کو دور سے سلام ہے کہ کبھی شرک کی دلدل میں پھنسے کبھی بدعت کی وادی میں بھٹکے کبھی کسی کی تقلید شخصی کرے لیکن پھر بھی مقلدین کے سامنے ہتھیار ڈال دے۔

الغرض مقتدیوں کا امام کے پیچھے چھ رکعتوں میں بلند آواز سے اور باقی گیارہ رکعتوں میں آہستہ آواز سے آمین کہنا نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ آنحضرت ﷺ کے مقتدیوں سے ثابت ہے نہ خلفائے راشدین کے مقتدیوں سے۔

آخر جب اسے کوئی دلیل نہ ملی تو کہنے لگا چونکہ امام کا آمین بالجہر کہنا ثابت ہے اس لیے مقتدیوں کے مسئلے کو ہم نے اسی پر قیاس کر لیا ہے۔ میں نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ آخر کار آپ کے اجتہاد کی تان قیاس پر ہی آ کر ٹوٹتی ہے۔ تقریروں اور تحریروں میں اس

کو کار شیطانی کہا جاتا ہے اور اندرون خانہ قیاس کے سامنے سجدے کیے جاتے ہیں۔

اچھا یہاں قیاس کس طرح فرمایا ہے کہنے لگا جب امام بلند آواز سے کہتا ہے تو مقتدیوں کو بھی بلند آواز سے کہنی چاہیے۔

میں نے کہا اولاً تو امام کے لیے بھی یہ ثابت نہیں تو بنائے قیاس ہی غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ امام تو تمام تکبیرات بھی بلند آواز سے کہتا ہے۔ سمع اللہ لمن حمدہ بھی بلند آواز سے کہتا ہے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ بھی بلند آواز سے کہتا ہے تو جناب کے قیاس پر تو مقتدی کو بھی یہ سب کچھ بلند آواز سے کہنا چاہیے۔ اب تو مجھے کہنا پڑا۔

در کفر ہم ثابت نہ ای زنار را رسوا مکن

دعویٰ کا چوتھا حصہ

امام کا آمین بالجہر کہنا۔

غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ امام کو تمام عمر روزانہ چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہنا اور گیارہ رکعتوں میں آہستہ آواز سے کہنا سنت موکدہ ہے۔

غیر مقلدین کو یہ اقرار ہے۔ کہ قرآن پاک کی کسی آیت میں ہمارا یہ مسئلہ مذکور نہیں ہے۔ اس لیے وہ اپنے استدلال کی بنیاد حدیث پر رکھتے ہیں۔

حدیث کا استدلال دیکھنے سے پہلے یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ آمین کہنا بھی سنت موکدہ ہے اور اس کا بلند آواز سے کہنا بھی سنت موکدہ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آمین کا سنت موکدہ ہونا تو آنحضرت ﷺ کی قولی احادیث سے ثابت ہے۔ آپ نے فقولوا آمین کہہ کر اس کا حکم دیا۔ پھر اس پر ترغیب کے لیے بار بار فرمایا کہ اس میں فرشتے بھی تمہارے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ اور مزید ترغیب کے لیے بار بار یاد دہانی کرائی کی آمین کہنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور آمین نہ کہنے والے کی نامرادی بھی آپ نے مثال دے کر سمجھائی۔ یہ تمام احادیث آپ باب دوم میں پڑھ چکے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر نفس آمین کی طرح آمین کو بلند آواز سے کہنا بھی سنت مؤکدہ ہے تو آنحضرت ﷺ کا کوئی حکم دکھایا جائے کہ حضور ﷺ نے حکم دیا ہو کہ تم نماز میں چھ رکعتوں میں آمین بلند آواز سے کہا کرو اور یہ بھی دکھایا جائے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ ان چھ رکعتوں میں اونچی آواز سے آمین کہنے کی وجہ سے تمہیں یہ یہ ثواب ملے گا اور نہ کہنے میں تم اس طرح محروم ہوگے۔

لیکن بار بار مطالبہ کے باوجود آج تک غیر مقلد مجتہدین شرمائے اور منہ چھپائے بیٹھے ہیں کسی کو یہ جرات نہیں ہوئی۔ کہ وہ آنحضرت ﷺ کا حکم اور اس پر ترغیب اور مزید ثواب کا کوئی وعدہ دکھا سکے۔

ہم حیران ہیں کہ نماز فجر کے بعد اشراق پڑھنے والے کو ایک حج اور ایک عمرہ کے ثواب کا وعدہ ہو۔ جو صرف ایک نفل کام ہے سنت نہیں اور نماز عصر کی پہلی چار سنتیں جو غیر مؤکدہ ہیں۔ ان پر جنت میں محل کی خوش خبری حضور اقدس ﷺ کے ارشادات میں مل جائے۔ لیکن آمین بالجہر جو ایسی سنت مؤکدہ ہے کہ ہر مسجد میں لڑائی وفساد اس کی بنا پر کھڑا ہو جاتا ہو۔ اس کا نہ تو رسول پاک ﷺ حکم دیں نہ اس کا کوئی زیادہ ثواب بتائیں۔

ایک ضروری وضاحت

(۱) آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پریس نہ تھا کہ کسی کتاب میں تمام مسائل تفصیل کے ساتھ لکھ دیے جاتے۔ اور جو شخص آتا اسے وہ کتاب دے دی جاتی۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ مثلاً نماز پڑھائی تو بلند آواز سے پڑھ کر ان نو مسلموں کو نماز کا طریقہ تعلیم فرما دیا۔ مثلاً: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں متفق علیہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز ختم فرماتے تو بلند آواز سے تکبیر فرماتے۔ (بخاری ج اص ۱۱۴، مسلم ج اص ۲۱۷، ابوداؤد ج اص ۱۴۳) اس کے متعلق امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ صرف تعلیم کے لیے تھا (کتاب الام ج اص ۱۱۰) سنن کبریٰ ج ۲ص ۱۸۴ نووی شرح مسلم ج اص ۲۱۷ فتح الباری ج ۲ص ۲۶۹ عمدۃ القاری ج ۶ص ۱۲۶)

۲۔ اسی طرح بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی کبھی ظہر کی نماز میں کوئی بلند آواز سے آیت پڑھتے کہ مقتدی سن لیتے (عن قتادہؓ) یہ بھی صرف تعلیم کے لیے ہوتا تھا۔

۳۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ رات کو نماز پڑھی۔ میں نے سنا کہ آپ پڑھ رہے تھے اللہ اکبر والجبروت۔ (نسائی ص ۱۱۳)

۴۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے اور آپ سے سورۃ لقمان کی آیت سنا کرتے تھے۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۱۳)

۵۔ اسی طرح صحابہ کا آنحضرت ﷺ سے رکوع سجود کی تسبیحات اور تشہد اور دعائیں سننا بکثرت احادیث میں آتا ہے۔

۶۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے نماز میں سبحانک اللھم بلند آواز سے پڑھا جیسا کہ کتاب الآثار امام محمدؒ اور طحاوی شرح معانی الآثار میں مذکور ہے۔

الغرض اس زمانہ میں طریقہ تعلیم یہی تھا۔ آج کل بھی مدارس میں جب بچوں کو نماز کا طریقہ سکھایا جاتا ہے۔ تو وہ سب ساری نماز بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ لیکن کوئی اس کو سنت مؤکدہ نہیں کہتا۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا بلند آواز سے آمین کہنا بھی حضرت وائلؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے جو نو مسلم تھے۔ ظاہر ہے کہ جب ان لوگوں نے اسلام قبول کیا تو یقیناً ان کو نماز کا طریقہ سکھایا گیا تو اگر آنحضرت ﷺ نے ان کی تعلیم کے لیے مثل قرأۃ ظہر یا دیگر اذکار و ادعیہ کے اگر آمین بھی بلند آواز سے کہہ لی ہو تو اس سے ہمیں انکار نہیں۔ ہمیں تو اس کے سنت موکدہ ہونے سے انکار ہے اس کو ایک اور مثال سے سمجھیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ آنحضرت ﷺ روزہ کی حالت میں مباشرت (بوس و کنار) فرما لیتے تھے تو اس کے ثبوت کا ہمیں انکار نہیں۔ ہاں اگر کوئی اس کو روزہ کی حالت میں سنت موکدہ کہنا شروع کر دے۔ اور روزہ کی حالت میں مباشرت نہ کرنے والے مرد و عورت کا روزہ ناقص اور خلاف سنت بتائے تو

ہم اس کا انکار کریں گے۔ اسی طرح صرف حضور کا بلند آواز سے آمین کہنا دکھا دینا اس سے اس کے سنت ہونے کا ثبوت نہ ہوگا۔ جب تک اس پر دوام ثابت نہ کریں۔ یا آخری وقت تک آمین کہنا نہ ثابت کریں۔

اس وضاحت کے بعد اب گزارش ہے کہ کہنے کو تو ان کے مناظرین جب اپنے عوام پر اپنا رعب جماتے ہیں۔ یا اپنی مسند اجتہاد کو رونق بخشتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چار سو صحیح حدیثیں ہیں اور ان کے دل ودماغ میں یہ پیوست کرتے ہیں۔ کہ دیکھو حنفی ایک ہی مسئلے میں چار سو احادیث کے منکر ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ کہ آمین بالجہر کی اگر کسی روایت کو کھینچ تان کر حسن تک لایا جاسکتا ہے وہ صرف حضرت وائلؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات ہیں اور بس اب مرزا جی تو پانچ کو پچاس گنتے تھے۔ یہ دو چار کو چار سو بنالیں۔ وہ ایک نقطہ لگاتے تھے۔ یہ دو لگالیں تو بس اسی قسم کے جھوٹ ان لوگوں کے اجتہاد کی رونق ہیں اگر یہ لوگ جھوٹ نہ بولیں تو ان کے اجتہاد کی منڈی سنسان ہوجائے۔

حضرت وائل کی حدیث

ا۔　حجر بن عنبس روایت کرتے ہیں کہ وائل رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔ آپ نے آمین کہی۔ مد بھا صوتہ۔

(ترمذی ص ۶۳ دار قطنی ص ۱۲۷)

اس روایت کا مدار حضرت سفیان ثوریؒ پر ہے۔ سفیان ثوری کے دس شاگرد ہیں۔ جن میں سے ۹ شاگرد یحییٰ بن سعید، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبداللہ بن یوسف، محمد بن یوسف، قبیصہ، وکیع، محاربی، علاء بن صالح، یحییٰ بن سلمہ، تو اس حدیث میں مد بھا صوتہ کہتے ہیں جو جہر پر نص نہیں ہاں صرف ایک شاگرد محمد بن کثیر رفع بھا صوتہ کہتا ہے۔

(ابو داؤد ج ا ص ۹۴ دارمی ص ۱۴۸) یہ کثیر الغلط ہے۔ (تقریب)

پس صحیح روایت مد بھا صوتہ ہے اور رفع بھا صوتہ کثیر الغلط اور شاذ

ہے۔مدبھا صوتہ کا یہ بھی معنیٰ ہوسکتا ہے کہ آپ نے آمین کے الف کو کھینچ کر لمبا کر کے پڑھا۔ یہاں جہر مراد نہیں کیونکہ دوسرے باب میں آپ صحیح سندوں سے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت وائلؓ نے خفض بھا صوتہ اور اخفی بھا صوتہ بھی روایت کیا ہے۔جس کے معنیٰ ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے آہستہ آواز سے آمین کہی۔

ا۔ سفیان ثوریؒ کوفی ہیں اور غیر مقلد جب اپنے نشہ اجتہاد میں مست ہوتے ہیں تو کہا کرتے ہیں کہ کوفہ والوں کی روایت بے نور ہوتی ہے۔(حقیقت الفقہ) نہ معلوم آج کیوں کوفہ والوں کے سامنے سجدہ سہو ہو رہا ہے۔

۲۔ نیز یہ سفیان ثوریؒ خود آمین آہستہ آواز سے کہا کرتے تھے۔ اور غیر مقلد حضرات جب اپنی اجتہادی ترنگ میں ہوں تو کہا کرتے ہیں۔ کہ جو آمین آہستہ کہتا ہی وہ منکر سنت ہے، یہودی ہے۔لیکن آج غرض سامنے ہے مطلب برآری کرنی ہے۔اس لیے ایسے شخص کی روایت کو بھی سر آنکھوں پر رکھا جا رہا ہے۔

۳۔ حضرت وائل بن حجرؓ بھی آخر کوفہ میں قیام پذیر ہوگئے تھے۔ اور انہیں کے ہم مسلک تھے دیکھیے اب غیر مقلد ان کا اسلام بھی مانیں گے یا نہیں۔

دوسرا طریق

(ا) عبدالجبار اپنے باپ حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے آمین کہی۔یرفع بھا صوتہ . (نسائی ج ا ص ۸۹)

۲۔ فسمعتہ وانا خلفہ میں نے آپ کی آمین سن لی میں آپ کے پیچھے تھا۔ (نسائی ج ا ص ۹۴)

۳۔فسمعنا ھا منہ ہم نے آپ کی آمین سن لی۔ (ابن ماجہ ص ۹۲)

۴۔قال آمین مدبھا صوتہ۔آواز کو کھینچا۔(دار قطنی ج ا ص ۱۲۷)

۵۔انہ سمع یقول آمین اس نے آمین سنی۔ (مسند احمد)

۶۔فقال آمین یجھر، آمین کہا بلند آواز سے۔ (مسند احمد)

یہ روایت عبدالجبار کی ہے اور امام بخاری، ابن معین، ترمذی، نسائی وغیرہ سب متفق ہیں کہ عبدالجبار نے اپنے باپ سے کوئی روایت نہیں سنی (ترمذی ص ۲۲۹، نسائی ج ۱ ص ۱۴۲، شرح المہذب ج ۳ ص ۱۰۴) پس یہ روایت مرسل ہوئی۔

دوسرا راوی

ابواسحاق سبیعی ہے جس کا حافظہ آخری زمانہ میں صحیح نہیں رہا تھا (نووی ص ۱۷ تقریب) اور اس کی مرسلات بالکل قبول نہیں جیسا کہ ابن معین نے کہا شبه لا شئی.
(ترمذی کتاب العلل ص ۵۶۴)

پس یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔

پھر چھ سندوں میں ہر سند کا لفظ علیحدہ ہے کہ حضورؐ نے بلند آواز سے آمین کہی آواز کتنی بلند تھی وہ اسی روایت میں ہے۔

حضرت وائل حضورؐ کے پیچھے کھڑے تھے۔ انہوں نے سن لی۔ تو اتنی آواز کو کہ ایک دو قریبی آدمی سن لیں یہ جہر مطلوب نہیں ہے۔

دیکھو اگر امام جہری نمازوں میں قرأۃ صرف اتنی آواز سے پڑھے کہ صرف قریب کے ایک دو آدمی سن لیں۔ یا تکبیرات انتقال صرف اتنی آواز سے کہے کہ صرف قریب کے ایک دو آدمی سن لیں تو سب نمازی کہیں گے۔ کہ اس نے جہر نہیں کیا۔ تو اس حدیث سے جہر ثابت ہی نہ ہوا

۳۔ پھر یہ ایک آدھ دفعہ کا قصہ ہے۔ کیونکہ حضرت وائل بن حجرؓ نئے نئے اسلام لائے تھے۔ اس لئے ان کی تعلیم کیلئے جہر کر لیا ہو تو ہمیں معترف نہیں۔

۴۔ اس حدیث میں یہ وضاحت نہیں کہ حضورؐ نے چھ رکعات میں ہی جہر فرمایا تھا اور باقی گیارہ میں آہستہ آواز سے آمین کہی تھی۔

حضرت وائل بن حجرؓ کا اپنا فیصلہ

حضرت وائل بن حجرؓ کی بلند آواز سے آمین کہنے کی روایت بسند ضعیف

مروی ہے۔ اور آہستہ آمین کی صحیح سند سے پھر اونچی آمین کے متعلق فرمایا کہ حضور ﷺ نے قال آمین ثلاث مرات.

(رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ ثقات (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۸۷)

یعنی آپ نے (ساری عمر میں صرف) تین دفعہ آمین کہی۔ اب یہ بھی خود حضرت وائل بن حجرؓ سے پوچھئے کہ یہ بلند آواز سے آمین حضرت ﷺ نے کیوں کہی تھی۔ فرماتے ہیں۔ ما اراہ الا لیعلمنا (رواہ الدولابی، التعلیق الحسن حاشیہ آثار السنن ج ۱ ص ۹۲) اس کی سند میں یحییٰ بن سلمہ بن کہیل ہے۔ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ جمہور نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور وضاحت کی ہے کہ جو روایات اس سے اس کا بیٹا روایت کرے وہ منکر ہیں اور یہ روایت اس کے بیٹے کی نہیں۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۱) نیز ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس سے استدلال کیا ہے وہ ایک صحیح السند حدیث کو منسوخ کرنے کے لیے جو حدیث لائے ہیں اس کی سند میں یحییٰ بن سلمہ ہے۔ (عرف الشذی ص ۱۲۸)

یعنی یہ ہماری تعلیم کے لیے کہی تھی۔ لیجئے فیصلہ ہو گیا کہ جہراً آمین صرف تعلیم کے لیے تھی اور آہستہ آمین سنت تھی۔ اسی لیے حضرت وائل بن حجرؓ سے بعد میں ایک دفعہ بھی آمین کہنا ثابت نہیں اور آپ نے سکونت کوفہ میں اختیار فرمائی تو وہاں آپ نے کبھی آمین بالجہر پر مناظرہ نہ کیا۔ کیونکہ تمام اہل کوفہ بالاتفاق آہستہ آمین کہتے تھے۔

حضرت وائل بن حجرؓ کی یہ روایت ہے جس کو غیر مقلدین بیس تیس نمبر دے کر بیان کرتے ہیں۔ تاکہ ناواقفوں کو مرعوب کر سکیں۔

نوٹ: حضرت وائلؓ سے ایک روایت میں رب اغفرلی آمین آتا ہے اس کی سند میں عبدالجبار العطاردی ہے وہ ضعیف ہے (میزان)

بحث حدیث ابی ہریرہؓ

حضرت ابو ہریرہؓ بھی متاخر الاسلام راوی ہیں۔ جب یہ اسلام لائے تو

آنحضرت ﷺ نے ان کی تعلیم کے لیے بھی بلند آواز سے آمین کہی ہوگی۔

۱۔ چنانچہ ابوسلمہ اور سعید کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا۔ حضور ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہی (دارقطنی ج۱ ص ۱۲۷ حاکم ج۱ ص ۲۲۳) سند کا مدار اسحٰق بن ابراہیم پر ہے۔ جس کو ابوداؤد اور نسائی نے ضعیف کہا ہے اور محمد بن عوف محدث حمص نے جھوٹا کہا ہے۔ (کاشف للذہبی) (میزان الاعتدال ج۱ ص ۸۵)

اور دوسرا راوی عبداللہ بن سالم ہے جو ناصبی تھا اور حضرت علیؓ کی توہین کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ حضرت کی مدد سے ہی ابوبکر اور عمر کو شہید کیا گیا ہے۔

(میزان الاعتدال)

یہ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ حضرت علیؓ آمین بالجہر نہیں کرتے تھے تو ان کے خلاف اسحاق جیسے کذاب اور عبداللہ بن سالم جیسے بے دین ناصبی کی روایت پیش کرنا ان ہی مجتہدوں کا کام ہے۔ جن کو انگریزوں نے مسند اجتہاد پر بٹھا کر اہلحدیث کا نام الاٹ کیا ہو۔

نوٹ: دارقطنی نے سنن میں تو اس روایت کو حسن کہہ دیا صرف حمایت مذہب میں لیکن اصل حقیقت اس کے خلاف تھی۔ اسلئے خود ہی کتاب العلل میں اس کو ضعیف کہہ دیا۔ آج کل غیر مقلدوں کے مجتہدین سنن دارقطنی سے اس روایت کا حسن ہونا تو نقل کرتے ہیں۔ لیکن کتاب العلل سے ضعیف ہونا بیان نہیں کرتے اسی فریب اور خیانت پر ان کا مذہب قائم ہے۔

۲۔ دارقطنی ج۱ ص ۱۲۷ میں ابن عمر اور ابوہریرہؓ سے روایت درج ہے کہ حضورؐ نے بلند آواز سے آمین کہی مگر دونوں کی سند میں بحر السقاء ہے جسے خود دارقطنی نے ہی ضعیف کہہ دیا ہے۔

پھر یہ ایک واقعہ ہے جو یقیناً تعلیم کے لیے تھا۔ جیسا کہ حضرت وائلؓ نے صراحتہً یہ فرمادیا پھر کیا صحابہ کرامؓ نے اس کو مستقل سنت موکدہ سمجھا اس کے متعلق آپ

خود ابوہریرہؓ کی زبان سے پڑھ آئے ہیں کہ ترک الناس التامین کہ بلا استثناء سب لوگوں نے بلند آواز سے آمین ترک کردی تھی۔

حدیث ام حصینؓ

ام حصینؓ ایک حدیث بیان کرتی ہیں کہ جب حضور ﷺ نے آمین کہی تو انہوں نے عورتوں کی صف میں آمین سن لی۔ (زیلعی ج ۱ ص ۳۷۱)

اس کی سند میں ایک تو اسماعیل بن مسلم مکی ہے جس کو امام احمد، امام ابن معین، امام ابن المدینی، امام نسائی، ابن حبان، بزار اور حاکم سب نے ضعیف کہا ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۲۲)

دوسرا راوی ہارون الاعور ہے۔ جو رافضی ہے (میزان الاعتدال) تو خلفائے راشدین کے مسلک کے خلاف رافضیوں اور جھوٹوں کی روایت کیسے حجت ہو سکتی ہے۔

۲۔ پھر یہ صرف ایک واقعہ ہے اگر حضور ﷺ نے عورتوں کی تعلیم کے لیے ایک دفعہ بلند آواز سے آمین کہہ دی۔ تو کیا اس سے دوام اور سنت موکدہ ہونا ثابت ہو جائے گا؟

۳۔ آپ صحیح احادیث میں یہ پڑھ آئے ہیں کہ فرشتوں امام اور مقتدیوں کی آمین بیک وقت ہونی چاہیے۔ حضرت ام حصین نے جو عورتوں کی صف میں حضور اقدس ﷺ کی آمین سن لی۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ آپ کے مقتدیوں نے آمین بلند آواز سے نہیں کہی تھی۔ ورنہ حضور اکرم ﷺ کی آواز عورتوں کی صف میں نہ پہنچ سکتی، صحابہ کی آواز میں دب جاتی۔

حضرت علیؓ سے روایت لاتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی آمین سنی۔ لیکن سند میں حجیہ بن عدی جس کے متعلق تقریب میں لکھا ہے۔ صدوق یخطی سچا مگر خطا کار تھا۔ اور دوسرا راوی ابن ابی لیلیٰ ہے۔ رفع یدین کے باب میں اس کو ضعیف

ثابت کرنے میں اپنے دماغ کا سارا پانی خشک کردیتے ہیں چنانچہ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب سے حضرت علیؓ کی اسی حدیث کے متعلق پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا یہ حدیث خطاء ہے اور ابن ابی لیلیٰ خراب حافظے والا ہے۔ پھر اس میں مستقل عادت کا ذکر نہیں دوام سے ساکت ہے۔ اور چھ رکعت کی تخصیص پر بھی اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

ادھر خود حضرت علیؓ آمین بالجہر نہ کہتے تھے۔ گویا ان کے نزدیک بھی اس روایت سے آمین بالجہر کی سنیت نہ نکلتی تھی۔ تو جب باب مدینۃ العلم اس روایت سے جہر آمین کی سنیت نہ سمجھ سکے تو ان بناسپتی مجتہدوں کی ٹرٹر کون سنتا ہے؟

کون ہے جو حدیث و محل حدیث کو ان سے زیادہ سمجھ سکتا ہو۔ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو اس حدیث سے جہر آمین کی سنیت نہ سمجھ سکے۔ ورنہ اس کے خلاف ان کا عمل قطعاً نہ ہوتا۔ تو دوسرے کسی کو کس نے یہ حق دیا ہے کہ اس حدیث سے آمین بالجہر پر استدلال کرے۔

حضرات آپ کے سامنے غیر مقلدوں کے ڈھول کا پول آ گیا رات دن شور ہے کہ ہم احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ ہم ہی اہل حدیث ہیں۔ دوسروں کو حدیث کا منکر سمجھتے ہیں اور ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ وہ قیاس پر عمل کرتے ہیں۔ لیکن اپنا یہ حال ہے کہ ایک حدیث بھی ایسی ان کے پاس نہیں ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہو کہ آمین بلند آواز سے کہا کرو۔

۲۔ اور نہ ہی کوئی ایسی حدیث دکھا سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے آمین بالجہر پر کوئی ترغیب دی ہو۔ اور مزید اجر و ثواب کا وعدہ دیا ہو۔

۳۔ اور نہ ہی کوئی ایسی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ساری عمر بلند آواز سے آمین کہی ہو۔

۴۔ اور نہ ہی یہ چھ رکعت میں جہر اور گیارہ رکعت میں اخفاء کی تقسیم کسی حدیث

میں دکھا سکے ہیں۔

۵۔　نہ ہی کسی صحیح حدیث میں یہ دکھا سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے مقتدی آپ کے پیچھے چھ رکعتوں میں بلند آواز سے اور باقی گیارہ رکعتوں میں آہستہ سے آمین کہتے تھے۔

۶۔　نہ ہی کسی حدیث میں یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ خلفائے راشدین اور ان کے مقتدی غیر مقلدوں کے ہمنوا تھے۔

۷۔　بلکہ خلافت راشدہ اور عہد نبوی ﷺ میں ایک مسجد کا حوالہ نہیں دے سکے جہاں علی الدوام چھ رکعتوں میں جہراً اور گیارہ رکعتوں میں سراً آمین کہی جاتی ہو۔

جن دو چار ضعیف اور کمزور رواتوں کا سہارا لیا جاتا ہے، ان میں صرف اتنا ہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے (کسی وقت) آمین بلند آواز سے کہی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آنحضرت ﷺ نے کبھی کبھار ظہر اور عصر کی نماز میں قرأۃ بلند آواز سے پڑھی۔ لیکن یہ آپ کا ہمیشہ کا عمل نہ تھا۔ اسی لیے ظہر و عصر میں کسی آیت کا بلند آواز سے پڑھنا کسی کے نزدیک بھی سنت نہیں ہے۔

ان روایات میں ہرگز یہ تصریح نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ ساری عمر آمین بالجہر فرماتے رہے، اس بارے میں غیر مقلدین کے پاس صرف اور صرف قیاس ہے کہ جب حضور نے بلند آواز سے آمین کہی تو کہتے رہے ہوں گے، لیکن ان کا یہ قیاس خلاف نصوص ہے۔

جس قسم کی یہ روایات ہیں اسی قسم کی روایات میں یہ صراحت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف تین بار بلند آواز سے آمین کہی اور وہ بھی تعلیم کے لیے تو اب اگر ان روایات پر عمل ضروری ہے۔ تو زیادہ سے زیادہ ساری عمر میں تین بار وہ بھی امام ہونے کی حالت میں وہ بھی جب کسی نو مسلم کو تعلیم کا موقعہ آئے، آمین بلند آواز سے کہہ لیں تو ہمیں انکار نہیں۔ لیکن اس کو ساری عمر مستقل سنت موکدہ قرار دینا اور نہ

کرنے والوں کو یہودی اور منکر حدیث کہنا بالکل بے دلیل ہے اسے کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری۔

غیر مقلدوں کا آخری حربہ

غیر مقلدوں کا جب چاروں طرف سے ناک میں دم ہو جاتا ہے، مسند اجتہاد سنسان ہو جاتی ہے تو پھر گالیوں پر اتر آتے ہیں کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بار بار ارشاد فرمایا ہے کہ جو آمین بالجہر نہیں کہتا وہ یہودی ہے۔ یہودی آمین بالجہر سے جلتے ہیں حسد کرتے ہیں۔

حالانکہ جس طرح پہلی باتیں جھوٹ ہیں، یہ بھی بالکل جھوٹ ہے۔ اولاً تو ان رواتوں میں سے کوئی روایت صحیح ہی نہیں ہے۔

چنانچہ ابن عباسؓ کی روایت میں طلحہ بن عمر ہے جو سخت ضعیف ہے۔
(دیکھو تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۵ اور نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۲۹)

حدیث عائشہؓ بھی ضعیف ہے۔ پھر اس میں آمین کے ساتھ سلام اور "ربنا لک الحمد" کا بھی ذکر ہے۔ دیکھو بیہقی سنن کبریٰ ج ۲ ص ۵۶ بلکہ قور قبلہ کا بھی ذکر ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۴۸)

تو غیر مقلدین جو سلام اور "ربنا لک الحمد" بلند آواز سے نہیں کہتے وہ کم از کم ۲/۳ یہودی تو ہو گئے۔ اور اگر اکیلے نماز پڑھیں تو پھر تو آمین بھی آہستہ کہتے ہیں تو مکمل یہودی ہونے میں کیا شبہ رہا۔

اصل بات یہ ہے کہ حسد کے لیے صرف علم ضروری ہے۔ جہر ضروری نہیں ربنا لک الحمد آہستہ کہا جاتا ہے۔ مگر یہود کو علم ہے تو حسد کرتے ہیں۔

دیکھو ہم اہل سنت و جماعت آہستہ آواز سے آمین کہتے ہیں تو غیر مقلدین یہودیوں سے بھی زیادہ جلتے ہیں۔ کیونکہ یہودیوں نے نہ کبھی آمین کہنے والوں کو مناظرے کا چیلنج دیا نہ ان کے خلاف رسالے لکھے نہ ان کی مسجدوں میں فتنہ فساد کھڑا

کیا۔ اس کے برعکس حنفی جب آمین آہستہ کہتے ہیں تو دیکھو غیر مقلدوں کو کتنا حسد ہوتا ہے۔ تقریریں کرتے ہیں۔ رسالے لکھتے ہیں۔ گالم گلوچ اور دنگا فساد پر اتر آتے ہیں۔

حسد کے معنی

حسد کے معنیٰ تو یہ ہوتے ہیں کہ محسود (جس سے حسد کیا جائے) میں کوئی ایسا کمال ہو جو حاسد میں نہ ہو۔ اس لیے حاسد کی قسمت میں صرف جلنا ہی رہ جاتا ہے اور بس۔ اور حسد کے آثار یہ ہیں کہ محسود کے خلاف پروپیگنڈہ کرے، گالم گلوچ پر اتر آئے۔

اب بتایئے کہ آمین بالجہر میں کون سی خوبی اور کمال ہے۔ یا زیادہ ثواب ہے کہ حنفی غیر مقلدوں پر حسد کریں یا تو وہ ثابت کر دیتے کہ آمین بالجہر پر حضور اکرم ﷺ نے مزید ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ اب وہ ثواب حنفیوں کو نصیب نہیں ہوتا۔ اس لیے ہم پر جلتے ہیں۔

جب وہ جہر ثابت نہ کر سکے تو اب حنفیوں کو حسد کرنے کی کیا ضرورت ہاں البتہ احناف جو آہستہ آمین کہتے ہیں، اس میں ان کو فرشتوں کی موافقت نصیب ہوتی ہے اور اس پر مزید ثواب کا وعدہ بھی ہے کہ سب پہلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور قرآن پاک سے آہستہ دعا پر خدا کی رحمت کا تذکرہ ملتا ہے۔ اور ایک روایت سے اس کا ثواب ستر گنا زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ پھر خلفائے راشدین کی موافقت کا اجر بھی مزید ہے۔ تو احناف کی آمین پر حسد کیا جا سکتا ہے۔

یہود بھی اگر حسد کریں گے تو حنفیوں کی آمین پر کہ صرف زبان ہلانے سے فرشتوں کے موافق۔ نبی کی موافقت گناہوں کی معافی خدا کی رحمت اور ستر گنا ثواب ان کو مل رہا ہے۔ چنانچہ سلام اور ربنا لک الحمد پر بھی ان کا حسد ہے حالانکہ سب آہستہ کہتے ہیں۔

غیر مقلدوں کی آمین پر یہودی کیا حسد کریں گے جو ستر گنا ثواب سے محروم

ہیں۔ فرشتوں کی موافقت سے محروم ہیں اور اکثر امت کے نزدیک دعا و ذکر جہر بدعت ہے۔ اس میں بدعت کا شبہ ہے پھر آنحضرت ﷺ کے فرمان انکم لا تدعون اصم ولا غائباً ان کی آمین میں یہ شبہ آتا ہے کہ شاید خدا کو بہرا اور غائب جانتے ہیں تو بتایئے ایسی آمین پر کوئی کیوں حسد کرنے لگا۔

الغرض اس حسد کے بارے میں بھی یہ حاسدین اول تو ضعیف روایات نقل کرتے ہیں پھر ان میں جہر کا نام تک نہیں پھر حسد کے معنیٰ سے بھی یہ بے چارے بے خبر ہیں۔ اصل میں یہ حسد میں اتنے جل بھن گئے ہیں کہ نہ سر کی خبر ہوتی ہے نہ پیر کی۔ اور حاسدوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ بات کچھ بھی نہ بس شور وشغب، وہ پکڑا وہ مارا۔ اب یہیں دیکھیئے کہ ان روایات میں نہ جہر کا ذکر، نہ چھ رکعتوں کی تفصیل، نہ کوئی ایسا مزید ثواب مذکور جس پر حسد کیا جائے۔ لیکن ان حاسدوں نے فوراً احناف پر چسپاں کرنا شروع کر دیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں ان حاسدین سے محفوظ رکھیں۔

تحقیق مسئلہ
رفع یدین

تالیف
مناظر اسلام حضرت مولانا
محمد امین صفدر
اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غیر مقلدین کا مجموعی مزاج یہ ہے کہ یہ حضرات فروعی مسائل میں بے انتہا شدت برتتے ہیں یہ لوگ اپنی کتابوں اور رسالوں، تقریروں اور تحریروں میں فروعی مسائل پر بحث کرتے ہوئے قابو سے باہر ہو جاتے اور نہایت درشت اور کرخت لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں۔ مقلدین حضرات کو کوستے، ان پر برستے اور تیز وتند انداز میں ان پر تنقید کرتے ہیں۔ ان کے مقررین فروعی مسائل (فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر اور تراویح وغیرہ) کو ہر جگہ جا کر ہوا دیتے، ان کو اچھالتے اور ان کو کفر وایمان کا مدار ومناط قرار دیتے ہیں۔ ہمارے اکابر واسلاف شروع سے ہی ان کو سمجھاتے آئے ہیں کہ ان فروعی مسائل کو کفر وایمان کا مدار نہ بنائیں۔ ان میں اتنی شدت نہ برتیں اور ان کی وجہ سے تکفیر وتفسیق اور تضلیل کے فتوے صادر نہ کریں۔ فضاء کو مسموم اور زہر آلود نہ کریں۔ لوگوں کو امن وامان سے رہنے دیں ان کو آپس میں نہ لڑائیں اور جنگ وجدل پر آمادہ نہ کریں۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ ان لوگوں کے اذہان وعقول میں یہ معمولی سی بات آج تک نہیں آئی۔ رواداری برتنا تو ان کی جبلت اور سرشت کے منافی ہے۔ ان کی طبعیتوں میں بے انتہا شدت، کرختگی خشکی اور سختی پائی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ غیر مقلدین بھی اس کا اقرار واعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔

چنانچہ مولانا داؤد غزنویؒ کی سوانح حیات میں تحریر ہے۔

"اہلحدیث حضرات عموماً متشدد ہوتے ہیں۔ تھوڑی سے تھوڑی چیز پر سخت سے سخت نکتہ چینی کے خوگر" (مولانا داؤد غزنوی مرتبہ ابوبکر غزنوی ص ۱۸)

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر ہے۔

"ان کی تقریروں میں غلظت اور خشونت کا غلبہ ہوتا ہے"۔ (ص ۸۶)

مسئلہ ''رفع یدین'' بھی ان فروعی مسائل میں سے ہے جن پر بحث کرتے ہوئے ان کے قلم کار اور مقررین احناف کو بے نقط سناتے ہیں اور رفع یدین کو وجوب و فرضیت کا درجہ دیتے ہیں۔

چنانچہ بہاولپور کے ایک پروفیسر صاحب نے ''رفع یدین'' کے موضوع پر ایک رسالہ لکھ کر قادر بخش کے نام پر چھپوایا ہے۔ اس میں تہذیب و شرافت کی جو مٹی پلید کی ہے اور جو بازاری، سوقیانہ اور دل آزار زبان استعمال کی ہے، اسے پڑھ کر موصوف کے بارہ میں اچھے تاثرات قائم نہیں ہوتے۔ احقر پروفیسر صاحب کے ''بطور نمونہ مشتے از خروارے'' چند جملے نقل کرتا ہے، جس سے ناظرین اس جماعت کی تنگ نظری تنگ ظرفی اور تشدد کا کچھ اندازہ کر سکیں گے۔

پروفیسر صاحب اس رسالہ کے ص ۱۷ پر لکھتے ہیں۔

''میں کہتا ہوں مقلد کوئی بھی ہو جاہل ہوتا ہے۔ اگر جاہل نہ ہو تو تقلید کیوں کرے۔ تقلید ہے بھی جاہلوں کے لیے اور کرتا بھی جاہل ہی ہے جو علم و عقل والا ہو وہ تقلید کیوں کرے''

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

''لیکن آپ نے اندھے اماموں کی اندھی تقلید کی'' (مسئلہ رفع یدین ص ۴۰)

اسی رسالہ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

''رہنمائی بیچارہ مقلد کیا کرے گا وہ تو خود اندھا ہے اور اندھا بھی دل کا۔''

(مسئلہ رفع یدین ص ۴۲)

ایک جگہ تحریر کرتے ہیں۔

''مقلد بصیرت کا اندھا تو ہوتا ہی ہے۔ اب معلوم ہوا کہ اس کا ذوق بھی گندا ہوتا ہے'' (ص ۵۲)

ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''مقلد چونکہ بدنیت بھی ہوتا ہے اور مطلبی بھی اس لئے حدیث کے معاملہ میں بدنصیب ہی رہتا ہے'' (ص ۵۷)

غرضیکہ یہ اور اس قسم کے دلخراش اور متعفن جملے اور کلمے جگہ جگہ اس رسالہ میں آپ کو ملیں گے، جو پروفیسر صاحب کی فکر و نظر کی آلائشوں، قلب و ذہن کی مجنونانہ کیفیات اور اندرونی اضطراب و خلفشار کی بخوبی غمازی کرتے ہیں۔

بہرحال غیر مقلدین کے اس قسم کے رسائل پڑھ کر اور ان کے مقررین کی اشتعال انگیز تقاریر سن کر یہ خیال پیدا ہوا مسئلہ رفع یدین پر احادیث کی روشنی میں ایک عام فہم رسالہ شائع کیا جائے جس کو عوام بآسانی سمجھ سکیں۔ الحمدللہ ادارہ خدام احناف لاہور کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ وہ اس موضوع پر ایک فیصلہ کن رسالہ شائع کر رہی ہے۔ متلاشیان حق کے لیے یہ رسالہ ''مینارۂ نور'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر مسلمان کے پاس اس کا ہونا ضروری ہے۔

محمد امین صفدر

ترک رفع یدین
احادیث کی روشنی میں

رفع یدین پر ناراضگی اور ترک کا حکم

عن جابر بن سمرۃؓ قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوۃ.

(صحیح مسلم ج ۱ص ۱۸۱، ابوداؤد ج ۱ص ۱۵۰، نسائی ص ۱۷۲، طحاوی ج ۱، ص ۱۵۸، مسند احمد ج ۵، ص ۹۳ وسندہ صحیح جید)

''حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس (نماز پڑھنے کی حالت میں) تشریف لائے۔ (اور ہم نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے تو بڑی ناراضگی سے) فرمایا کہ میں تم کو نماز میں شریر گھوڑوں کی دم کی طرح رفع یدین کرتے کیوں دیکھتا ہوں نماز میں ساکن اور مطمئن رہو''۔

نماز تکبیر تحریمہ سے شروع ہوتی ہے اور سلام پر ختم ہوتی ہے اس کے اندر کسی جگہ رفع یدین کرنا خواہ وہ دوسری، تیسری چوتھی رکعت کے شروع میں ہو یا رکوع جاتے اور سر اٹھاتے یا سجدوں میں جاتے اور سر اٹھاتے وقت ہو۔ اس رفع یدین پر حضور ﷺ نے ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا۔ اس کو جانوروں کے فعل سے تشبیہ بھی دی۔ اس رفع یدین کو خلاف سکون بھی فرمایا اور پھر حکم دیا کہ نماز سکون سے یعنی بغیر رفع یدین کے پڑھا کرو۔

قرآن پاک میں بھی نماز میں سکون کی تاکید ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ خدا کے سامنے نہایت سکون سے کھڑے ہو۔

دیکھئے خدا اور رسول نے نماز میں سکون کا حکم فرمایا اور آنحضرت ﷺ نے

نماز کے اندر رفع یدین کو سکون کے خلاف فرمایا۔

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

۲ ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾

قال ابن عباسٍ اَلَّذِیْنَ لا یَرْفَعُوْنَ اَیْدِیَهُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ

(تفسیر ابن عباس ص ۲۲۳)

''کامیاب ہوگئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں''

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یعنی جو نمازوں کے اندر رفع یدین نہیں کرتے۔ یہ تفسیری فتویٰ ہے اور تفسیر میں امام کلبی امام ہے، خود امام صاحبؒ نے اس سے تفسیر میں روایت لی ہے۔ (مسند امام اعظم ص ۲۲۷)

۳۔ حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا وکیع ثنا سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود عن علقمۃ قال قال ابن مسعود الا اصلی لکم صلوۃ رسول اللہ ﷺ قال فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۸ و ۴۴۲)

حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی طرح نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں۔ چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ رفع یدین کیا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے۔

۴۔ ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ﴾

میرے ذکر کے لیے نماز قائم کر۔ زیر بحث مسئلہ رفع یدین اور جلسہ استراحت کے لیے شریعت مقدسہ میں کوئی ذکر مقرر نہیں ہے اس لیے یہ نماز سے غیر متعلق افعال ہوئے۔

۵۔ عن ابن عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لا تُرْفَعُ الاَ یْدِیْ اِلاَّفِیْ سَبْعِ مَوَاطِنَ حِیْنَ یَفْتَتِحُ الصَّلٰوۃَ وَحِیْنَ یَدْخُلُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامِ فَیَنْظُرُ اِلَی الْبَیْتِ وَحِیْنَ یَقُوْمُ عَلَی الصَّفَاوَحِیْنَ یَقُوْمُ عَلَی الْمَرْوَۃِ وَحِیْنَ یقف مَعَ النَّاسِ عَشیۃ عَرَفَۃ وبجمع والمقامین حین یرمی الجمرۃ .

حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا رفع یدین نہ کرو، مگر سات جگہ (۱) جب نماز شروع کی جائے، (۲) جب مسجد حرام میں داخل ہوتے ہوئے بیت اللہ پر نظر پڑے (۳) جب صفا (۴) مروہ پر کھڑا ہو (۵) عرفات میں بعد از زوال جب لوگوں کے ساتھ وقوف کرے (۶) مزدلفہ میں وقوف کے وقت (۷) جمرتین کی رمی کرتے وقت۔ (معجم کبیر طبرانی، ج ۱۱ ص ۳۸۵)

۶۔ حدثنا ابو کریب محمد بن العلاء ثنا محمد بن عبد الرحمن بن محمد المحاربی ثنا ابن ابی لیلی عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس وعن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ترفع الایدی فی سبعۃ مواطن افتتاح الصلوٰۃ واستقبال البیت والصفا والمروۃ والموقفین وعند الحجر

(کشف الاستار ج ۱ ص ۲۵۱، شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۵۴)

حضرت عبداللہ بن عباس و حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا رفع یدین سات مقامات پر کیا جائے۔ (۱) نماز کے شروع میں (۲) بیت اللہ کی زیارت کے

وقت، (۳) صفا (۴) مروہ پر (۵) عرفات (۶) مزدلفہ میں وقوف کے وقت اور (۷) رمی جمار کے وقت۔

۷۔ حدثنا احمد بن شعیب ابو عبد الرحمن النسائی انا عمرو بن یزید ابو برید الجرمی ثنا سیف بن عبید اللہ ثنا ورقاء عن عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال السجود علی سبعة اعضاء الیدین والقدمین والرکبتین والجبهة ورفع الایدی اذا رأیت البیت وعلی الصفا والمروة وبعرفة وعند رمی الجمار واذااقیمت الصلوة. (معجم طبرانی کبیر ج۱۱، ص۴۵۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا سجدہ سات اعضاء پر کیا کرو، دونو ہاتھوں، دونوں پاؤں، دونوں گھٹنوں، اور پیشانی پر اور رفع یدین اس وقت کیا کرو جب تو بیت اللہ کو دیکھے، اور صفا و مروہ پر، وقوفِ عرفہ کے وقت، رمی جمار کے وقت اور جب نماز کیلئے اقامت کہہ دی جائے۔

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ خود بھی اس کے موافق فتویٰ دیا کرتے تھے۔
(زیلعی ج۱ص۳۹۱)

۹۔ حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابن فضیل عن ابن ابی لیلیٰ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباسؓ قال لاتَرْفَعِ الایْدِیْ اِلا فِیْ سَبْعِ مَوَاضِعِ، اِذَا قمت الی الصلوة ویذاجئت من بلد واذا رأیت البیت واذا قمت علی الصفا والمروة، وبعرفات، ویجمع وعند الجمار .
(مصنف ابن ابی شیبہ ج۴، ص۵۴۰)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کی پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرنے کا حکم فرمایا اور پہلی تکبیر کے بعد دوران نماز رفع یدین کرنے سے منع فرمایا۔ یہی ہمارا مسلک ہے۔

۱۰۔ عن عبداللہ بن عمر قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ اِذَا اِفْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ وَاِذَا اَرَادَاَنْ یَّرْکَعَ وَبَعْدَ مَایَرْفَعُ رَاْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ فَلا یَرْفَعُ وَلا بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ۔

(مسند حمیدی ج ۲ ص ۲۲۷ صحیح ابوعوانہ ج ۲ ص ۹۰)

حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہ کرتے اور نہ سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے۔

۱۱۔ وعنہ ان النبی ﷺ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِذَا اِفْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ ثُمَّ لا یَعُوْدُ۔ (بیہقی فی الخلافیات زیلعی ج ۱ ص ۴۰۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہی روایت ہے کہ بے شک نبی پاک ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو رفع یدین کرتے پھر ساری نماز میں کسی جگہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۱۲۔ عن مُجَاھِدٍ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ اِبْنِ عُمَرؓ فَلَمْ یَکُنْ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِلافِیْ التَّکْبِیْرَۃِ الاُوْلٰی مِنَ الصَّلٰوۃِ۔

(ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۷ طحاوی)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی پس آپ نماز میں صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین

کرتے تھے اس کے بعد نماز میں کسی جگہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۱۳۔ عن عبدالعزیز بن حکیم قَالَ رَاَیْتُ اِبْنَ عُمَرؓ یَرْفَعُ یَدَیْهِ حَذْوَ اُذُنَیْهِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَۃِ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ وَلَمْ یَرْفَعْهُمَا فِیْمَا سِوٰی ذٰلِکَ۔ (موطا امام محمد ص۹)

امام محمدؒ مجتہد ہیں۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے پس حدیث صحیح ہے۔

عبدالعزیز بن حکیم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں کو کانوں کے مقابل تک نماز کی پہلی تکبیر کے وقت اٹھاتے اور اس کے سوا کسی موقعہ میں نہ اٹھاتے تھے۔

فائدہ:

(۱) پہلی دونوں سنہری اور کھری صحیح احادیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ پہلی تکبیر کے بعد نہ دوسری، تیسری، چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے اور نہ رکوع کو جاتے رکوع سے سر اٹھاتے اور سجدوں میں جاتے اور سجدوں سے سر اٹھاتے وقت۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ان مقامات پر رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(۳) ان دونوں حدیثوں کی سند کے مرکزی راوی سب مدنی ہیں۔ اور امام مالکؒ جو مدینہ منورہ کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بھر میں کسی کو نہیں پہچانا جو پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین کرتا ہو آپ کی پیدائش ۹۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۷۶ھ میں ہوئی یہ خیر القرون کا دور ہے اور امام مالکؒ مدینہ منورہ کے امام ہیں جہاں ہر ملک اور ہر جگہ کے لوگ روضہ اقدس کی زیارت کے لیے آتے ہیں لیکن امام مالکؒ کسی ایک شخص کو بھی نہیں پہچانتے جو رفع یدین والی نماز پڑھتا ہو۔ بلکہ برملا اس رفع یدین کو ضعیف فرماتے ہیں۔ (المدونۃ الکبریٰ ج۱ ص۷۱)

(۴) معلوم ہوا کہ خیر القرون میں رفع یدین کر کے نماز پڑھنے والا شخص عجائب گھر میں رکھنے کے لیے بھی نہ ملتا تھا۔ اور رفع یدین کی تمام روایات اس پاک دور میں متروک العمل تھیں۔

۱۴۔ عن علقمۃ قال قال عبدُاللہِ بنُ مسعودٍ الا اُصلّی بکم صلوٰۃ رسولِ اللہِ ﷺ فصلّی فلم یرفع یدیہ الا فی اوّلِ مرّۃ. (ترمذی ج ۱ ص ۳۵) یہ حدیث صحیح ہے محلی ابن حزم ج ۲ ص ۳۵۸، اس کے سب راوی صحیح مسلم شریف کے راوی ہیں۔
(الجوہر النقی ج ۱ ص ۱۲۷)

حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں تم کو حضور ﷺ جیسی نماز نہ پڑھاؤں؟ اس کے بعد انہوں نے نماز پڑھائی اور پہلی مرتبہ کے بعد کسی جگہ رفع یدین نہ کی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بہت سے اہل علم صحابہ کرام اور تابعین کا یہی مذہب ہے اور حضرت سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی مسلک ہے۔
(ترمذی ج ۱ ص ۳۵)

۱۵۔ عن عبدِاللہِ قالَ الا اخبرُکم بصلوٰۃِ رسولِ اللہِ ﷺ قالَ فقامَ فرفعَ یدیہِ اوّلَ مرّۃٍ ثمّ لم یعُد وفی نسخۃ ثمّ لم یرفع. (نسائی شریف ج ۱، ص ۱۵۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کیا میں تم کو رسول اللہ ﷺ کے نماز پڑھنے کا طریقہ نہ بتاؤں؟ پس آپ کھڑے ہوئے تو صرف پہلی دفعہ شروع نماز میں رفع یدین کی اس کے بعد پوری نماز میں کسی جگہ رفع یدین نہ کی۔

۱۶۔ عن عبداللہ بن مسعودؓ ان رسول اللہ ﷺ کَانَ لا یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِلا عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ ثُمَّ لا یَعُوْدُ

(مسند امام اعظم ج ۱، ص ۳۵۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھاتے پھر کہیں ہاتھ نہ اٹھاتے تے۔

یہ وہ حدیث شریف ہے جو سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ نے مناظرہ میں امام اوزاعیؒ کے سامنے بیان فرمائی اور ثابت فرمایا کہ اس کی سند کا ہر راوی اپنے دور کا سب سے بڑا فقیہ ہے اور امام اوزاعی کو لاجواب ہو کر خاموش ہونا پڑا۔

۱۷۔ عن عبداللہ بن مسعودؓ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ النَّبِیِّ ﷺ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ فَلَمْ یَرْفَعُوْا اَیْدِیَھُمْ اِلا عِنْدَ التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلٰی فِیْ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ قال اسحاق بہ تاخذ فی الصلوات کلھا.

(دار قطنی ج ۱ ص ۲۹۵، ابو یعلی ج ۸ ص ۴۵۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں تو یہ حضرات شروع نماز کے بعد کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھاتے۔

۱۸۔ عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ رَاَیْتُ عُمَرَ بن الْخَطَّابِ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَۃٍ ثُمَّ لا یَعُوْدُ (طحاوی ج ۱ ص ۱۳۳) قال ابن حجر رجالہ ثقات (الدرایہ ص ۸۵) ابن حجر کہتے ہیں اس کے راوی معتبر ہیں۔

حضرت اسود سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب خلیفہ راشد کو دیکھا وہ اپنے ہاتھوں کو صرف پہلی تکبیر کے وقت

اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

۱۹۔ عن الاسود قال صلیت مع عمر فلم یرفع یدیہ فی شیء من صلوتہ الا حین افتتح الصلوۃ ورایت الشعبی وابراھیم وابا اسحاق لا یرفعون ایدیھم الا حین یفتتحون الصلوۃ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۲۰)

حضرت اسود روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز ادا کی آپ پہلی تکبیر کے بعد کبھی رفع یدین نہ کرتے (رئیس المحدثین) امام شعبی (رئیس الفقہا) ابراہیم نخعی اور امام ابواسحاق بھی پہلی تکبیر کے بعد کہیں رفع یدین نہ کرتے۔

۲۰۔ عن علیؓ ان النبی ﷺ کان یرفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولی التی یفتتح بہ الصلوۃ ثم لا یرفعھما فی شیء من الصلوۃ.

(العلل دار قطنی ج ۴، ص ۲۶)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نماز کی پہلی تکبیر کے بعد ساری نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ (نوٹ) عبدالرحیم ثقہ راوی ہے۔

۲۱۔ عن عاصم بن کلیب عن ابیہ ان علیا کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ من الصلوۃ ثم لا یرفع بعد.

(طحاوی ج ۱ ص ۱۳۲ ازصحیح زیلعی ج ۱ ص ۲۱۱ رجالہ ثقات الدرایہ ص ۸۵)

عاصم بن کلیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نماز کی پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے اس کے بعد ساری نماز میں کبھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۲۔ وعنہ ان علیا کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوۃ ثم لا یعود.

(ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۲۱)

انہیں سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نماز کی پہلی تکبیر کے بعد کہیں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۳۔ اَنَّ علی بن اَبِیْ طَالِبٍ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فِیْ التَّکْبِیْرَةِ الاُوْلٰی اَلَّتِیْ یَفْتَتِحُ بِهَا الصَّلٰوۃَ ثُمَّ لا یَرْفَعُهُمَا فِیْ شَیْئٍ مِنَ الصَّلٰوۃِ. (موطا امام محمد ص ۵۵)

حضرت علیؓ نماز کی ابتدائی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر ساری نماز میں کبھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۴۔ عن اَبِیْ اِسْحَاقَ قَالَ کَانَ اَصْحَابُ عَبْدِاللّٰهِ وَاَصْحَابُ عَلِی لا یَرْفَعُوْنَ اَیْدِیَهُمْ اِلاَّفِیْ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ ثُمَّ لا یَعُوْدُوْنَ.

(ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۲۱) اسنادہ صحیح جلیل (الجوہر النقی ج ۱ ص ۱۳۹)

محدث ابو اسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے (سینکڑوں ساتھی اور حضرت علیؓ کے (ہزاروں) ساتھی وہ سب پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

۲۵۔ عَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ عَیَّاشٍ قَالَ مَارَاَیْتُ فَقِیْهًا قَطُّ یَفْعَلُهٗ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فِیْ غَیْرِ التَّکْبِیْرَةِ الاُوْلٰی

(طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۳۴)

محدث ابوبکر بن عیاش (پیدائش ۱۰۰ھ وفات ۱۹۳) فرماتے ہیں کہ میں نے (خیر القرون میں) کسی بھی دین میں سمجھ رکھنے والے کو کہیں بھی پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ رسول پاک ﷺ، خلفائے راشدین، اکابر صحابہ، تابعین رفع یدین نہ کرتے تھے۔

نیز ان روایات سے معلوم ہوا کہ خیر القرون میں کسی مسجد میں نماز میں رفع یدین کرنے والا کوئی آدمی نظر نہ آتا تھا۔

خلفائے راشدین، اکابر صحابہ وتابعین وتبع تابعین رفع یدین کی روایت کو بالکل متروک العمل سمجھتے تھے۔

۲۶۔ عن بَرَاءِ بْنِ عَازِبٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ ثُمَّ لَا یَرْفَعُھُمَا حَتّٰی یَنْصَرِفَ.

(المدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۶۹، ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۲۱)

حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۷۔ عن براء بن عازبؓ قال کان النبی ﷺ اِذَا کَبَّرَ لافْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یَکُوْنَ اِبْھَامَاہُ قَرِیْبًا مِنْ شَحْمَتَیْ اُذُنَیْہِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ.

(طحاوی ج ۱ ص ۱۳۲، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۹، دار قطنی ج ۱ ص ۱۱۰، عبد الرزاق)

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ جب نماز شروع کرنے کے لیے پہلی تکبیر کہتے تو اپنے کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھاتے پھر ساری نماز میں دوبارہ ہاتھ نہ اٹھاتے۔

۲۸۔ عن ابی حنیفۃ یقول الشعبی یقول سمعت البراء بن عازب یقول کان رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ حتیٰ بما ذی منکبیہ لایعود رفعھا حتیٰ یسلم من صلوتہ. (مسند امام اعظم ص ۱۵۶ از محدث نعیم)

۲۹۔ حضرت عمرو بن مرہؓ نے مسجد کوفہ میں حضرت وائلؓ بن حجر کی رفع یدین والی

روایت بیان کی تو حضرت امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

مَاأَدْرِیْ لَعَلَّهُ لَمْ يَرَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّيْ اِلَّا ذٰلِكَ الْيَوْمَ فَحَفِظَ هٰذَا مِنْهُ وَلَمْ يَحْفَظْه ابن مسعودٍ وَاَصْحَابُهُ مَا سَمِعْتُهُ مِنْ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اِنَّمَا كَانُوْا يَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُمْ فِيْ بَدْءِ الصَّلٰوةِ حِيْنَ يُكَبِّرُوْنَ (موطا امام محمد ص ۹۴)

میں نہیں جانتا کہ شاید حضرت وائل بن حجرؓ نے صرف ایک اسی دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا اور اس رفع یدین کو یاد رکھا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے صحابہ (جو ہمیشہ نبی پاکؐ کے ساتھ رہنے والے تھے) ان میں سے کسی ایک نے بھی اس مسئلہ کو یاد نہ رکھا۔ میں نے ان میں سے کسی ایک شخص سے بھی رفع یدین کا مسئلہ سنا تک نہیں وہ تو صرف پہلی ہی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خیر القرون میں نہ کوئی رفع یدین کرتا تھا۔ بلکہ عمل کرنا تو کجا صحابہ تابعین نے کبھی یہ مسئلہ سنا نہ تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ۔

۳۰۔ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِاِبْرَاهِيْمَ فَغَضِبَ قَالَ رَاٰهُ هُوَ وَلَمْ يَرَهُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَّ لَا اَصْحَابُهُ (طحاوی ج ۱ ص ۳۱۲)

یعنی جب میں نے رفع یدین کی روایت بیان کی تو علامہ ابراہیم نخعیؒ سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ (عجیب بات ہے کہ حضرت وائلؓ جو صرف ایک آدھ دن کے لیے حضورؐ کے پاس آئے) انہوں نے تو رفع یدین دیکھی اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور دوسرے صحابہ کرام (جو ساری عمر حضورؐ کے ساتھ

رہے) انہوں نے آپ کو رفع یدین کرتے نہ دیکھا۔

۳۱۔ حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب حضرت وائلؓ بن حجر کے رفع یدین والی روایت حضرت ابراہیم نخعیؒ کے سامنے بیان فرمائی تو آپ نے فرمایا۔

فان وَائِلٌ رَآهُ مَرَّةً يَفْعَلُ ذٰلِکَ فَقَدْ رَاٰهُ عَبْدُاللّٰهِ خَمْسِيْنَ مَرَّةً لا يَفْعَلُ ذٰلِکَ. (طحاوی ج ۱ ص ۳۱۶)

حضرت وائلؓ نے ایک دفعہ یہ کرتے دیکھا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پچاسوں مرتبہ دیکھا کہ حضور ﷺ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

۳۲۔ حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّهٗ قَالَ فِيْ وَائِلِ بنِ حُجْرٍ اَعْرَابِیٌّ لَمْ يُصَلِّ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ صَلٰوةً قَبْلَهَا قَطُّ اَهُوَ اَعْلَمُ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ وَاَصْحَابِهٖ حَفِظَ وَلَمْ يَحْفَظُوْا يعنى رَفْعَ الْيَدَيْنِ.

(مسند امام اعظم ص ۱۱۹)

امام حماد فرماتے ہیں کہ امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت وائل بن حجرؓ ایک دیہاتی بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک آدھ دفعہ کے علاوہ کبھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی کیا وہ (حاضر باش) صحابہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ (خلفائے راشدین) سے زیادہ بڑے عالم تھے کہ انہوں نے تو رفع یدین کو یاد رکھا اور ان اکابر نے یاد نہ رکھا۔

حضرت الامام ابراہیم نخعیؒ تابعین میں مرجع الخلائق تھے۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کو بھی نمازیں پڑھتے دیکھا تابعین اور تبع تابعین کو بھی دیکھا آپ خیر القرون کے متعلق چشم دید شہادت دے رہے ہیں کہ نہ کسی کو رفع یدین والی نماز پڑھتے دیکھا نہ سنا آپ رفع یدین کا یہ مسئلہ سن کر نہایت غضبناک ہوتے اور اسے تواتر عملی کے بالکل

خلاف قرار دیتے گویا رفع یدین کی مثال بالکل ایسی تھی جیسے قرآن پاک کی متواتر قرأت کے خلاف کوئی شاذ قراءت سننے میں آئے تو قابل عمل نہ ہوگی۔

۳۳۔ عن ابن مسعودٍ اَنَّهٗ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ

(موطا امام محمد ص ۵۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صرف نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔

۳۴۔ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ النَّخْعِیِّ قَالَ لَا تَرْفَعُ یَدَیْکَ فِیْ شَیْءٍ مِنَ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلٰی. (موطا امام محمد ص ۵۴)

حماد سے روایت ہے کہ حضرت امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے تھے نماز کی پہلی تکبیر کے بعد کسی جگہ بھی رفع یدین نہ کر۔

۳۵۔ عن عَبَّادِ بن الزُّبَیْرؓ اَنَّ رسولَ اللّٰہ ﷺ کَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْهِ اَوَّلَ الصَّلٰوۃِ ثُمَّ لَمْ یَرْفَعْهُمَا فِیْ شَیْءٍ حَتّٰی یَفْرُغَ رواہ بیهقی. (زیلعی ج ۱ ص ۴۰۴)

حضرت عباد بن زبیرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۳۶۔ عن ابی جَعْفَرٍ الْقَارِیِّ وَنُعَیْمِ الْمُجَمِّرِ عن ابی هُرَیْرَۃؓ اَنَّهٗ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ وَیُکَبِّرُ فِیْ کُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ وَیَقُوْلُ اِنِّیْ اَشْبَهُکُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اخرجه ابن عبد البر فی التمهید.

(بحوالہ نیل الفرقدین ص ۱۲۳)

ابوجعفر قاری اور نعیم المجمر روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ

پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے اور ہر رفع و خفض میں صرف اللہ اکبر کہتے تھے اور فرماتے تھے میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھتا ہوں۔

۳۷۔ عن عَلِی بن الحسینؒ قال کان النبی ﷺ یُکَبِّرُ فِی الصَّلٰوۃِ کُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَلَمْ تَزَلْ تِلْکَ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی لَقِیَ اللہَ تعالیٰ۔ (موطا امام مالک ص ۷۳)

امام زین العابدین سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نماز میں رکوع جاتے اٹھتے سجدہ میں جاتے اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کہتے تھے (رفع یدین نہ کرتے تھے) اور آپ ایسی ہی نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ خدا تعالیٰ سے جا ملے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کی آخری عمر کی نمازیں بغیر رفع یدین کے ہوتی تھیں وھو المطلوب۔

ایک جھوٹی حدیث غیر مقلدین بھی بیہقی کے حوالہ سے رفع یدین کے بارے میں پیش کرتے ہیں کہ فما زالت تلک صلوتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ کہ آپ آخر عمر تک رفع یدین والی نماز پڑھتے رہے۔ لیکن یہ بالکل جھوٹی روایت ہے اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن قریش ہے علامہ سلیمانی فرماتے ہیں کہ وہ جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ (میزان الاعتدال)

اس سند کا دوسرا راوی عصمہ بن محمد الانصاری ہے اس کے متعلق امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں۔ کذاب یضع الحدیث بڑا جھوٹا تھا اور جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ علامہ عقیلی فرماتے ہیں کہ وہ باطل حدیثیں روایت کرتا تھا۔ (میزان الاعتدال)

ایسی جھوٹی حدیث کو بیان کرنا بھی بالکل حرام ہے۔

اگر کوئی غیر مقلد اس حدیث کو صحیح ثابت کر دے تو ہم اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ ہے کوئی مرد میدان جو ہمت کرے؟ دیدہ باید۔

آپ حیران ہوں گے کہ جس مسئلے پر آج ہر مسجد میں فتنہ وفساد کا جہنم گرم کیا جا رہا ہے۔ اس پر فریق مخالف کے پاس نہ کتاب اللہ سے کوئی دلیل ہے نہ سنت قائمہ سے اس لیے غیر مقلدین پہلے تو چیلنج بازی کرتے ہیں اور جب بحث ومناظرہ کا موقع آئے تو پھر گرگٹ کی طرح ایسے عجیب رنگ بدلتے ہیں۔ ناطقہ سر بگریبان ہے اسے کیا کہیے۔

کتمان حق

سب سے پہلے تو یہ یاد رکھیں کہ غیر مقلدین کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ وہ دلائل تو کیا بیان کریں گے اپنا اصل مسلک بھی لوگوں کے سامنے صحیح بیان نہیں کرتے۔ ان کا اصل مسلک جس پر یہ آج کل عمل پیرا ہیں یہ ہے۔

(الف) پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھانے سنت موکدہ ہیں۔ حضورؐ ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے۔ اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین خلاف سنت ہے۔ حضورؐ نے کبھی یہاں رفع یدین نہیں کی۔

(ب) رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین سنت موکدہ ہے۔ حضورؐ ہمیشہ یہ رفع یدین کرتے تھے اور سجدوں میں جاتے اور سجدوں سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا خلاف سنت ہے۔ حضور ﷺ نے کبھی یہ رفع یدین نہیں کی۔

یہ ہے غیر مقلدین کا اصل دعویٰ لیکن غیر مقلد مناظروں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ موت کو تو قبول کرتے ہیں مگر یہ دعویٰ کبھی لکھ کر نہیں دیتے۔

سنت سے بغاوت

شریعت اور قانون عدالت کا یہی اصول ہے کہ گواہ اور دلیل مدعی سے طلب کی جاتی ہے نہ کہ منکر سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے البینة علی المدعی الحدیث کہ دلیل مدعی کے ذمہ ہے۔ مگر غیر مقلد اس کے خلاف رفع یدین کے انکار کرنے والوں

سے دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہمارا چیلنج ہے کہ غیر مقلدین ایک حدیث ایسی پیش کریں جس میں حضورؐ نے فرمایا ہو کہ انکار کرنے والے سے دلیل کا مطالبہ کرو تو ہم غیر مقلدین کو ایک ہزار روپیہ نقد انعام دیں گے یا اس خلاف سنت طریق بحث سے توبہ کریں۔

عقل ونقل سے انحراف

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ پہلے تو یہ ہی غلط تھا کہ انکار کرنے والے سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے لیکن غیر مقلدین نے خلاف اصول دلیل خاص کا مطالبہ شروع کر دیا۔

شریعت وعدالت کے موافق مدعی سے صرف دلیل وگواہ کا مطالبہ ہوتا ہے اور مدعیٰ علیہ کو اس گواہ دلیل پر جرح کا حق ہوتا ہے۔ اگر جرح نہ ہوسکے تو دعویٰ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

لیکن گواہ خاص کا مطالبہ نہیں ہوسکتا کہ خاص صدر یا وزیر اعظم یا کمشنر یا ڈی سی صاحب آ کر گواہی دیں تو ہم مانیں گے ورنہ نہیں مانیں گے اگر یہ انداز اختیار کیا جائے تو کوئی عدالت اپنا کام نہیں کر سکتی نہ ہی دنیا میں کوئی مقدمہ کامیاب ہوسکتا ہے۔

اسی طرح مدعی کے ذمہ دلیل شرعی ہے خوہ وہ آیت محکمہ پیش کرے یا سنت قائمہ یا فریضہ عادلہ یعنی اجماع وقیاس۔

مدعی سے خاص دلیل کا مطالبہ کرنا کہ یہ خاص قرآن سے دکھا دیا خاص ابوبکرؓ عمر فاروقؓ کی حدیث دکھا دیا خاص فلاں فلاں کتاب سے دکھا دیہ محض دھوکا اور فریب ہے کتاب وسنت نے دلیل خاص کی ہرگز پابندی عائد نہیں کی۔ ان پڑھ لوگوں سے اس قسم کی شرائط پر دستخط لیے جاتے ہیں جو شرعاً باطل ہوتی ہیں یہ خالص مرزا قادیانی کی سنت ہے افسوس کہ غیر مقلدین نے بھی مرزا کی سنت پر دھونی رمالی ہے۔

انعامی چیلنج

مرزا قادیانی اس پر فریب طریق کا بانی ہے کہ کچھ خود ساختہ شرطیں لگا کر سوال بنایا اور موافق شرائط جواب دینے پر انعام کا وعدہ کر لیا۔ غیر مقلدین نے بھی

مرزا جی کی تقلید شخصی میں اس انداز کو اپنایا ہے اوران پڑھ لوگوں پر رعب جمانے کے لیے یہ فریب کاری کرتے ہیں۔

چونکہ غیر مقلد اس اصول پر بہت نازاں ہیں اس لیے ان کے غرور کو خاک میں ملانے کے لیے ہم بھی الزاماً یہ انداز اختیار کریں گے۔

ترتیب دلائل

حدیث معاذؓ میں مجتہد کے لیے دلائل کی ترتیب یہ آئی ہے۔(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجتہاد مجتہد۔

آپ یقین جانیں کہ غیر مقلدین کتاب اللہ سے ایک بھی آیت محکمہ پیش نہیں کر سکتے جو ان کے دعویٰ کے مطابق ہو۔

رفع یدین کے مسئلہ میں غیر مقلدین نے ترقی کر کے اس کے واجب ہونے کا دعویٰ کیا جیسا کہ "مسئلہ رفع یدین" (جو پروفیسر عبداللہ نے لکھ کر علامہ قادر بخش کے نام سے شائع کیا ہے) کے ص ۱۰۵ پر تحریر ہے کہ یعنی رفع یدین واجب ہے"

پس حدیث معاذؓ کے موافق پہلے قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی پیش کریں جس سے رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کا وجوب ثابت ہو اور سجدہ میں جاتے اٹھتے وقت اسی طرح دوسرے انتقالات میں رفع یدین ناجائز ہو۔

سنت قائمہ

آپ حیران ہوں گے یہ مسئلہ آنحضرت ﷺ کے پورے تیئس ۲۳ سالہ دور نبوت میں ایک منٹ کے لیے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر نہیں آیا۔ آپ نے مبارک زبان سے جب بھی ارشاد فرمایا تو یہی فرمایا کہ نماز کی پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرو اور نماز کے اندر کسی جگہ بھی رفع یدین نہ کرو لیکن آپ نے ایک دفعہ بھی یہ نہ فرمایا کہ پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرو اور دوسری اور چوتھی

رکعت کے شروع میں رفع یدین نہ کرو۔ رکوع کے شروع و آخر میں رفع یدین کرو اور سجدہ کے شروع اور آخر میں رفع یدین نہ کرو۔

اگر کوئی غیر مقلد ہمت اور جرات کر کے صرف ایک، صرف ایک اور صرف ایک ہی قولی حدیث پیش کر دے جس میں ان کا مدعیٰ بطور نص موجود ہو یعنی پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کا حکم ہو اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین سے منع کیا ہو اسی طرح رکوع کے شروع و آخر میں رفع یدین کا حکم ہو اور سجدہ کے شروع و آخر میں رفع یدین سے منع فرمایا ہو تو ہم مبلغ دس ہزار روپیہ انعام دیں گے اور رفع یدین کرنا شروع کر دیں گے ہے کوئی مرد میدان جو صرف ایک ہی حدیث قولی صحیح صریح سند سے پیش کر کے انعام حاصل کرے؟ دیدہ باید۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

کیا رفع یدین مستحب ہے؟

اگر کوئی غیر مقلد رفع یدین مذکورہ مقامات کی قولی حدیث سے سنت ثابت نہ کر سکے اور قیامت تک نہ کر سکے گا تو کم از کم آنحضرت ﷺ کے ارشادات عالیہ سے زیر بحث رفع یدین کا اتنا ہی ثواب ثابت کر دے جتنا اشراق کی نماز، تحیۃ الوضو اور مسواک کا ثواب ہے آپ یقین کریں کہ دنیا کا کوئی غیر مقلد آنحضرت ﷺ کے ارشاد عالی سے رفع یدین کی اتنی ترغیب بھی نہیں دکھا سکتا۔ اگر کسی میں ہمت ہے تو میدان میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے رفع یدین کا مسواک جتنا ہی ثواب ثابت کر دے۔

کفن باندھے ہوئے سر سے
میں صدقے دست قاتل کے میرے قاتل نکل گھر سے

قولی و فعلی سنت میں فرق

عقود دو قسم کے ہوتے ہیں قولی اور فعلی عقود قولیہ میں دوام ہوتا ہے۔ جیسے

اسلام اور نکاح کہ انسان زبان سے اسلام قبول کرتا ہے۔ اس کا اسلام دائمی ہوتا ہے جب تک کلمہ کفر نہ کہے۔ اسی طرح نکاح زبانی وعدہ ہے وہ نکاح دائمی ہوتا ہے جب تک طلاق نہ ہو اس طرح اگر رفع یدین قول رسول ﷺ سے ثابت ہوتی تو دوام ثابت ہو جاتا۔ چونکہ ان کے پاس قولی حدیث نہیں اس لیے دوام ثابت نہیں کر سکتے۔

صرف فعل سے دوام اور سنیت ثابت نہیں ہوتی

قول کے مقابلہ میں فعل ذاتی طور پر دوام پر دلالت نہیں کرتا۔ مثلاً

(۱) حدیث میں ہے۔ کان یطوف علی نساء بغسل واحد کہ آنحضرت ﷺ اپنی سب بیویوں کے پاس جاتے اور آخر میں صرف ایک دفعہ غسل فرماتے لیکن حسب تحقیق محدثین یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ ہوا جو نہ سنت ہے نہ مستحب۔

(۲) آنحضرت ﷺ کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔ حالت جنابت میں سونا روزے کی حالت میں ازواج سے بوس و کنار کرنا قبلہ کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت فرمانا۔ نماز میں کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھنا وضو کے بعد بیویوں کا بوسہ لینا۔ نماز پڑھتے ہوئے دروازہ کھول دینا، بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنا وغیرہ بہت سے افعال آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں مگر نہ ان کو کوئی سنت سمجھتا ہے نہ مستحب نہ ہی کوئی ان کے دوام کا قائل ہے۔ ساری عمر میں ایک دفعہ بھی اگر کوئی شخص یہ کام نہ کرے تو کوئی اس کو خلاف سنت کا طعنہ نہ دے گا نہ اس کو کوئی مناظرے کا چیلنج دے گا۔

ان افعال کا ایک آدھ دفعہ کرنا تو آنحضرت ﷺ سے یقیناً ثابت ہے لیکن ان کا سنت یا مستحب ہونا بھی یقیناً غلط ہے۔

بالکل یہی حال رفع یدین کا ہے بعض فعلی روایات سے اس کا ایک آدھ مرتبہ کرنا ثابت تو ہے لیکن نہ اس کا سنت ہونا ثابت ہے اور نہ مستحب ہونا۔ یہی بات حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمائی ہے کہ حضرت وائل نے صرف ایک دفعہ حضور کو رفع یدین کرتے دیکھا جس سے سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ سنت وہی ہے جو باقی حاضر

باقی صحابہ نے روایت کی اور اس پر عمل فرمایا یعنی رفع یدین نہ کرنا۔

فعلی احادیث

جو غیر مقلد پیش کرتے ہیں ان میں بھی کسی ایک حدیث میں بھی ان کا مکمل دعویٰ موجود نہیں ہے ہم نے بار ہا مناظرہ میں ان کو پرزور چیلنج دیا کہ ایک ہی صحیح صریح فعلی حدیث ایسی دکھا دیں جس میں یہ پوری تفصیل ہو آنحضرت ﷺ ہمیشہ ہر نماز میں پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں کبھی ایک دفعہ بھی رفع یدین نہیں کی اور رکوع سے پہلے اور رکوع سے اٹھ کر ہمیشہ ساری عمر رفع یدین کرتے تھے اور سجدہ میں جاتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت ساری عمر میں ایک دفعہ بھی رفع یدین نہیں کی لیکن آج تک غیر مقلد منہ چھپائے پھر رہے ہیں۔

اس لیے غیر مقلدوں کا حال یہی ہے کہ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا۔

اب ہم غیر مقلدین کے مسلک اور عمل کا نمبر وار جائزہ لیتے ہیں۔

غیر مقلدین کے دعوے کا پہلا حصہ

غیر مقلدین کے مسلک کا پہلا حصہ یہ ہے کہ نماز میں آنحضرت ﷺ ہمیشہ پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے۔ اس بارے میں وہ چار روایات بیان کرتے ہیں۔

۱۔ روایت ابن عمرؓ، بخاری ج ۱ ص ۱۰۲، ابوداؤد نے اس حدیث کے متعلق فرمایا لیس بمرفوع یعنی یہ رسول پاک ﷺ کی حدیث ہی نہیں ہے۔ نیز اسی سند میں سجدہ کے وقت رفع یدین کا ذکر بھی ہے۔ (جزء بخاری) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں ہمیشگی کا کوئی لفظ نہیں یہی وجہ ہے کہ ابن عمرؓ خود رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ غیر مقلد مدعی سست گواہ چست کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

۲۔ عن محمد بن عَمرو بن عطاء انه كَانَ جَالِساً مَعَ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِ النبيﷺ فَذَكرنا صلوٰة النبيﷺ فقال ابو حميد الساعدى انا كنت احفظكم لصلوٰة رسول اللهﷺ رَأَيْتَهُ اِذَا كبر جعل يديه حذو منكبيه واذا ركع امكن يديه من ركبتيه ثم هصر ظهره فاذا رفع رأسه استوىٰ حتىٰ يعود كل فقار مكانه واذا سجد وضع يديه غير مفترش ولا قابضهما واستقبل باطراف اصابع رجليه القبلة فاذا جلس في الركعتين جلس على رجله اليسرى ونصب اليمنىٰ فاذا جلس في الركعة الآخرة قدم رجله اليسرى ونصب الاخرىٰ وقعد على مقعدته الحديث. (بخاری ج۱، ص ۱۱۴)

حضرت محمد بن عمرو بن عطاء سے مروی ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت سے صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابوحمید ساعدیؓ کہنے لگے میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو تم سب سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوں، میں نے آپ کو دیکھا کہ جب آپ تکبیر (تحریمہ) کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں کے برابر لے جاتے، اور جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر جما دیتے پھر اپنی کمر (مبارک) جھکا کر سر اور گردن کے برابر کر دیتے پھر رکوع سے سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاتے حتیٰ کہ آپ کی کمر کی ہر پسلی اپنی جگہ پر آ جاتی، اور جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھ زمین پر اس طرح رکھتے کہ نہ بازوں کو بچھاتے نہ سمیٹ کر پہلو سے لگا دیتے اور پاؤں کی انگلیوں کی نوکیں قبلے کی طرف رکھتے پھر

جب دو رکعتوں پر بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے اور دایاں
پاؤں کھڑا رکھتے پھر جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں
آگے کرتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے سرین کے بل بیٹھتے۔

نوٹ: یہ طریقہ نماز غیر مقلدوں کے سامنے بیان کریں تو وہ فوراً کہیں گے کہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے لیکن صحابہ کرام میں سے کسی نے یہ نہ فرمایا کہ اسمیں رکوع میں رفع یدین مذکور نہیں جو سنت ہے اور قاعدہ ہے **السکوت فی معرض البیان بیانٌ**.

۳۔ ابو ہریرہؓ ان کی صحیح حدیث بخاری ۱۱۰ پر ہے جس میں رفع یدین کا ذکر تک نہیں لیکن ابوداؤد کی سند میں رفع یدین کا ذکر ہے۔ لیکن راوی ابن جریج ہے جس نے ۹۰ عورتوں سے متعہ کیا۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۵۱)

دوسرا راوی یحییٰ بن ایوب ہے جو ضعیف ہے۔ نیز اس میں سجدہ کی رفع یدین کا بھی ذکر ہے۔

۴۔ حضرت علیؓ: ان کی صحیح روایت میں رفع یدین کا ذکر نہیں ہے خود حضرت علیؓ اور آپ کے ہزاروں ساتھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ البتہ ایک ضعیف روایت جس کا راوی ابن ابی الزناد ہے اس میں رفع یدین کا ذکر ہے۔

خلاصہ: ان چاروں میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

ان چاروں ضعیف روایتوں میں بھی ہمیشہ رفع یدین کرنے کا ذکر نہیں ان چاروں صحابہ میں سے ایک بھی ہمیشہ رفع یدین نہ کرتا تھا۔ ان میں سے دو روایتوں میں سجدہ کی رفع یدین کا بھی ذکر ہے جس پر غیر مقلدین عمل نہیں کرتے۔

دوسرا حصہ

دعویٰ کا یہ ہے کہ دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں آپ نے کبھی رفع یدین نہیں کی۔ اس بارے میں غیر مقلدین کے پاس ایک بھی صریح حدیث نہیں ہے۔ میں نے کئی بار مناظرہ میں مطالبہ کیا انعامی چیلنج بھی دیا لیکن آج تک کوئی مائی کا لعل

غیر مقلد ایسی صریح حدیث پیش نہیں کر سکا۔

فائدہ: حضرت عبید اللہ بن عمیر (ابن ماجہ ص ۶۲) عبد اللہ بن عباسؓ (ابن ماجہ ص ۶۲) عبد اللہ عمرؓ فتح الباری ج ۲ ص ۱۵۲، حضرت ابو ہریرہؓ (تلخیص الحبیر)، عبد اللہ بن زبیر ابو داؤد ج ۱ ص ۵۷، حضرت جابرؓ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۲ ان چھ روایات کی سندوں کا حال بھی رکوع والی روایات جیسا ہی ہے۔

ان چھ احادیث میں ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے اور ماضی استمراری بھی ہے ان روایات سے صاف معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کبھار دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کی۔ لیکن غیر مقلدین ان احادیث پر عمل نہیں کرتے آخر وجہ فرق بتائیں۔ ماضی استمراری بھی ہے۔ متاخر اسلام صحابی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بھی ہے۔

ہاں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ روایت متروک العمل ہے نہ ان کے راویوں نے ان پر عمل کیا نہ خلفائے راشدین نے نہ خیر القرون میں ان پر عمل ہوا۔ البتہ غیر مقلدین کے اصول پر ان چھ احادیث سے دوسری اور چوتھی رکعت کے ابتداء میں رفع یدین سنت ثابت ہوتی ہے۔ اور ایک بھی حدیث سے صراحتاً ان دو جگہوں میں نہی یا نفی ثابت نہیں۔ تو غیر مقلد ان احادیث کے منکر اور اس سنت کے تارک ہوئے۔ جواب سوچ کر دیں محض عورتوں کی طرح طعنے بازی نہ ہو۔

دعوے کا تیسرا حصہ

یہ ہے کہ رکوع جاتے اور سر اٹھاتے وقت حضور ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے اور سجدوں کے وقت کبھی رفع یدین نہ کی۔ اس حصہ میں غیر مقلد مالک بن الحویرث، وائل بن حجر کی روایات پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دونوں صحابہ آخری عمر میں اسلام لائے انہوں نے حضورؐ کو رفع یدین کرتے دیکھا اس سے ثابت ہوا کہ حضورؐ آخری عمر تک رفع یدین کرتے رہے مگر اس بارے میں وہ کئی باتیں چھپاتے ہیں۔

۱۔ مالک بن الحویرث کی حدیث کی سند میں ابو قلابہ ہے جو ناصبی مذہب کا تھا اور اس کا شاگرد خالد ہے جس کا حافظہ صحیح نہ رہا تھا۔ دوسری سند میں نصر بن عاصم ہے جو خارجی مذہب کا تھا۔ نیز نسائی نے اس سے سجدہ کی رفع یدین بھی روایت کی ہے تو اب غیر مقلدین کا آدھی حدیث کا ماننا اور آدھی کو چھوڑنا ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ...﴾ کا مصداق ہے۔

۲۔ وائل بن حجرؓ کی روایت بھی دو طریق سے ہے ایک طریق میں سجدہ کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۷) جس کو غیر مقلد چھپاتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے۔ اس طرح آدھی حدیث کو مانا، آدھی سے روگردانی کی۔

دوسرے طریق میں خود حضرت وائلؓ نے وضاحت فرمادی کہ جب دوسری دفعہ حضور ﷺ کی خدمت میں آیا تو حضورؐ اور صحابہ پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے بعد کی کسی رفع یدین کا ذکر نہیں فرمایا (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۷) اور کسی ایک صحابی کو بھی مستثنیٰ نہ فرمایا گویا تمام صحابہؓ آخر عہد نبوی میں رفع یدین کے تارک تھے لیکن غیر مقلد عوام کے سامنے یہ بات بالکل بیان نہیں کرتے۔

فائدہ: عبید بن عمیرؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، مالک بن الحویرثؓ، وائل بن حجرؓ، انس بن مالکؓ یہ آٹھ صحابہ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ سجدہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اور صرف ایک روایت میں ہے کہ نہ کرتے تھے یہ روایت ابن عمرؓ کی ہے اور بوجہ تعارض ساقط ہے۔

باقی صحابہ کی روایات پر غیر مقلد عمل نہیں کرتے یہاں ماضی استمراری بھی ہے اور حضرت وائل اور مالک بن الحویرثؓ جیسے متاخر الاسلام راوی بھی ہیں پھر نامعلوم کیا وجہ ہے کہ غیر مقلد رکوع وسجود کی روایات میں کیوں فرق کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ چھ احادیث سے ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر ماضی استمراری کے صیغہ سے ثابت ہے گویا چار رکعتوں میں ۲۲ بار مگر غیر مقلد ان احادیث پر عمل نہیں کرتے۔

ایک صحابی ابن عمرؓ سے سجدہ کی رفع یدین متعارض آئی ہے ایک روایت میں ہے کرو اور ایک میں ہے نہ کرو۔ اس لیے وہ ساقط الاعتبار ہوگئی۔

باقی سات صحابہ سے سجدہ کی رفع یدین آئی ہے ماضی استمراری بھی ہے۔ اور وائلؓ، مالک بن الحویرثؓ، ابوہریرہؓ جیسے متاخر الاسلام صحابہ سے مروی بھی گویا چار رکعات میں ۲۸ مرتبہ رفع یدین سنت ہے مگر غیر مقلدان روایات پر بھی عمل نہیں کرتے۔

غیر مقلدین سے ایک سوال

بعض غیر مقلدین سجدہ کی رفع یدین کو سنت کہتے ہیں۔ جیسا کہ ابوحفص عثمانی وغیرہ۔ جبکہ عام غیر مقلدین اس کے سنت ہونے کے منکر ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ سنت کا منکر بھی لعنتی ہوتا ہے۔ اور غیر سنت کو سنت کہنے والا بھی لعنتی ہوتا ہے۔ اس لیے بتایا جائے دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق کتاب وسنت کے مخالف ہے۔

وجوہ ترجیح

(۱) مذہب احناف سے واقفیت رکھنے والے اشخاص اس سے بخوبی واقف ہیں کہ مسلک احناف کا یہ اصول ہے کہ جب روایات کسی مسئلہ میں مختلف ہوں تو احناف کثر اللہ سوادہم ان روایات کو لیا کرتے ہیں یعنی معمول بہا قرار دیتے ہیں جو قرآن کریم کے ساتھ مطابقت رکھیں۔

مسئلہ رفع یدین میں بھی وہ روایات جو ترک رفع یدین کو بیان کرتی ہیں وہ قرآن کریم کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ ﴿قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾.

(۲) رفع کی بعض قسمیں وہ ہیں جو بالاتفاق متروک ہیں جیسے دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرنا یہ اس بات پر قرینہ ہے کہ اس میں نسخ واقع ہو چکا ہے لہذا متفق علیہ کو لینا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔

(۳) نماز میں حرکات سے سکون کی طرف انتقال واقع ہوتا رہا ہے جیسا کہ ابتداء

اسلام میں نماز میں چلنا پھرنا، بات چیت کرنا سلام کا جواب دینا جائز تھا۔ جب اس بارہ میں روایتوں میں تعارض ہوا تو احناف نے ان روایات کو لیا جو سکون پر دلالت کرتی ہیں۔

(۴) جب قولی اور فعلی روایات میں تعارض ہو جائے تو قولی روایت کو ترجیح دی جاتی ہے احناف کی روایات قولی ہیں اور غیر مقلدین کی فعلی۔ لہٰذا احناف کی تائید کرنے والی روایات راجح قرار پائیں گی۔

(۵) فعلی روایات متعارض ہیں اور قولی روایات تعارض سے خالی ہیں۔ لہذا فعلی روایات کی حجت تعارض کی وجہ سے باقی نہ رہے گی اور قولی روایات حجت رہیں گی۔

(۶) ترک رفع کی روایات کے راوی وہ صحابہ ہیں جو معمر اور فقیہ تھے اور پہلی صف میں کھڑے ہوا کرتے تھے۔ بخلاف رفع یدین کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر کے کہ وہ بچے تھے۔ نوعمری کی وجہ سے غزوہ احد میں شرکت سے محروم رہے۔ سب سے پہلے جس جنگ میں یہ شریک ہوئے وہ غزوہ خندق ہے۔

(۷) تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواضع میں رفع یدین کرنا تعارض روایات کی وجہ سے سنیت اور نسخ سنیت میں دائر ہے، اور جب کوئی چیز سنت اور بدعت میں دائر ہو یعنی اس کے سنت یا بدعت ہونے میں شبہ ہو تو اس کے بدعت ہونے کے پہلو کو راجح قرار دیا جاتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ محرم کو مبیح پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

لہٰذا تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مقامات میں اس کے بدعت ہونے کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی۔

(۸) ترک رفع یدین کے راوی زیادہ فقیہ ہیں۔ اس لیے ان کی روایات راجح ہیں۔

(۹) رفع یدین نہ کرنے کی روایات واحادیث پر خلفاء راشدین کا عمل ہے۔ اس لیے وہ راجح ہیں۔

(۱۰) رفع یدین نہ کرنے کی احادیث پر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا متواتر عمل ہے، اس لیے وہی راجح ہیں۔ تلک عشرۃ کاملۃ

تحقیق

مسئلہ تراویح

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارا رسالہ تحقیق مسئلہ تراویح شائع ہوا تو الحمد للہ اتنا مقبول ہوا کہ اس کے کئی ایڈیشن چھپے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ جہاں اہل سنت والجماعت اندرون ملک و بیرون ملک اس سے مستفیض ہوئے وہیں غیر مقلدین میں صف ماتم بچھ گئی بڑی میٹنگیں ہوئیں کہ کوئی کاتب کی غلطی مل جائے تو تقریر و تشہیر سے اس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جائے کیونکہ اس جماعت کا مبلغ علم اتنا ہی ہے۔ علمی مضامین کا سمجھنا بھی ان کے بس میں نہیں تو جواب کیا دیں۔ آخر غیر مقلدین کے مدرسہ محمدیہ جلال پور پیر والا کے شیخ الحدیث مولوی سلطان محمود اور اس مدرسہ کے مدرس مولوی محمد رفیق نے مل کر برائے نام ہمارے رسالے کا جواب لکھا اور اپنے ایک شاگرد محمد ایوب صابر مدرس جامعہ محمدیہ خان پور کے نام سے چھپوایا۔ اصل مسئلہ تو رسالے میں مان لیا۔ چنانچہ لکھا ہے "ہم ان کی بیس رکعت تراویح پر کوئی اعتراض نہیں کرتے" (تحقیق تراویح صفحہ ۱۰۴) اس روایت پر کہ حضرت سوید بن غفلہؒ (جو حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد تھے) رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے، لکھتے ہیں "یہ ہمارے مسلک کے خلاف نہیں" (تحقیق تراویح صفحہ ۲۷) اس روایت پر کہ حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند بلا غبار صحیح ہے (ص ۵۱) نیز لکھتے ہیں "ہم تو کہتے ہیں کہ صحابہ کرام ۱۱، ۱۳، ۲۰، ۲۴، ۲۸، ۳۶، ۳۹ پڑھتے تھے" (ص ۵۳) پھر لکھتے ہیں "یہ تو صحیح ہے کہ بیس رکعت میں آٹھ رکعت شامل ہیں" (ص ۱۰۰) جب بیس رکعت پر خلافت راشدہ میں مواظبت مان لی تو بیس رکعت کا سنت خلفاء راشدین ہونا مان لیا۔ اور یہ بھی لکھ دیا کہ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ پر عمل کرنے سے کون بے وقوف روک سکتا ہے کہ یہ بھی تو فرمان رسول ﷺ ہے" (ص ۹۳)

نوٹ: آپ کی جماعت میں ایسے بے وقوفوں کی کمی نہیں جو ہر رمضان میں بیس رکعت کے خلاف چیلنج بازی اور اشتہار بازی کرتے ہیں۔

صاحب رسالہ نے بیس رکعت کی اتنی حیثیت تو مان لی جتنی اول شب باجماعت پورا ماہ مسجد میں ختم قرآن کے ساتھ تراویح پڑھنے کی ہے۔ جب ان پانچ باتوں کے خلاف انہوں نے کوئی رسالہ نہیں لکھا تو بیس رکعت کے خلاف رسالہ لکھ کر بقول خود بے وقوفی کا ثبوت کیوں دیا؟

دروغ گورا حافظہ نباشد۔ بیس رکعت جائز ہیں، اس میں آٹھ بھی شامل ہیں۔ دور فاروقی، دور عثمانی اور بعد میں بھی لوگ بیس پڑھتے تھے۔ مگر پھر امام مالکؒ کی طرف ایک غلط منسوب قول کے ذریعہ گیارہ سے زائد کو بدعت بھی قرار دیدیا (تحقیق تراویح ص ۳۳، ص ۹۹) امام مالکؒ ائمہ اربعہ میں سے دوسرے امام ہیں۔ ان کی فقہ باقاعدہ مرتب و مدون اور مالکیوں میں تواتر کے ساتھ معمول بہ ہے۔ فقہ مالکی کے کسی متواتر متن میں اگر یہ قول دکھا دیں تو ایوب اور اس کے دونوں استادوں کو ضب (گوہ) کا ناشتہ کروا دیں گے۔ اس کے ناقل مالکی فقہاء نہیں بلکہ علامہ سیوطیؒ شافعی ہیں۔ راوی بھی کوئی مالکی نہیں شافعی ہے۔ نہ سیوطیؒ کی ملاقات راوی سے نہ راوی کی امام مالکؒ سے۔ خود رسالہ میں لکھا ہے جب تک اسنادی حیثیت واضح نہ ہوگی، استدلال درست نہیں۔ (ص ۵۵)

قلابازیاں

علامہ سیوطیؒ کے اصل رسالہ میں قال الجوری من اصحابنا ہے۔ لفظ اصحابنا سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جوری شافعی ہے اور طبقات شافعیہ ص ۳۰۷، ج ۲ پر الجوری کا ذکر ہے۔ اس کا نام علی بن الحسین القاضی ہے۔ اس کی پیدائش ۲۲۸ھ میں ہے یعنی امام مالکؒ سے تقریباً ۵۹ سال بعد پیدا ہوا۔ اور علامہ سیوطیؒ کی وفات ۹۱۱ھ ہے۔ تقریباً چھ سو سال بعد، کیا اس سند کا اتصال شیخ الحدیث مع التثلیث ثابت کر سکتے ہیں؟

الجوبہ

مولانا عطاء اللہ حنیف غیر مقلد نے جب علامہ سیوطیؒ کا یہ رسالہ چھپوایا تو اصل رسالہ میں تو الجوری رہنے دیا مگر حاشیہ میں یہ جھوٹ لکھ دیا کہ بعض نسخوں میں الجوزی ہے بعض میں ابن الجوزی۔ حالانکہ نہ تو الجوزی کا شافعی ہونا ثابت ہے (ان کی پیدائش ۴۵۷ھ اور وفات ۵۳۵ھ) نہ امام مالکؒ اور علامہ سیوطیؒ سے ملاقات۔ اور ابن الجوزی حنبلی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ اردو) ان کی پیدائش ۵۱۰ھ اور وفات ۵۹۷ھ میں ہے۔ ان کی بھی ملاقات نہ امام مالکؒ سے ثابت نہ علامہ سیوطیؒ سے۔

الجوبہ درا لجوبے

بیچارے ایوب صابر نے ابن الجوزی کو مالکی لکھ مارا (ص ا) یہ ان کا علمی شاہکار ہے۔ ایوب صابر صاحب نے ص ۳۲ پر ایک عنوان قائم فرمایا۔ ''امت میں گیارہ رکعت تراویح کے قائلین'' اور چودہ سو سال میں صرف ۷ آدمی تلاش کیے۔ جن میں (۱) امام مالکؒ (ان کے قول کا بے سند ہونا گزر چکا) (۲) ابوبکر ابن العربی مالکی اس کی کتاب شرح ترمذی میں اس کا یہ عمل ہمیں نہیں ملا۔ (۳) عمر بن احمد جوزی ابو احمد شرقی۔ (۴) عمر بن احمد جوری ابوالحسین (۵) وجیہ صاحب (۶) ابوالمعصور جس کا سن وفات ۴۶۹ھ ہے مگر ان کا کوئی حوالہ نہیں دیا حالانکہ خود ان کا فرمان ہے۔'' ان پر ضروری اور لازم تھا کہ ان کے حوالے بھی ساتھ ذکر کرتے تا کہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو جاتی لیکن چونکہ یہ سفسطی اوہام وجنون تھے جن کا مقصد سے ادنیٰ سا تعلق بھی نہیں ہے۔ بنا بریں حوالہ دینے سے عاجز رہے (ص ب) ہم نے کتاب الانساب سمعانی دیکھی، اس میں آٹھ تراویح کا تو اشارہ بھی نہیں البتہ ایسے نام معلوم ہوئے وہاں ہے عمر بن احمد بن محمد الجوری حدث عن ابی حامد احمد بن محمد بن الحسن الشرقی (۱۱۵/۲) اس نے لکھا عمر بن احمد جوزی ابو احمد شرقی آدھا نام شاگرد کا آدھا استاد کا پہلے میں الجوری کا جوزی بنایا اور دوسرے میں ابو حامد کو ابو احمد افسوس دل کی بصیرت

سے تو یہ پہلے ہی محروم تھے اب آنکھوں کی بصارت بھی جواب دے گئی۔ مولوی سلطان محمود تو بے چارے بوڑھے ہیں۔ دوسرے ہی غور سے دیکھ لیتے اور جس کو عمر بن احمد جوری ابوالحسین لکھا ہے اس کا اصل نام ابوالحسن احمد بن عمر الخفاف ہے باپ کو بیٹا، حسن کو حسین بنا دیا اور وجیہ صاحب ابوبکر بن ابی عبدالرحمٰن الشحامی ہے اور ابو المنصور اصحاب ابی حنیفہ میں سے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح کے ساتھ ان کو دور کا بھی تعلق نہیں۔ اب تو سلطان محمود کو یہ ورد کرنا چاہیے۔

اے میرے باغ آرزو کیسا ہے باغبانئے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

مالکی فقہ کے متون اور مالکیوں کے متواتر تعامل کے خلاف ایسا بے سند قول پیش کرنا جہالت اور خرق اجماع ہے (در مختار)

محمد امین صفدر

ابتدائیہ

نماز تراویح کے بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کا جواب غیر مقلدین کسی حدیث صحیح غیر معارض سے نہیں دے سکے۔

(۱) جس طرح احادیث میں نماز فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء حتیٰ تہجد، وتر نمازوں کے نام آئے ہیں، کیا کسی صحیح حدیث میں کسی نماز کا نام تراویح بھی آیا ہے یا نہیں؟

(۲) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ چار رکعت رات کے وقت پڑھتے ثم یروح واطال پھر کافی دیر تک استراحت اور وقفہ کرتے تھے (بیہقی ص ۴۹۷، ج ۲) امام بیہقیؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے مگر پوری امت نے اس نماز کا نام تراویح رکھا ہے گویا تلقی بالقبول کی وجہ سے یہ روایت مقبول ہے۔ اس تلقی بالقبول سے ہی خود غیر مقلدین نے اس نماز کا نام تراویح رکھا ہے۔

(۳) حضرت عمرؓ چار رکعت کے بعد ترویحہ فرماتے کہ آدمی سلع پہاڑ تک جا سکے۔ (بیہقی ص ۴۹۷، ج ۲)

(۴) فتاویٰ علمائے حدیث ص ۲۴۱، ج ۶ پر ہے ''نماز تراویح کی تعریف علماء نے یہ لکھی ہے کہ نماز تراویح وہ نماز ہے جو ماہ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے اور اس نماز کا نام نماز تراویح اس لیے رکھا گیا کہ لوگ اس میں ہر چار رکعت کے بعد استراحت کرنے لگے کیونکہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کے معنے ایک مرتبہ آرام کرنے کے ہیں''۔

(۵) فتاویٰ علمائے حدیث ص ۲۴۳، ج ۶ پر ہے ''قیام رمضان نماز تراویح سے اہم ہے کیونکہ نماز تراویح میں جماعت بھی شرط ہے۔ اگر اکیلے اکیلے پڑھیں تو تراویح

نہ ہوگی بخلاف قیام رمضان کے کہ اس میں جماعت شرط نہیں خواہ جماعت کے ساتھ پڑھیں خواہ اکیلے اکیلے پڑھیں"۔

(۶) نیز لکھا ہے کہ جو کرمانی نے کہا ہے کہ قیام رمضان سے بالاتفاق نماز تراویح مراد ہے یہ انہوں نے ایک انوکھی بات کہی ہے۔ (ایضاً)

(۷) اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے تو صرف تراویح ہے پچھلے وقت میں پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہوتی ہے۔ (ایضاً ص ۳۲۹)

(۸) نماز تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے اور تراویح خاص رمضان میں ہے۔
(ایضاً ص ۲۳۰ ج ۶)

(۹) جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ آخر وقت میں تہجد پڑھ سکتا ہے۔ تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے۔ اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔
(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۳۳۱، ج ۶)

(۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹) یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہوں تو وہ احادیث تحریر فرمائیں۔ اگر ثابت نہ ہوں تو ان اقوال کے لکھنے والے امتیوں کی تقلید سے مشرک ہیں یا نہیں؟

(۱۰) تراویح اور تہجد ایک نماز ہے، یہ قرآن کی آیت یا حدیث صحیح سے ثابت فرمائیں اپنے قیاسات لکھ کر شیطان نہ بنیں، امتیوں کے اقوال لکھ کر مشرک نہ بنیں۔

(۱۱) کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک نماز کا نام گیارہ مہینے تہجد ہے اور بارہویں مہینے تراویح ہے؟

(۱۲) کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ نماز گیارہ ماہ نفل ہے اور بارہویں مہینے سنت ہے؟

(۱۳) کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ گیارہ مہینے اس نماز کا وقت رات کا آخری حصہ ہے اور بارہویں مہینے اس کا وقت عشا کے فوراً بعد ہے؟

(۱۴) کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ گیارہ مہینے یہ نماز اکیلے پڑھو اور

بارہویں مہینے میں باجماعت پڑھو؟

(۱۵) کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ گیارہ مہینے اس میں قرآن ختم کرنا سنت نہیں ہاں بارہویں مہینے میں قرآن ختم کرنا سنت ہے؟

(۱۶) ایک شخص نے ساری عمر میں تین دن نماز تراویح باجماعت پڑھی ہیں۔اب نہیں پڑھتا کیا وہ گنہگار ہے؟

(۱۷) ایک آدمی کہتا ہے کہ نماز ضحیٰ نماز تہجد کی طرح یہ نماز تراویح بھی نفل ہے،اس نے نہ ساری زندگی میں کبھی نماز تراویح پڑھی ہے نہ نماز تہجد، نہ نماز ضحیٰ، کیا وہ گنہگار ہے (اگر ہے تو اس پر کتنے کوڑے حد ہیں)

(۱۸) جن محدثین اور فقہاء نے حدیث اور فقہ کی کتابوں میں نماز تہجد،نماز تراویح اور نماز وتر کے ابواب الگ الگ باندھے ہیں وہ لوگ منکر حدیث ہیں یا کیا؟

(۱۹) بعض غیر مقلد اس قسم کی شرط لگایا کرتے ہیں کہ خود حضرت عمرؓ کا بیس رکعت میں شامل ہونا دکھاؤ تو کیا یہ شرط کسی حدیث کے مطابق ہے۔اگر کوئی یوں کہے کہ خود حضور ﷺ اور صدیق اکبرؓ کا اپنے ہاتھ سے قرآن جمع کرنا ثابت کرو ورنہ ہم یہ قرآن نہیں مانتے یا خود حضرت عثمانؓ سے جمعہ کی پہلی اذان دینا ثابت کرو۔ورنہ ہم یہ اذان نہیں مانتے آیا اس کا یہ کہنا صحیح ہے؟

(۲۰) کیا خود حضرت عمرؓ کا تراویح کی جماعت میں شامل ہونا، پورا ماہ اول شب تراویح پڑھنا، پورا ماہ مسجد میں تراویح پڑھنا، پورا رمضان وتر جماعت سے پڑھنا تراویح میں پورا قرآن خود پڑھنا یا خود سننا ثابت ہے یا ان سب کاموں کو بھی چھوڑ دیا جائے گا؟

(۲۱) مولانا داؤد غزنوی اعلان فرمایا کرتے تھے کہ آٹھ تراویح سنت رسول اللہ کی ہے اور باقی بارہ رکعت مستحب ہیں۔اس سے تمام جھگڑوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

(فتاوی علمائے حدیث ص ۲۶۵، ج ۶)

(۲۲) مدرسہ رحمانیہ (اہل حدیث) ہر سال اعلان کرتے ہیں کہ آٹھ رکعت سے زائد تراویح درست ہے اور باعث اجر بھی ہیں۔ (فتاویٰ ستاریہ ص ۱۹، ج ۳)
(۲۱،۲۲) کسی صحیح حدیث میں ہے یا ابن ہمامؒ کے ایک شاذ قول کی تقلید ہے؟
(۲۳) فتاویٰ علمائے حدیث ص ۴۷، وص ۸۸، ج ۶ پر حدیث نبوی درج ہے کہ "ماہ رمضان میں کہ نفلی نیکی کا کام کرے وہ ایسا ہوگا کہ اس نے اور دنوں میں گویا فرض عبادت کی"۔ کیا بیس رکعت تراویح پڑھنے والے اس ثواب کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟
(۲۴) جو لوگ اس ثواب سے روکیں وہ قرآنی زبان میں ﴿مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ ...﴾ (خیر کو روکنے والے) اور ﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ﴾ اس آدمی کی خبر دیجئے جو ایک عظیم بندے (محمد رسول اللہؐ) کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتے ہیں۔ کے مصداق ہوں گے یا نہیں؟
(۲۵) رحمانی صاحب انوار المصابیح میں بیس رکعت کے بارہ میں فرماتے ہیں۔ "بیس رکعت پڑھنے والوں کو فاروق اعظم کیوں روکتے یہ کوئی معصیت اور منکر کام تو تھا نہیں (ص ۲۲۶) اور فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے بیس پر نکیر نہیں فرمائی یہی اہل حدیث کا مذہب ہے (ص ۲۲۶) معلوم ہوا آج جو بیس رکعت کے خلاف اشتہار، رسالے لکھ رہے ہیں وہ اہل حدیث نہیں ہیں منکرین صحابہ ہیں۔ مولوی محمد عثمان دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں۔ "مقلدین کی ایک بڑی جماعت نے بیس رکعت مقرر کر کے اس بدعت شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے (رفع الاختلاف ص ۵۴) بیس رکعت کو مستحب کہنے والے بھی اہل حدیث ہیں اور بدعت شنیعہ کہنے والے بھی۔ اس تنازع کا فیصلہ خدا و رسول سے فرما کر بتائیں کہ کون سا اہل حدیث خدا اور رسول کا منکر ہے؟
(۲۷) مولوی محمد عثمان دہلوی غیر مقلد فرماتے ہیں۔ "جو شخص مغرب کی چار رکعات پڑھے اس کی نماز مغرب باوجود یہ کہ چار کے ضمن میں تین موجود ہیں ادا نہ ہوئی، ایسا ہی جس نے تراویح بیس رکعت پڑھی اس کی گیارہ رکعت مسنون ادا نہ ہوئی (ایضاً ص ۵) یہ

مولانا کا شیطانی قیاس ہے جس سے ساری امت بدعتی قرار پاتی ہے یا حدیث میں یہ ہے کہ بیس والے کی آٹھ ادا نہ ہوں گی تو وہ حدیث پیش فرمائیں؟

نوٹ: یہ مولوی محمد عثمان صاحب غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم ہیں۔

اخبار محمدی دہلی میں ان کے علمی جواہر پارے چھپا کرتے تھے۔ یہ غیر مقلدین کے محدث اعظم حافظ عبداللہ روپڑی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے آپ نے اخبار محمدی دہلی میں حافظ عبداللہ روپڑی کے نام ایک کھلا خط شائع کرایا تھا جس میں روپڑی صاحب کو لکھا تھا کہ آپ طالب علمی میں علت المشائخ میں مبتلا تھے۔ اب وہ عادت چھوٹ گئی ہے یا اب بھی باقی ہے قاعدہ تو یہ ہے کہ جب تک آپ میں صوفیت رہے گی یہ لٹکا (چسکا) بھی نہ جائے لہذا مہربانی کر کے خدا سے ڈر کر اس کا صحیح جواب دیں اور اب بھی توبہ کر لیں (اخبار محمدی ص ۱۵ کالم ۳، ۱۵ جولائی ۱۹۳۹ء) حافظ صاحب نے کوئی توبہ نامہ شائع نہیں فرمایا بلکہ سنا گیا ہے آپ کے اخص تلامذہ بھی استاد محترم کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

(۲۸) حال ہی میں فضیلت الشیخ عطیہ محمد سالم القاضی بالمحکمة الکبری بالمدینة المنورة والمدرس فی المسجد النبوی نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہی یہ ہے "التراویح اکثر من الف عام فی مسجد النبی علیه الصلوۃ والسلام" جس کے مطالعہ سے پتہ چلا ہے کہ ہزار سال میں ایک ماہ رمضان بھی ایسا نہیں گزرا کہ مسجد نبوی میں پورا مہینہ آٹھ تراویح باجماعت پڑھی گئی ہوں۔ اس کے رد میں ابھی تک غیر مقلدین نے کوئی اشتہار اور رسالہ شائع نہیں کیا۔ کیا مدینہ منورہ میں بدعات کی تائید میں رسالے لکھے جائیں، ان پر عمل جاری ہو تو وہاں تردید کی ضرورت نہیں؟

(۲۹) اسی طرح جامعہ ام القریٰ مکہ المکرمہ سے بھی ایک رسالہ شائع ہوا ہے جس کا نام "اَلْهَدْیُ النَّبَوِی الصَّحِیْحُ فِیْ صَلٰوۃِ التَّرَاوِیْح" ہے جس میں بیس کی

تائید اور آٹھ کی مخالفت ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شور مچائے گا کہ بیس تراویح سنت نبوی ہے تو پھر ہم خاموش رہنا گناہ سمجھیں گے لیکن ابھی تک آپ نے اس کا رد نہیں لکھا آپ کے شیخ الحدیث اور استاد بھی گناہ گار بنے بیٹھے ہیں۔

(۳۰)　جو شخص بیس رکعت تراویح کو سنت کہے اس کے خلاف تو بیسیوں رسالے اور اشتہار آپ کی جماعت نے شائع کیے ہیں لیکن جو بیس رکعت تراویح کو بدعت کہتا ہے اس کے خلاف کتنے رسالے آپ نے شائع کیے ہیں ان کا نام اور پتہ بتائیں؟

ا۔　حضرت ابو سلمہؒ اپنے والد عبدالرحمٰنؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان کے مہینے کا ذکر فرمایا کہ ایسا مہینہ ہے کہ کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ صِیَامَهٗ وَ سَنَنْتُ لَکُمْ قِیَامَهٗ اللہ نے تم پر روزہ فرض کیا میں نے قیام سنت کیا۔ پس جس نے اس مہینہ کے روزے رکھے اور قیام کیا، ایمان سے نیکی اور ثواب طلب کرتے ہوئے تو وہ اپنے گناہوں سے اسی طرح نکل جائے گا جس طرح کہ اس دن اسے ماں نے جنا۔

(ابن ماجہ ص ۹۴، نسائی ص ۳۰۸، ج ا مسند احمد ص ۱۹۱، ج ا)

حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تراویح سنت ہے اس کا چھوڑنا جائز نہیں۔　(کبیری ص ۴۰۰، شرح نقایہ ص ۱۰۴)

امام نوویؒ فرماتے ہیں خوب جان لو کہ نماز تراویح کے سنت ہونے پر علماء کا اتفاق ہے اور یہ بیس رکعت ہیں۔　(کتاب الاذکار ص ۸۳)

دعویٰ: بیس رکعات تراویح سنت ہیں۔

(در مختار ص ۹۸ ج ا، ہدایہ ص ۹۹ ج، شرح نقایہ ص ۱۰۴، ج ا)

سنت کی تعریف

سنت دین کا وہ پسندیدہ معمول و مروج طریق ہے جو خواہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہو یا آپ کے صحابہ کرام سے ثابت ہو، اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ تم پر لازم ہے کہ میرے طریق اور میرے بعد آنے والے خلفائے راشدین کے طریق کو

اپناؤ اور اسے دانتوں سے (مضبوطی سے) تھام لو عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ سنت کا حکم یہ ہے کہ مسلمان کو اس کے زندہ کرنے کی امکانی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر وہ اسے ترک کرے تو قابل ملامت ہوگا الا یہ کہ وہ سنت پر عمل کسی عذر کی بناء پر چھوڑے۔ (ترجمہ اردو اصول الشاشی ص ۲۲۲)

معلوم ہوا کہ سنت کے لیے اس کا رائج ہونا اور عادت ہونا ضروری ہے مثلاً کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حضرتؐ سے ثابت ضرور ہے مگر یہ عادت مبارک نہیں تھی عادت مبارکہ بیٹھ کر پیشاب کرنے کی تھی یہی سنت ہے۔ آنحضرت ﷺ کبھی ایک کپڑا بھی پہنتے کبھی دو مگر عادت مبارک تین تین کپڑوں کی تھی۔ تہ بند قمیص اور عمامہ تو تین کپڑوں کو سنت کہا جائے گا۔

۳۔ اعضائے وضو کو ایک ایک مرتبہ، دو دو مرتبہ دھونا آپؐ سے ثابت ہے مگر یہ آپ کی عادت مبارک نہ تھی عادت مبارکہ تین تین مرتبہ دھونے کی تھی اس لیے یہ سنت ہے۔

۴۔ وضو کے بعد بیوی سے بوس و کنار کرنا ثابت ہے لیکن وضو میں کلی کرنا آپ کی عادت تھی اس لیے کلی کو سنت کہا جائے گا نہ کہ بوس و کنار کو۔

۵۔ نماز میں بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنا ثابت ہے مگر عادت نہ تھی اس کے برعکس نماز کے رکوع سجود میں تسبیحات پڑھنا عادت تھی اس کو سنت کہا جائے گا۔

۶۔ بیوی سے روزہ میں بوس و کنار ثابت ہے مگر عادت نہ تھی ہاں روزہ کے لیے سحری کھانا آپ کی عادت مبارک تھی اس لیے اسے سنت کہا جائے گا۔

۷۔ خود ایوب صابر صاحب ص ۳ پر وتر کے بعد دو نفل کو ثابت مانتے ہیں مگر ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ ان پر آپ کی مواظبت ثابت نہیں۔

اس لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اگر بالفرض مختلف اعداد ہوں تو کس عدد پر مواظبت ثابت ہے اس عدد کو سنت کہا جائے گا۔ حضرات غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ

آٹھ رکعت آنحضرت ﷺ کی سنت ہے۔ ہم نے اس کا انکار کیا تھا کہ آٹھ رکعت پر حضور کی مواظبت ثابت نہیں۔ رحمانی صاحب کی انوار المصابیح مولوی عبدالمنان نور پوری کی تعداد تراویح۔ ایوب صابر صاحب کی تحقیق تراویح اور کئی دیگر رسائل پڑھ کر ہمارا یقین اور زیادہ پختہ ہو گیا ہے کہ آٹھ رکعت تراویح ہرگز سنت نبوی نہیں کیونکہ سب نے بنیاد حدیث عائشہؓ کو بنایا ہے جس کا تراویح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، جیسا کہ تفصیل آئے گی۔ رہی حدیث جابرؓ وہ اولاً تو نہ صحیح ہے نہ حسن اسی لیے حافظ عبدالمنان صاحب اور جناب ایوب صابر صاحب نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ چنانچہ حافظ عبدالمنان صاحب فرماتے ہیں۔ یاد رہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد رکعات کے اثبات کا مدار حضرت جابرؓ کی یہ حدیث نہیں۔ (تعداد تراویح ص ۳۷)

ایوب صابر صاحب فرماتے ہیں مذکورہ بالا دونوں حدیثیں (جابر، ابی بن کعب) ہم نے بطور شواہد پیش کی ہیں (تحقیق تراویح ص ۲۲) پھر باوجود ضعف کے ان میں تراویح کی تعداد پوری مذکور نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ساری تراویح جماعت سے نہیں پڑھائیں چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم آپؐ کے ساتھ تراویح پڑھ رہے تھے۔ آپؐ نے نماز مختصر کی اور حجرہ (اعتکاف) میں داخل ہو گئے فَصَلّٰی صَلٰوۃً لَمْ یُصَلِّهَا عِنْدَنَا پھر نماز پڑھی جو ہمارے ساتھ نہ پڑھی تھی (مسلم ص ۳۵۲، ج ۱۔ احمد ص ۱۹۳، ج ۳۔ قیام اللیل ص ۱۵۴) حضرت انسؓ ہی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رمضان کی رات میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک قوم آئی اور آپ کے ساتھ شریک نماز ہوئی پھر حجرہ میں داخل ہوئے اور نماز پڑھی پھر باہر تشریف لائے اور ہلکی پھلکی نماز پڑھائی۔ صبح کے وقت لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کے پیچھے تراویح پڑھ رہے تھے آپ کبھی گھر میں جاتے کبھی باہر آتے فرمایا تمہاری وجہ سے ہی میں نے ایسا کیا۔ رواہ طبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ص ۱۷۳، ج ۳) امام احمد کی روایت میں ہے کہ آپ کئی بار حجرہ میں داخل ہوئے اور کئی بار باہر تشریف لائے۔ (ص ۱۰۳ ج ۳ ص ۱۸۵، ج ۳)

ان احادیث صحیحہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب تراویح کی جماعت کروائی ہے تو ساری رکعات جماعت کے ساتھ نہیں پڑھائیں کچھ حجرہ میں پڑھی ہیں پس حدیث جابرؓ میں باوجود ضعیف ہونے کے نہ پوری تعداد تراویح کا ذکر ہے نہ اس پر مواظبت ثابت ہے پس سنت ہرگز نہ ہوئی۔

تطبیق

محدثین اور فقہاء کا اصول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی احادیث میں ٹکراؤ کی پالیسی کی بجائے تطبیق کی پالیسی مناسب ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ آپ ؐ نے کچھ رکعات جماعت سے پڑھائیں۔ ہو سکتا ہے وہ حضرت جابرؓ نے بیان فرما دی ہوں اور حجرہ کے اندر کتنی رکعتیں پڑھیں حدیث جابرؓ اس سے خاموش ہے تو ضروری ہوا کہ کوئی اور حدیث تلاش کی جائے جس میں اس سے زیادہ تعداد مذکور ہو تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث مل گئی جس میں ۲۳ رکعت کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ کل رکعات ۲۳ تھیں، گیارہ باجماعت اور بارہ بلا جماعت۔ چونکہ جماعت پر آپ ؐ نے مواظبت نہ فرمائی اس لیے گیارہ پر مواظبت نہ ہوئی اور بیس آپ بلا جماعت پڑھتے رہے۔ پھر جب حضرت عمرؓ نے حکم دیا تو پہلے باجماعت گیارہ کا حکم دیا ہو کیونکہ جماعت اتنے پر ہی ثابت تھی۔ پھر اس پر مواظبت نہ فرمائی کیونکہ حضور ﷺ نے مواظبت نہیں فرمائی تھی۔ پھر بیس رکعت اور تین وتر باجماعت پر ہی صحابہ نے مواظبت فرمائی۔ اس طرح تمام روایات میں تطبیق بھی ہوگئی اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آٹھ رکعت نہ سنت نبوی ہے نہ سنت صحابہ، کیونکہ ان پر نہ ہی حضور ؐ نے مواظبت فرمائی اور نہ ہی صحابہ نے۔ ہاں بیس رکعت سنت ہے کیونکہ اس پر مواظبت ثابت ہے صحابہ کی اجماعاً اور حضور ؐ کی تلقیاً۔ (یعنی) آٹھ پر نہ مواظبت ثابت نہ صحت ثابت نہ تلقی بالقبول ثابت۔

نوٹ: جس عمل کو امت نے مجتہدین کی رہنمائی میں بالاتفاق قبول کر لیا ہو اسے تلقی بالقبول کہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا رمضان المبارک

(۱) ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپؐ رمضان المبارک میں غیر رمضان کی نسبت زیادہ کوشش فرماتے۔ (مسلم)

(۲) ام المومنینؓ ہی فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپ کی نماز غیر رمضان کی نسبت بڑھ جاتی (کَثُرَتْ صَلٰوتُهٗ) اور کثرت عبادت کی وجہ سے آپ کا رنگ مبارک بدل جاتا۔ (بیہقی)

(۳) آپؓ ہی فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مبارک مہینہ آتا آپ کمر بستہ ہو جاتے اور جب تک سارا رمضان نہ گزر جاتا آپ رات کو بستر پر تشریف فرما نہ ہوتے۔

(شعب الایمان بیہقی)

(۴) آپؓ ہی فرماتی ہیں کہ جب رمضان کے آخری دس دن آتے تو آپ بھی تمام رات بیدار رہتے اور اپنی ازواج مطہرات کو بھی بیدار رکھتے۔

(بخاری ص ۲۶۹، ج ۱)

اب جو شخص یہ دعویٰ رکھتا ہو کہ میں حضور ﷺ کی پوری تابعداری کرتا ہوں اسے چاہیے رمضان کی ساری راتیں عبادت میں گزارے۔ اتنی عبادت کرے کہ اس کا رنگ بدل جائے، آخری دس راتوں میں اپنے گھر والوں کو بھی نہ سونے دے۔ کیا غیر مقلدین کے کسی ایک گھر میں بھی اس طریقہ پر عمل ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو پھر دین میں اور رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں ہی کم از کم جھوٹ بولنے سے توبہ کر لیں۔

(۵) آپؐ نے امت کو بھی رمضان میں غیر رمضان کی نسبت زیادہ عبادت کی ترغیب دلائی یہاں تک فرمایا کہ اس میں ایک نفل کا ثواب ایک فرض کے برابر ہو جاتا ہے اور ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر (مشکوٰۃ) فتاویٰ علمائے حدیث ص ۴۷، ج ۶۔

بیس رکعات تراویح کی احادیث

۱۔ عَنْ ابن عباسؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي فِيْ رَمَضَانَ

عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۴، ج۲) قلت سنده حسن وتلقته الامة بالقبول فهو صحيح

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رمضان میں بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔ یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن ہے اور امت کی عملی تائیداسے حاصل ہے اس لیے یہ صحیح ہے۔

اس حدیث کے جواب میں جناب ایوب صابر صاحب فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیس رکعت کے ثبوت میں پیش کرنا پرائمری سکول کے ماسٹر کا ہی کام ہوسکتا ہے جو کہ علم حدیث واصول حدیث سے ناواقف ہو، صاحب علم آدمی اپنے مذہب کو بدنام کرنے کی خاطر اتنی حماقت کبھی نہیں کرسکتا۔ اس سے بڑھ کر افسوس ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اپنے مسلک یعنی حنفیت کو بدنام کرنے کے لیے اس رسالہ کو شائع کیا اور اس پر رقم لگائی۔ (تحقیق تراویح ص۳۶، ۳۷)

ناظرین کرام اسلام میں عملی مسائل کا اصل دارومدار تعامل امت پر ہے جس حدیث پر امت بلانکیر عمل کرتی چلی آرہی ہو اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں ہوتی اور جس حدیث پر پوری امت نے عمل ترک کردیا ہو اس کی سند خواہ کتنی صحیح ہو وہ معلول قرار پاتی ہے "نور الانوار" میں صراحت ہے کہ جس خبر واحد کو تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو جائے اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ المعجم الصغير للطبرانی کے آخر میں ص۱۷۷ سے ص۱۹۹ تک اس اصول پر مستقل رسالہ ہے جس کا نام ہے التحفة المرضيه في حل بعض مشكلات الحديثية جس میں امام شافعیؒ، امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ، علامہ سیوطیؒ، سخاویؒ، شوکانیؒ، وغیرہ سے یہ اصول واضح فرمایا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی پرائمری سکول کا ماسٹر نہیں۔ فتاویٰ علمائے حدیث ص۴۷، ج۶ میں تحریر ہے علاوہ ازیں ضعیف حدیث جب کہ قرون مشہود لہا بالخیر (خیر القرون) میں معمول بہ ہو وہ امت کے ہاں مقبول ہے جیسے اَلْعِيْدَانِ وَكَاءُ

السَّبِهِ کی حدیث اور حدیث اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ اِلَّا مَاغَلَبَ عَلٰى رِيْحِهٖ اَوْ طَعْمِهٖ اَوْلَوْنِهٖ کی حدیث لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ کی اور ان جیسی حدیثیں اور بہت ہیں اور امت اس بات پر متفق ہے کہ نیند ناقض وضو ہے اور ان کی دلیل ضعیف حدیثیں ہیں سو وہ اسناد کی حیثیت سے مردود ہیں اور معانی کے لحاظ سے مقبول ہیں۔ حافظ (ابن حجر) نے تلخیص میں کہا ابن عبدالبر نے ان علماء کی تصحیح پر تعاقب کیا ہے جنہوں نے حدیث اَلْبَحْرُ هُوَ الطُّهُوْرُ مَائُهٗ کی تصحیح کی ہے پھر باایں ہمہ اس کے صحیح ہونے کا حکم دیا ہے کیونکہ علماء نے اس کو قبول کر لیا ہے۔ سو اس حدیث کو اسناد کے لحاظ سے مردود اور معنی کے لحاظ سے قبول کیا ہے۔ نوویؒ نے کہا ہے کہ حدیث اِلَّا مَا غَلَبَ عَلٰى رِيْحِهٖ اَوْطَعْمِهٖ کے ضعیف کہنے پر علماء کا اتفاق ہے۔ میں کہتا ہوں اور باایں ہمہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قلیل کثیر پانی جب نجاست پڑ کر رنگ یا بو یا مزہ کو بدل دے تو وہ پلید ہے۔ جس طرح ابن المنذر نے کہا ہے اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ عامہ علماء کا قول یہی ہے میں نہیں جانتا کہ اس میں ان کے درمیان اختلاف ہو شوکانی نے کہا ہے کہ اہل حدیث اس زیادت کے ضعف پر اتفاق کر چکے ہیں لیکن اس کے مضمون پر اجماع ہے جس طرح کہ ابن المنذر اور ابن الملقن نے نقل کیا ہے سو اب جو لوگ اجماع کے حجت ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس زیادت کے مفاد پر اجماع اس زیادت کے صحیح ہونے کا مفید ہوگا۔ اس لیے کہ یہ زیادتی ایسی ہوگئی جس کے معنی پر اجماع ہو چکا ہے اور قبولیت کی نظر پڑی ہے۔ سو ان کا استدلال اس زیادت سے ہے نہ اجماع سے اور سخاوی نے شرح الفیہ میں کہا ہے جب امت ضعیف حدیث کو قبول کر لے تو مذہب صحیح یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جاوے یہاں تک کہ وہ یقینی اور قطعی حدیث کو منسوخ کرنے میں متواتر حدیث کے رتبہ میں سمجھی جائے گی اور اسی وجہ سے شافعی نے حدیث لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ کے بارے میں یہ فرمایا ہے اس کو اہل حدیث ثابت نہیں کہتے لیکن عامہ علماء نے اس کو قبول کر لیا ہے اور اس پر عمل رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ

اس کو آیت وصیت کا ناسخ قرار دیا ہے، امام ترمذیؒ نے ص ۱۸۴، ص ۲۲۱، ص ۳۰۷ وغیرہ کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے مگر اس پر اہل علم کا عمل ہے۔ امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی، نواب صدیق حسن خان نے الروضۃ الندیہ ص ۶ پر اسی اصول کو لکھا ہے۔ ان اقتباسات سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوگئی کہ اگر کسی حدیث کی سند کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہو، لیکن اس کے مضمون کو امت کی تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو تو اس پر عمل ضروری ہو جاتا ہے۔ خود اس کو ضعیف کہنے والے محدثین بھی اسی پر عمل کرتے ہیں۔

حضرات ناظرین! پانی کے پاک ناپاک ہونے کا مسئلہ وضو کی بنیاد ہے اور یقیناً تراویح سے زیادہ اہم ہے لیکن تلقی بالقبول کی وجہ سے ضعیف حدیث بھی مقبول ہے وارث کے لیے وصیت کا منع ہونا بظاہر قرآن پاک کی آیت وصیت کے خلاف ہے اور قرآن کی بظاہر مخالفت مسئلہ تراویح سے بہت اہم ہے مگر پھر بھی امت نے اس کو قبول کیا سند کے ضعف کو جھٹک دیا اور آیت قرآنی کو اس سے مخصوص یا منسوخ مان لیا یہ امت کے فقہاء اور محدثین کا مسلمہ اصول ہے۔ کسی پرائمری سکول کے ماسٹر کی خانہ ساز بات نہیں۔ جب ان اہم مسائل میں عام علماء کی تلقی بالقبول سے ضعیف احادیث درجہ متواتر تک پہنچ گئی ہیں تو وہ حدیث جس کو مہاجرین وانصار اور خلفائے راشدین کی تلقی بالقبول نصیب ہے وہ ان سے اعلیٰ درجہ کی صحیح ومقبول ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب اس حدیث کے موافق عمل کر کے خلفائے راشدین، مہاجرین، انصار، تابعین تبع تابعین اور باقی امت نہ بدنام ہوئی نہ حماقت کی تو بیچاری حنفیت اس سے کیسے بدنام ہوئی اور کیا حماقت کی؟ ہاں ساری امت کو بدنام یا احمق کہنا شاید کہنے والے کی حماقت یا بدنامی ہی ہوگی۔

اس تلقی بالقبول کی بحث کے بعد سند کی بحث کی ضرورت نہیں تاہم اس میں غیر مقلدین کی ناانصافی بتانا ضروری ہے۔ اس کی سند یوں ہے۔ حدثنا یزید بن

هارون قال اخبرنا ابراهيم بن عثمان عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس جب یہ حدیث ہم پیش کرتے ہیں تو غیر مقلدین ورق کے ورق سیاہ کرتے ہیں کہ ابراہیم عثمان ابوشیبہ سخت ضعیف ہے۔ اس سند کو پیش کرنا بدنامی ہے حماقت ہے۔ پرائمری سکول کے ماسٹر کا کام ہے۔

حضرات غیر مقلدین کے ہاں نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا کم از کم سنت موکدہ ہے اس کی دلیل میں حکیم محمد صادق سیالکوٹی نے صلوۃ الرسول ص ۴۳۴ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جنازہ پر فاتحہ پڑھی (ابن ماجہ) صلوۃ الرسول کی تعریفیں کرنے والے حافظ محمد گوندلوی، مولانا احمد دین گکھڑوی، مولانا نور حسین گھرجاکھی، مولانا عبداللہ ثانی امرتسری، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا محمد داؤد غزنوی، ترجمان دہلی، نوائے وقت لاہور، فاران کراچی، نور توحید لکھنؤ، نوائے ملت مردان، الاعتصام لاہور، الحمرا لاہور، نوائے پاکستان لاہور، زمیندار لاہور، احسان لاہور، صحیفہ کراچی، آفاق لاہور، انقلاب لاہور، ڈان کراچی ہیں۔ اس حدیث کی سند بھی یہی ہے۔ ابراہیم بن عثمان عن حکم عن مقسم عن ابن عباس (ابن ماجہ) ظاہر ہے کہ صلوۃ الرسول کی تعریفیں لکھنے والے مذکورہ حضرات میں سے ایک بھی پرائمری سکول کا ماسٹر نہیں، لیکن نہ ان حضرات کے استدلال سے فرقہ اہل حدیث بدنام ہوا نہ ان علمائے اہلحدیث کی حماقت کا ترانہ گایا گیا۔ جنازہ میں فاتحہ کا مسئلہ تراویح سے زیادہ اہم مسئلہ ہے کیونکہ غیر مقلدین اسے فرض کہتے ہیں۔ تراویح کو آج تک کسی نے فرض نہیں کہا جس راوی کی حدیث سے فرضیت ثابت کرنا حماقت اور بدنامی نہیں ہے اس راوی کی حدیث سے سنیت ثابت کرنا کیوں حماقت ہے۔ اس جنازہ والی حدیث کے خلاف نہ کوئی ورق سیاہ کیے گئے نہ چیلنج بازی ہوئی۔

فرق

حالانکہ بیس تراویح اور نماز جنازہ میں فاتحہ کی حدیث کی سند ایک ہونے کے

باوجود ایک بہت بڑا فرق ہے کہ بیس رکعت کو تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے مگر نماز جنازہ میں فاتحہ مدینہ میں بالکل متروک تھی۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا ہمارے شہر مدینہ میں کوئی دستور نہیں (المدونۃ الکبریٰ) سند دونوں کی ایک عمل میں دونوں میں فرق، تراویح میں تلقی بالقبول کی وجہ سے ضعف ختم ہوگیا مگر پھر بھی استدلال حماقت، فاتحہ کی بحث میں متروک العمل ہونے کی وجہ سے ضعف اور بڑھ گیا مگر اس سے استدلال جائز اور درست

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے۔

راوی کا حال

کسی راوی کے ثقہ ہونے کے لیے بنیادی طور پر دو ہی باتیں ضروری ہیں۔ اس کا حفظ ثابت ہو اور عادل ہونا ثابت ہو۔ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کو حافظ ابن حجر نے الحافظ کہا ہے اور کسی نے اس کے حافظہ پر جرح نہیں کی۔ رہی اس کی عدالت اس کے بارہ میں امام شعبہ کی جرح کا ذہبی نے مذاق اڑایا ہے۔ باقی جارحین صرف شعبہ کے مقلد ہیں۔ تہذیب میں لکھا ہے کہ شعبہ ہمیشہ ثقہ راوی سے روایت لیتے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ابوشیبہ سے شعبہ روایت لیتے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ شعبہ نے اپنی جرح سے رجوع کر لیا ہوگا۔ اگر رجوع مان لیا جائے تو راوی ثقہ درجہ صحیح میں ہوگا اگر رجوع ثابت نہ مانا جائے تو راوی مختلف فیہ ہوگا درجہ حسن میں آئے گا اسی لیے میں نے سندہ حسن لکھا تھا۔

اس حدیث کو نہ ماننے کا دوسرا بہانہ یہ ہے کہ یہ حدیث عائشہؓ کے خلاف ہے پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول نصیب ہو وہ اگر قرآن کی آیت کے بھی خلاف ہو تو عمل جائز ہے چہ جائیکہ کسی مضطرب خبر واحد کے خلاف ہو۔ اور یہاں تو اختلاف بھی نہیں کیونکہ حدیث عائشہؓ تہجد کے بارہ میں ہے، یہ تراویح کے بارہ میں۔ کل کو آپ یہ نہ کہنا شروع کر دیں کہ عصر کے چار فرض اور مغرب کے تین فرض کی احادیث میں تعارض ہے۔ اگر بفرض محال یہ ایک ہی نماز کے بارہ میں ہوتیں

تو بھی آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ تین دفعہ اعضائے وضو کو دھونے والی حدیث ایک یا دو دفعہ دھونے والی حدیث کے خلاف ہے۔ تین کپڑوں والی حدیث ایک کپڑا پہننے کے خلاف ہے۔ آپ نے خود لکھا ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ بیس رکعت میں آٹھ شامل ہیں۔ تحقیق تراویح ص ۱۰۰۔ یہ بھی لکھا ہے ہم ان کی بیس رکعت تراویح پر کوئی اعتراض نہیں کرتے ص ۱۰۴۔ اگر بیس رکعت تراویح حدیث صحیح کے خلاف ہے تو آپ کو اعتراض کیوں نہیں۔ اگر خلاف نہیں تو بات ختم ہوئی۔

نوٹ: ایوب صابر اوران کے شیخ الحدیث صاحبان کی ایک عادت یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں لاجواب ہو جاتے ہیں تو موقع بے موقع تقلید کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ اس بارہ میں میرا خیال ہے کہ ان کو وکیل اہل حدیث ہند کی ایک نصیحت یاد کرا دوں۔ انہوں نے بڑے درد دل سے فرمایا۔ ''جو شخص سچا اہل حدیث رہنا چاہتا ہے وہ اس نوٹ کو ملاحظہ کرے اور اس پر کار بند ہو ورنہ مطلق تقلید سے متنفر ہو کر اعتزال، نیچریت، مرزائیت، چکڑالویت اور دہریت میں جا پڑے گا۔ امام شافعیؒ نے اتباع قول صحابہ کا نام تقلید رکھا ہے اور ابن القیم نے بھی اس محاورہ کو مسلم رکھا ہے۔ امام شافعی اور حافظ ابن القیم کے یہ اقوال فرقہ اہل حدیث کے ان جہلا اور بعض علماء پیروان خواہش جہلا کے لیے ایک عبرت خیز و ہدایت انگیز تازیانہ ہے جو لفظ تقلید و مقلد کے نام سے چونک اٹھتے ہیں اور یہ الفاظ سنتے ہی ایسے چڑتے اور جلتے ہیں جیسے دیہاتی سکھ بانگ سننے سے یا متعصب ہندو کلمہ پڑھنے سے'' (اشاعت السنہ ص ۱۲۶، ج ۴) دیکھئے مولانا محمد حسین بٹالوی وکیل اہل حدیث ہند نے تقلید کو اذان اور کلمہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور تقلید سے چڑنے والوں کو دیہاتی سکھوں اور متعصب ہندوؤں سے۔

تقلید سے آپ کو چڑ تھی ہی، اب تو حدیث سے بھی چڑ ہو گئی ہے کہ جس حدیث کو امت کی تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے اس کے خلاف گستاخانہ لہجہ اختیار کیا

اور یہ صرف ایوب صابر یا سلطان محمود کا ہی شیوہ نہیں بلکہ اپنے بڑوں سے احادیث کو رد کرنے کی عادت وراثت میں ملی ہے چنانچہ مولانا محمد حسین بٹالوی اپنے زمانہ کے غیر مقلدین کو نصیحت فرماتے ہیں۔ علماء کو یہ لائق نہیں کہ ہر ایک حدیث خصوصاً احادیث، طبقہ رابعہ سے بلا تحقیق صحت تمسک کریں اور نہ عوام کو یہ زیبا ہے کہ جو حدیث کسی کی زبان سے سن لیں یا تراجم کتب حدیث میں دیکھ لیں اس سے بلا تحقیق صحت و مراجعت علماء لپٹ جایا کریں اور اتنی ہی بساط پر اہل حدیث کہلائیں اور مطلق تقلید کو بالفاظ قحبہ زال وغیرہ وغیرہ صلوٰتیں سنائیں اور مقلدین مذاہب مجتہدین کو برائی سے یاد کریں ایسے اندھا دھند احادیث پر عمل کرنے والے محققوں اور مذاہب مشہورہ کے مقلدوں میں سر مو فرق نہیں ہے۔ ہاں فرق یہ ہے کہ وہ ائمہ مجتہدین مسلم الاجتہاد کے مقلد ہیں اور یہ غیر مجتہدین کے مقلد یہ مقلد نام کے محقق جیسے احادیث غیر صحیحہ کے تسلیم میں بے ضبطی کر رہے ہیں ویسے ہی احادیث صحیحہ و حسنہ لائق عمل کو رد کرنے میں بے ضبط ہو رہے ہیں بہت سی احادیث کو جو ائمہ مجتہدین اور محدثین کے نزدیک مانی ہوئی اور لائق عمل قرار دی گئی ہیں، یہ صرف انکے بعض راویوں کو مجروح و مطعون دیکھ کر ضعیف قرار دیتے ہیں اور یہ بھی کہہ بیٹھتے ہیں کہ جو مسئلہ اس حدیث سے فلاں امام یا مجتہد نے نکالا ہے اس کی کوئی اصل نہیں" (اشاعت السنہ ج ۱۱)

مولانا عبدالجبار غزنوی اور مولانا عبدالتواب ملتانی فرماتے ہیں:

"اور ہمارے اس زمانہ میں ایک فرقہ نیا کھڑا ہوا ہے جو اتباع حدیث کا دعویٰ رکھتا ہے اور در حقیقت وہ لوگ اتباع حدیث سے کنارے (بہت دور) ہیں۔ جو حدیثیں کہ سلف و خلف کے ہاں معمول بہا ہیں ان کو ادنیٰ سے قدح اور کمزور سی جرح پر مردود کہہ دیتے ہیں اور صحابہ کے اقوال و افعال کو ایک بے طاقت سے قانون اور بے نور سے قول کے سبب پھینک دیتے ہیں اور ان پر اپنے بے ہودہ خیالوں اور بیمار فکروں کو مقدم کرتے ہیں اور اپنا نام محقق رکھتے ہیں حاشا وکلا، اللہ کی قسم یہی لوگ ہیں جو

شریعت نبویہ کی حد بندی کے نشان گراتے ہیں۔ اور ملت حنیفیہ کی بنیادوں کو کھنہ کرتے ہیں اور سنت مصطفویہ کے نشانوں کو مٹاتے ہیں اور احادیث مرفوعہ کو چھوڑ رکھا ہے اور متصل الاسانید آثار کو پھینک دیا ہے اور ان کے دفعہ کرنے کیلئے وہ حیلہ بناتے ہیں کہ جنکے لیے کسی یقین کرنے والے کا شرح صدر نہیں ہوتا نہ کسی مومن کا سر اٹھتا ہے"۔

(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۸۰، ج ۷)

یہ غیر مقلد علماء کی شہادتیں ہیں اور قرآن پاک کے مطابق دو شہادتوں سے بات ثابت ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ فرقہ نیا بنا ہے۔ ان کا مشن حیلے بہانوں سے صحیح احادیث کو رد کرنا ملت حنیفیہ کی بنیادیں کھودنا اور سنت نبویہ کو مٹانا ہے آج اسی مشن کے علمبردار سلطان محمود جلال پوری ہیں۔

دور فاروقی وعثمانی

دور فاروقی (۱۵ھ) میں باقاعدہ نماز تراویح باجماعت کا اہتمام کیا گیا۔ (بخاری ص ۲۶۹ ج ۱ مسلم ص ۲۵۹ ج ۱) اس وقت لوگ باجماعت کتنی رکعات پڑھتے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ملاحظہ کیجئے

۲۔ عَنِ السَّائِبِ بن يَزِيْدَ قَالَ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً قَالَ وَكَانُوْا يَقْرَئُوْنَ بِالْمَئِيْنِ وَكَانُوْا يَتَوَكَّئُوْنَ عَلٰى عِصِيِّهِمْ فِيْ عَهْدِ عُثْمَانَ رضى الله عنه مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ (بیہقی ص ۴۹۶ ج ۲)

"حضرت سائب بن یزید صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ (اور حضرت عثمانؓ) کے زمانہ میں (صحابہ کرام باجماعت) بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے اور قاری صاحب سو سو آیات والی سورتیں پڑھتے اور لوگ لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لیتے"

اس روایت کے بارہ میں خود ایوب صابر صاحب لکھتے ہیں اس حدیث کی

سند بلاغبار صحیح ہے (تحقیق تراویح ص ۵۱ البتہ یہ جھوٹ بولا ہے کہ اس میں فی عہد عثمان کے الفاظ مدرج ہیں۔

۳۔ وروی مالک من طریق یزید بن خُصَیْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بن یزید عِشْرِیْنَ رَکْعَةً (فتح الباری ص۸۰ ج۴)

امام مالکؒ نے یزید بن خصیفہ کے طریق سے سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح تھیں۔

۴۔ وفی الموطا من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید انّھا عِشْرُوْنَ رَکْعَةً. (فتح الباری ص۸۰ ج۴)

ترجمہ مثل سابق۔ یہ سند مالک عن یزید بن خصیفہ عن السائب بخاری ص۳۱۲ ج۱ پر موجود ہے۔

ان دونوں روایات کی سند پر تو صابر صاحب اعتراض نہیں کر سکے۔ ہاں انکار حدیث کے جذبے نے جوش کیا تو یہ لکھ دیا کہ یہ حافظ ابن حجر کا وہم ہے اور شوکانی نے اس کی تقلید کی ہے۔ حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ میں فوت ہوئے۔ اس وقت سے چودھویں صدی کے اختتام تک تقریباً ساڑھے پانچ صدیاں گزر چکیں، اس زمانہ میں سینکڑوں محدثین گزرے فتح الباری نایاب کتاب نہیں تھی سب کی نظر سے گزری اور موطا بھی نایاب نہ تھی۔ اتنی صدیوں میں کسی محدث نے اس حدیث کو وہم قرار دیا ہو، اس کا مستند حوالہ پیش فرمائیں ورنہ سوائے انکار حدیث کے جذبہ کے اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ موطا امام مالکؒ کے سولہ نسخے ہیں جن میں سے ہمارے پاس صرف دو ہیں۔ امام یحییٰؒ والا اور امام محمدؒ والا۔ ان دونوں میں بھی روایات کم وبیش ہیں تو جب ابن حجر اور شوکانی کے نسخہ میں یہ موجود ہے تو یہ اختلاف نسخہ اور زیادت ثقہ ہے جو اجماعاً مقبول ہے۔

۵۔ عن السائب بن یزید قال کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ

الْخَطَّابِ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرِ.

(معرفۃ السنن بیہقی ص ۳۶۷، کنز العمال ص ۲۶۴ ج ۸)

"حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ بن الخطاب کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح (باجماعت) اور وتر پڑھتے تھے"۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (شرح المہذب) علامہ سبکی، سیوطی اور ملا علی قاری نے اس کو صحیح فرمایا اور نیموی نے اس تصحیح کو نقل فرمایا ہے۔ (آثار السنن ص ۵۵ ج ۲) ان اہل فن محدثین کی تصحیح کے بعد بیچارے ایوب صابر کی کیا حیثیت ہے ہاں جیسا کہ فتاویٰ علمائے حدیث سے گزرا کہ حیلے بہانوں سے احادیث کا انکار ان کی عادت قدیمہ ہے۔

ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں۔

۶۔ رُوِیَ الْحارث بن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال كَانَ الْقِيَامُ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بِثَلَاثٍ وَّ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً.

(سندہ صحیح)

"حضرت سائب بن یزیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے زمانہ میں لوگ بیس رکعت تراویح باجماعت پڑھتے تھے"

۷۔ عن محمد بن كَعْبِ الْقُرَظِي كَانَ النَّاسُ يُصَلُّوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرؓ بن الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُوْنَ بِثَلَاثٍ.

(قیام اللیل ص ۱۵۷)

"حضرت محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں باجماعت بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے"

۸۔ عن یذید بن رُوْمَانَ قَالَ کَانَ النَّاسُ یَقُوْمُوْنَ فِیْ زَمَانِ عُمَرَبن الْخَطَّابِ فِیْ رَمَضَانَ بِثَلاثٍ وَّعِشْرِیْنَ رَکْعَةً.

(موطا امام مالک ص۴۰)

''یزید بن رومانؒ سے روایت ہے کہ سب لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں (باجماعت) بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے''۔

۹۔ عن یحییٰ بن سعید عن عُمَرَ بن الخطاب اَنَّہٗ اَمَرَ رَجُلاً اَن یُّصَلِّیَ بِھِمْ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً.

(ابن ابی شیبہ ص۳۹۳ ج۲)

''حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے''

۱۰۔ عن الحسن اَنَّ عمر بن الخطاب جَمَعَ النَّاسَ عَلٰی اُبَیِّ بن کَعْبٍ فَکَانَ یُصَلِّیْ بِھِمْ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً.

(نسخہ ابوداؤد مطبوعہ عرب ص۱۴۲۹)

''امام حسن فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کے لیے حضرت ابی بن کعبؓ کو تراویح کا امام مقرر کیا وہ بیس رکعت پڑھاتے تھے''۔

اس حدیث میں ابوداؤد کے دو نسخے ہیں بعض نسخوں میں عِشْرِیْنَ رَکْعَةً ہے۔ اور بعض میں عِشْرِیْنَ لَیْلَةً ہے۔ جس طرح قرآن پاک کی کسی آیت کی دو قرأتیں ہوں تو دونوں کو ماننا چاہیے۔ ہم دونوں نسخوں کو تسلیم کرتے ہیں لیکن حیلے بہانوں سے انکار حدیث کے عادی سلطان محمود جلال پوری نے اس حدیث کا انکار کر دیا اور الٹا الزام علماء دیوبند پر لگا دیا کہ انہوں نے حدیث میں تحریف کی ہے حالانکہ یہ حدیث الشیخ محمد علی الصابونی الاستاذ بکلیة الشریعہ و دراسات الاسلامیہ جامع ام القریٰ مکة المکرمہ

نے بھی اپنی کتاب الھدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح ص ۵٦ پر نقل کی ہے بلکہ دیوبند کا مدرسہ بننے سے صدیوں پہلے علامہ ذہبیؒ نے اپنی مشہور کتاب سیر اعلام النبلاء ص ۴۰۰ ج ۱ پر ابوداؤد کے حوالہ سے عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً نقل فرمایا ہے۔ احادیث کا انکار کرنے کے لیے دوسروں پر تحریف کے الزام لگانا یہ غیر مقلدوں کے شیوخ الحدیث اور پیشہ ور واعظوں کا روز مرہ کا معمول بن چکا ہے۔ امام اعظم سے بغض کی نحوست ہے کہ اب احادیث کا کھلم کھلا انکار ہو رہا ہے۔

۱۱۔ عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب اَمَرَہٗ اَنْ یُّصَلِّیَ بِاللَّیْلِ فِیْ رَمَضَانَ فَصَلّٰی بِھِمْ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً۔

(کنز العمال ص ۲٦۴، ج ۸)

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھے حکم دیا کہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاؤں"۔

۱۲۔ عن السَّائِبِ بن یَزِیْد اَنَّ عُمَرَ بن الخطابؓ جَمَعَ النَّاسَ فِیْ رَمَضَانَ عَلٰی اُبَیِّ بن کَعْبٍ وَتَمِیْمَ الدَّارِیُ عَلٰی اِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً.

(الحدیث، عبدالرزاق ج ۴، ص ۲٦۰)

"حضرت سائب سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو خود ابی بن کعب اور تمیم داری پر جمع فرمایا وہ لوگوں کو اکیس (۲۱) رکعت پڑھاتے تھے"۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ و یوتر بثلاث فرای اکثر من العلماء ان ذالک ھو السنۃ لانہ قام بین المھاجرین والانصار ولم ینکرہ

منکر. (فتاویٰ ابن تیمیہ قدیم ج ا ص ۱۸۲ جدید ص ۱۱۲ ج ۲۳)

"یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے اس لیے علماء کی اکثریت کی رائے میں بیس ہی سنت ہیں کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے مہاجرین (بھی بیس ہی پڑھتے تھے) اور انصار (بھی بیس ہی پڑھتے تھے) اور کسی منکر نے بھی (بیس رکعت تراویح کے سنت ہونے کا) انکار نہیں کیا"۔

ایوب صابر صاحب نے بڑے چیلنج سے لکھا ہے کہ ابن تیمیہ کی کوئی ایسی عبارت نہیں ہے۔ اس لیے اب ہم نے اصل عربی عبارت بھی لکھ دی ہے اور دو ایڈیشنوں کا حوالہ دیا ہے۔ اب ایوب صاحب اپنے شیخ الحدیث سلطان محمود اور استاد محمد رفیق کو لے کر کسی پرائمری سکول میں داخل ہو جائیں تاکہ حرف شناسی کے بعد حوالہ تلاش کرنے کی بصیرت حاصل ہو جائے۔ ان گیارہ روایات سے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قولاً فعلاً تقریراً تشریعاً بیس رکعت تراویح پر مواظبت ثابت ہو گئی۔ ایسے ہی حضرت عثمانؓ سے بھی فعلاً تقریراً اور تشریعاً بیس رکعت تراویح پر مواظبت ثابت ہو گئی جس سے بیس رکعت کا سنت خلفاء راشدین ہونا واضح طور پر ثابت ہو گیا۔ ہمارا چیلنج ہے کہ دور فاروقی و دور عثمانی سے لے کر دور برطانیہ تک کسی ایک بھی سنی محدث یا فقیہ یا مورخ نے دور فاروقی، دور عثمانی میں بیس رکعت تراویح کی مواظبت کا انکار نہیں کیا نہ ہی دور برطانیہ سے قبل کسی مستند اسلامی کتاب میں اس مواظبت کے خلاف کوئی احتجاج ہے۔

غیر مقلدین کو احادیث کے انکار کی جولت پڑ گئی ہے اس کے موافق ایوب صاحب نے پہلے تو انکار کے حیلے بہانے شروع کیے مثلاً روایت ۵ کے بارہ میں کہا کہ ابو عثمان بصری مجہول ہے مگر اس کا حوالہ اہل فن اسماء الرجال کی کتب سے پیش نہ کر سکے جب کہ علامہ سبکی، سیوطی، نووی، ملا علی قاری جیسے اہل فن محدثین نے اس کو صحیح کہا

ہے تو جاننے والے اہل فن کے مقابلے میں انجان نااہل کی بات کا کیا وزن؟ حدیث نمبر ۷، ۸، ۹، کے بارہ میں انقطاع وارسال کا شور مچایا۔ حالانکہ اسے خوب معلوم ہے کہ احناف کے ہاں خیر القرون کے ارسال کو جرح ہی نہیں مانا جاتا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام احمدؒ تو مرسل کو ویسے ہی حجت مانتے ہیں۔ امام شافعی اور ان کی تقلید شخصی میں غیر مقلدین معتضد کو حجت مانتے ہیں دیکھو مبارک پوری کی تحقیق الکلام۔ یہ سب مراسیل معتضدہ ہیں۔ ان کے حجت ہونے کا کوئی مسلمان محدث یا فقیہ منکر نہیں ہے۔ صرف ایک مستند حوالہ تحریر کریں۔ ایوب صابر صاحب نے ان روایات کو صرف اس لیے رد کر دیا کہ فلاں راوی حضرت عمرؓ کے زمانہ سے ۲۳ سال بعد پیدا ہوا اس لیے روایت مردود ہے۔ اس طرز سے بیچارے عوام تو سمجھیں گے کہ بہت بڑی تحقیق ہے مگر جن کی کتب حدیث پر نظر ہے وہ بیچارے کانپ اٹھیں گے کہ دیکھو انکار حدیث کا دروازہ کھول دیا۔ جذبات اور تعصب سے ہٹ کر آپ غور فرمائیں کہ عیسائیوں اور نیچریوں نے آنحضرت ﷺ کے اکثر معجزات کا انکار اسی بنا پر کیا کہ فلاں معجزہ روایت کرنے والا صحابی تو اس وقت ابھی مسلمان بھی نہیں ہوا تھا یا ابھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا، منکرین حدیث نے بھی اکثر احادیث کا انکار اسی اصول پر کیا کہ فلاں صحابی واقعہ کا عینی شاہد نہیں ہے اس لیے سند متصل نہیں مگر علمائے محدثین نے ان سب باتوں کا ایک ہی اصولی جواب دیا کہ مراسیل صحابہ باجماع امت حجت ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے محدثین کے اس اجماعی ضابطہ کو قبول کر لیا، وہ انکار معجزات اور انکار حدیث سے بچ گئے اور جو جذبات اور تعصب کی رو میں بہہ گئے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور کتنے ہی سادہ لوح لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ صحابہ کے بعد خیر القرون کی مرسلات کے بارہ میں اختلاف ہوا۔ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ نے ان مرسلات کو بھی قبول فرمایا اگر راوی ثقہ ہو۔ امام شافعیؒ نے اس کو قبول کرنے سے انکار فرمایا مگر انہوں نے اندازہ لگایا کہ اس طرح تو بہت سے ذخیرہ حدیث کا انکار ہو جائے گا تو انہوں نے بعض تابعین

کی مراسیل کو تو مطلقاً قبول فرمالیا اور بعض کے قبول میں یہ شرط لگادی کہ اگر اس مرسل کی تائید دوسری سند سے یا تعامل سے ہو جائے تو مقبول ہوگی ایسی مرسلات کو مراسیل معتضدہ کہا جاتا ہے، جس طرح مراسیل صحابہ کے ماننے پر امت کا اجماع ہے ایسے ہی مراسیل معتضدہ کے ماننے پر امت کا اجماع ہے۔

عیسائیوں اور نیچریوں نے مراسیل صحابہ کے ماننے سے انکار کیا اور بہت سے معجزات واحادیث کا انکار کر دیا غیر مقلدین نے اجماع امت کے خلاف مراسیل معتضدہ کے ماننے سے انکار کیا اور بہت سی سنتوں کا انکار کر کے خود بھی گمراہ ہوئے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اگر غیر مقلدین اس اجماع کو نہیں مانتے تو وہ قرآن پاک کی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث سے ثابت کر دیں کہ مراسیل صحابہ کو حجت ہیں لیکن مراسیل معتضدہ حجت نہیں۔ اور مطلق مراسیل خیر القرون کے بارہ میں تینوں اماموں کا قبول کرنا فلاں حدیث کے خلاف ہے اور امام شافعیؒ کا مرسل غیر معتضد کو رد کرنا فلاں حدیث کے موافق ہے۔ اور عجیب بات تو یہ ہے کہ جن کتابوں پر یہ مدار رکھا ہے کہ فلاں راوی کب پیدا ہوا اس میں حافظ ابن حجر اور زیلعی عینی یا آثار السنن سے اقوال نقل کیے ہیں جو ان راویوں سے سینکڑوں سال بعد لکھی گئیں۔ ۲۰ سال کا انقطاع تو حجت نہیں، ۸سو سال کا انقطاع حجت ہے۔ یہ ہی کسی حدیث سے ثابت فرمادیں اور یہ بھی ثابت فرمائیں کہ خیر القرون پر اعتماد نہ کرنا بعد میں آٹھویں صدی والوں کو ﴿اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ بنا کر مان لینا بلا چوں چرا ان کی باتوں سے ایسی احادیث کو بھی رد کر دینا جن پر پوری امت عمل کرتی چلی آرہی ہے۔ چونکہ بیس رکعت کے بارہ میں جو مراسیل ہیں وہ معتضدہ ہیں اس لیے خود امام شافعیؒ نے بھی بیس تراویح کا انکار نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا احب الی عشرون. (میرے نزدیک بیس رکعات پسندیدہ ہیں) (قیام اللیل) اور امام شافعیؒ کے مقلدین میں سے بھی کسی نے دور فاروقی کی بیس رکعت تراویح کا انکار نہ فرمایا بلکہ بیس تراویح کو بالاتفاق سنت مانا چنانچہ امام نوویؒ

کتاب الاذکار ص ۸۱، میں فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح کے سنت ہونے پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ مرسل معتضد کا حجت ہونا غیر مقلدین میں سے حکیم محمد صادق سیالکوٹی نے صلوۃ الرسول اور عبدالرحمٰن مبارک پوری نے تحقیق الکلام میں تسلیم کرلیا ہے۔ ابن القیم کی زادالمعاد ص ۱۰۳ ج ا پر بھی ہے۔ جب اس کا دل اس جواب سے مطمئن نہ ہوا تو ان گیارہ احادیث (جو محکم ہیں اور جن پر مواظبت ساری امت تسلیم کرتی ہے) کے معارضہ میں ایک مضطرب اور ایسی روایت پیش کی جس کے بارہ میں اہل سنت والجماعت محدثین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ یا تو وہم ہے یا اس پر مواظبت نہیں ہوئی۔ اس لیے بیس کے سنت ہونے پر اس معارضہ کا کوئی اثر نہیں۔

خود ایوب صاحب نے اہل فن محدثین علامہ زرقانی، علامہ ابن عبدالبر اور امام بیہقی سے نقل کیا ہے کہ پہلے گیارہ کا حکم تھا پھر بیس کا ص ۹۷، ۹۸ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ گیارہ پر مواظبت نہیں ہوئی اس لیے وہ سنت ہرگز نہیں اور ۲۳ پر مواظبت ہوئی ہے وہی سنت ہے۔ پوری امت کے مقابلہ میں ایوب صاحب بلا کسی مستند حوالے کے اپنا وسوسہ یوں بیان کرتے ہیں ہوسکتا ہے کہ پہلے بیس ہوں پھر گیارہ مگر افسوس کہ ایسا ہوا نہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ ان دونوں مبارک زمانوں میں حضرت عائشہؓ بھی حیات تھیں اور یہ حدیث بھی روایت کرتی تھیں کہ جس نے دین میں بدعت جاری کی وہ بدعت مردود ہے۔ ان کے دل میں سنت کی محبت اور بدعت سے نفرت یقیناً غیر مقلدین کی نسبت ہزاروں گنا زائد تھی لیکن انہوں نے کبھی تہجد والی حدیث کو ان کے خلاف پیش نہ فرمایا غیر مقلدین جواب دیں کہ آخر کیا وجہ تھی یا تو حضرت عائشہؓ کو اتنی سمجھ ہی نہ تھی کہ اس حدیث کو بیس رکعت کے خلاف پیش کیا جاسکتا ہے یا سنت نبوی کے مٹنے اور بدعت کے جاری ہونے پر انہیں کوئی ملال نہ تھا۔ اور ان میں دینی غیرت غیر مقلدوں جتنی بھی نہ تھی (معاذ اللہ) اور اس دور میں مدینہ میں حضرت جابرؓ بھی

زندہ تھے جو آنحضرت ﷺ سے اپنے کانوں سے یہ حدیث سن چکے تھے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے مگر ان کے سامنے رمضان کے مقدس مہینے میں مسجد نبوی میں کھلم کھلا سنت نبوی کی مخالفت شروع ہو گئی بدعت جاری ہو گئی مگر حضرت جابرؓ نے کوئی حدیث ان کے سامنے پیش نہ کی۔

دور مرتضوی

دور فاروقی کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں بیس رکعت پر تمام مہاجرین وانصار نے مواظبت فرمائی اس کے خلاف گیارہ کی روایت کو وہم قرار دیا گیا اور پوری امت کا اجماع ہے کہ مواظبت تو اس پر یقیناً نہیں ہوئی دور عثمانی میں بھی بیس رکعت تراویح پر ہی مواظبت ہوئی۔ کسی محدث کسی فقیہ اور کسی مورخ سے اس کا انکار ثابت نہیں اور آٹھ رکعت کا اس دور میں واہی سند سے بھی کوئی نشان نہ ملا۔ نہ کتب حدیث میں نہ کتب فقہ میں نہ کسی مستند تاریخ میں یہاں غیر مقلدین بھی صُمٌّ بُکْمٌ ہو گئے ہیں۔

۱۳۔ عَنْ اَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السُّلَمِیِّ عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ دَعَا الْقُرَّاءَ فِیْ رَمَضَانَ فَاَمَرَ مِنْهُمْ رَجُلاً یُّصَلِّیْ بِالنَّاسِ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَکَانَ عَلِیٌّؓ یُوْتِرُ بِهِمْ. (بیہقی ص۴۹۶ ج۲)

''ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے اور حضرت علیؓ خود انہیں وتر پڑھاتے تھے''

۱۴۔ عَنْ اَبِی الْحَسْنَاءِ اَنَّ عَلِیًّا اَمَرَ رَجُلاً یُّصَلِّیْ بِهِمْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً. (مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۳، ج۲)

''ابوالحسناءؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرے''

۱۵۔ عن ابی الحسناء اَنَّ علی ابن ابی طالب اَمَرَ رَجُلاً اَنْ

يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً.

(بیہقی ج ۲، ص ۴۹۷)

"ابوالحسناءؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویحات بیس رکعت تراویح پڑھایا کرے۔

۱۶۔ حدثنی زید بن علی عن ابیه عن جده عن علیؓ اَنَّهٗ اَمَرَ الَّذِیْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْقِيَامِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ اَنْ يُّصَلِّيَ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَ يُرَاوِحُ مَابَيْنَ كُلِّ اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ فَيَرْجِعُ ذُوالْحَاجَةِ وَيَتَوَضَّا الرَّجُلُ وَاَنْ يُّوْتِرَبِهِمْ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ حِيْنَ الْاِنْصِرَافِ. (مسند الامام زید ص ۱۳۹)

"امام زید اپنے والد امام زین العابدینؒ سے اور وہ اپنے والد حضرت امام حسینؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جس امام کو رمضان میں تراویح پڑھانے کا حکم دیا اسے فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے ہر دو رکعت پر سلام پھیرے ہر چار رکعت کے بعد آرام کا وقفہ دے کہ حاجت والا فارغ ہو کر وضو کر لے اور سب سے آخر میں وتر پڑھائے"

ان چاروں روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں اور کتنے ہی اختلاف ہوئے ہوں مگر تراویح میں قطعاً کوئی اختلاف نہ تھا، سب نے بیس رکعت تراویح پر مواظبت فرمائی۔ حضرت علیؓ خود یہ حدیث روایت فرماتے تھے کہ حرم میں بدعت ایجاد کرنے والے کے نہ فرض قبول ہیں نہ نفل (بخاری ص ۱۰۸۴، ج ۲) آپ کو بدعت سے اتنی نفرت تھی کہ ایک موذن کو دیکھا کہ اذان کے بعد تھویب کر رہا ہے آپ نے فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

(البحر الرائق ج ۱ ص ۲۶۱)

ایک شخص کو عیدگاہ میں نماز عید سے قبل نفل پڑھتے دیکھا تو اسے منع فرمایا، اس نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نماز پر مجھے سزا دیں گے۔ فرمایا عید سے پہلے نوافل کا ثبوت نہیں اس لیے یہ عبث ہے حرام ہے مخالفت رسول ہے اس پر اللہ تجھے سزا دے گا (کذا فی الجنتہ ص ۱۶۵) جو حضرت علیؓ دو نفل کی بدعت تو برداشت نہیں کر سکتے وہ خود بلا ثبوت بارہ زائد رکعات کا حکم کیسے دے سکتے ہیں؟ کسی مسلمہ محدث فقیہ یا مورخ نے دور مرتضوی میں بیس رکعت تراویح کی مواظبت پر انکار نہیں فرمایا اور نہ ہی اس پورے دور میں کسی واہی یا ضعیف ترین سند سے آٹھ رکعت تراویح کا نشان ملا، نہ کتب حدیث میں نہ کتب فقہ میں نہ کتب تاریخ میں غیر مقلدین کی پوری جماعت یہاں کشتی ڈبو کے بیٹھی ہے۔ امام بیہقیؒ نے اثر علیؓ کو اثر شُتَیر بن شَکَل کی قوت کے لیے روایت کیا ہے۔ امام ابن تیمیہ نے منہاج السنہ ص ۲۲۴ ج ۲ پر اس سے استدلال کیا ہے اور علامہ ذہبی جیسے ناقد فن نے اس پر المنتقی ص ۵۴۲ میں سکوت فرمایا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں اکثر اہل علم کا قول ہے جیسا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ سے مروی ہے کہ بیس رکعات پڑھنی چاہئیں اور یہی قول امام سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ، اور امام شافعیؒ کا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں اسی طرح پایا ہے کہ سب لوگ بیس رکعات پڑھتے ہیں ص ۱۳۹، ج ا۔ ایوب صابر کو اس دور میں آٹھ تراویح کے بارے میں ہر طرف اندھیر نظر آیا تو مارے حسد کے ان روایات کے انکار پر اتر آیا۔ یہ تو اس کی جماعت کی پرانی عادت ہے۔ کبھی تو یہ شور مچایا کہ ابو الحسناء غیر معروف ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ احناف کے ہاں تو خیر القرون کی جہالت و تدلیس وارسال جرح ہی نہیں اور شوافع کے ہاں متابعت سے یہ جرح ختم ہو گئی۔ کیونکہ حضرت علیؓ سے بیس رکعت تراویح روایت کرنے میں ابو الحسناء اکیلے نہیں بلکہ سیدنا امام حسینؓ اور امام ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ بھی یہی روایت کرتے ہیں۔ حماد بن شعیب کی صرف وہ روایت ضعیف ہے جس میں اس کا کوئی متابع نہ ہو نہ شاہد ہو، یہاں تین سندیں اس

کے شواہد میں ہیں اور محدثین کے نزدیک تعدد طرق سے ایسے ضعف بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ عطاء بن سائب پر آخر عمر میں خلط حفظ کی جرح کی ہے جو شواہد و متابعات سے بالکل ختم ہو جاتی ہے اس لیے ایک بھی جرح موثر نہیں تمام جروح مردود ہیں۔ الحاصل خلافت راشدہ میں بلانکیر بیس رکعت تراویح پر عمل جاری رہا اور قرآن پاک میں ہے کہ دور خلافت میں وہ دین مضبوطی سے پھیلے گا جس سے خدا راضی ہے۔ (النور)

دیگر صحابہ کرام اور تابعین کا تعامل

۱۷ ۔امام حسن بصری عبدالعزیز بن رفیعؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ مدینہ منورہ میں رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲)

۱۸۔ عن زید بن وهب قال كان عبدالله بن مسعود يُصَلِّي بِالنَّاسِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ قَالَ الاَعْمَش كَانَ يُصَلِّي عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (قیام اللیل ص ۹۱)

”زید بن وہب سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہمیں رمضان شریف میں تراویح پڑھاتے تھے۔ امام اعمش بھی فرماتے ہیں کہ بیس تراویح پڑھاتے تھے“

۱۹۔ عن عطاء قال اَدْرَكْتُ النَّاسَ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ ثَلاثًاوَّ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ۔ (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

”حضرت عطاء م ۱۱۴ھ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو بیس تراویح اور تین وتر ہی پڑھتے پایا“۔

۲۰۔ ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم اِنَّ النَّاسَ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ فِيْ رَمَضَانَ.

(کتاب الآثار ابو یوسف ص ۴۱) (۱۷، ۱۸ مراسیل معتضدہ

سے ہیں جو اجماعاً حجت ہیں۔ ۲۰،۱۹ کی سند بالکل صحیح ہے)

"امام ابوحنیفہؒ امام حماد سے وہ امام ابراہیم تابعی سے روایت کرتے ہیں کہ سب لوگ (صحابہ تابعین وتبع تابعین) رمضان میں بیس تراویح ہی پڑھا کرتے تھے"۔

۲۱۔ عن شُتَیرِ بن شَکَلٍ وَکَانَ مِنْ اَصْحَابِ عَلِیٍّؓ اَنَّہٗ کَانَ یَؤُمُّھُمْ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَیُوْتِرُ بِثَلاثٍ

(بیہقی ص ۴۹۶ ج ۲)

"حضرت شتیر بن شکلؒ جو حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھے رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے"۔

۲۲۔ عن اَبِی الْبَخْتَرِیْ اَنَّہٗ کَانَ یُصَلِّیْ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ وَ یُوْتِرُ بِثَلاثٍ. (ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲)

"ابوالبختری م ۸۳ھ یہ بھی اصحاب علیؓ سے تھے اور بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے خلف سے شعبہ راوی ہے وھو لا یروی الا عن ثقة. (تہذیب ص ۱۴۹، ج ۳)

۲۳۔ عن ابی الخُصَیْبِ قَالَ کَانَ یَؤُمُّنَا سُوَیْدُ بْنُ غَفَلَةَ فِیْ رَمَضَانَ فَیُصَلِّیْ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً.

"ابوالخصیب سے روایت ہے کہ حضرت سوید بن غفلہؒ م ۸۰ھ ہمیں رمضان شریف میں پانچ ترویحے بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے"۔ (بیہقی ج ۲، ص ۴۹۶)

۲۴۔ عن نافع بن عمر قال کَانَ ابْنُ اَبِیْ مُلَیْکَةَ یُصَلِّیْ بِنَا فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً۔

(رواہ ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲ واسنادہ صحیح آثار السنن ص ۵۶ ج ۲)

''نافع بن عمر سے روایت ہے کہ ابن ابی ملیکہ، م ۱۱۷ھ ہمیں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے''

۲۵۔ عن سعید بن عُبَیْدٍ اَنَّ عَلِی بن رَبِیْعَةَ کَانَ یُصَلِّیْ بھم فِیْ رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ وَ یُوْتِرُ بِثَلاثٍ۔

سعید بن عبید سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ربیعہ (جو کبار تابعین سے تھے) ہمیں رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے''۔ (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳ اسنادہ صحیح)

۲۶۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکرہؓ (جو حضرت علیؓ کے شاگرد تھے۔ (تہذیب ج ۶ ص ۱۲۸) وہ لوگوں کو پانچ ترویحے بیس تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

(قیام اللیل ص ۱۵۸)

۲۷۔ حضرت سعید بن ابی الحسن جو حضرت علیؓ کے خاص شاگرد تھے (تہذیب ج ۴ ص ۱۶) وہ لوگوں کو پانچ ترویحے بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

(قیام اللیل ص ۱۵۸)

۲۸۔ عمران العبدی حضرت علیؓ کے خاص شاگرد بھی لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ (قیام اللیل ص ۱۵۸)

یہ خیر القرون کا تعامل ہے۔ پورے خیر القرون میں بیس رکعت کے خلاف کبھی کوئی شر کھڑا نہیں کیا گیا اور آپ حیران ہوں گے کہ اس پورے خیر القرون میں صرف آٹھ رکعت تراویح کا نام ونشان نہیں ملتا۔

نوٹ: آنحضرت ﷺ چونکہ تہجد اور وتر کی نماز اکٹھی پڑھا کرتے تھے اس لیے راوی ان سب کو ملا کر کبھی تہجد کے نام سے روایت کر دیتے ہیں کبھی وتر کے نام سے مثلاً عموماً آنحضرت ﷺ آٹھ رکعت تہجد ادا فرماتے اس کے ساتھ تین وتر ملا کر گیارہ ہو جاتیں کبھی فجر کی سنتوں کو بھی ساتھ ملا کر بیان کر دیتے تو تعداد تیرہ ہو جاتی اور کبھی شروع کے دو نفل تحیۃ الوضوء کے بھی راوی ساتھ ملا لیتا تو تعداد ۱۵ ہو جاتی۔ تو یہ صرف طرز

روایت کا اختلاف ہے نہ کہ تعداد کا اختلاف اس سے جیسے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ آنحضرت ﷺ فجر کی سنتیں ۱۵ پڑھتے تھے اسی طرح یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ وتر ۱۵ پڑھتے تھے غلط ہے۔ وتر ان میں تین ہی تھے اور فجر کی سنتیں دو ہی تھیں۔

اسی طرح اہل مکہ ہر چار رکعت کے بعد خانہ کعبہ شریف کا طواف کر لیتے تھے اہل مدینہ اس دوران چار نفل پڑھنے لگے تو بیس تراویح میں سولہ نوافل ملا کر روایت کر دیا گیا تو تعداد چھتیس ہوگئی اور چونکہ تین وتر بھی تراویح کے ساتھ پڑھتے تھے بعض نے ان کو بھی ملا کر روایت کر دیا تو تعداد انتالیس ہوگئی اور بعض نے وتر کے بعد والے نوافل کو بھی شامل روایت کر لیا تو تعداد کتالیس بیان کر دی۔ ہاں بعض لوگ چار یا آٹھ نفل ملاتے تو چھ یا سات ترویحے راوی بیان کر دیتا، الغرض یہ تعداد تراویح کی سنت مقدار کا بیان نہیں بلکہ باقی نوافل وغیرہ ساتھ ملا کر روایت کر دی گئی ہیں صحابہ کی بلانکیر مواظبت چونکہ بیس رکعت پر ہی ہے اس لیے سنت اس کو ہی کہا جائے گا۔ باقی کوئی جتنے نفل چاہے پڑھے کبھی اس کے خلاف احناف نے نہ رسالہ شائع کیا نہ اشتہار نہ چیلنج نہ رمضان کے مقدس مہینہ میں زائد عبادت کرنے والوں کے خلاف کوئی شر کھڑا کیا بلکہ ان لوگوں کی حوصلہ افزائی اور تعریف کرتے ہیں۔

آئمہ اربعہ

نبی پاک ﷺ کی پاک سنتوں اور خلفائے راشدین کے مقدس طریقوں کی حفاظت وتدوین جس جامعیت اور تفصیل کے ساتھ ائمہ اربعہ نے فرمائی ہے یہ مقام امت میں اور کسی کو نصیب نہیں ہوا اسی لیے پوری امت ان ہی کی رہنمائی میں پاک سنتوں پر عمل کر رہی ہے۔ ان میں سے کسی امام کی فقہ کی کسی متن میں آٹھ رکعت تراویح کو سنت اور بیس کو بدعت نہیں لکھا گیا امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ بیس کے قائل تھے اور امام مالکؒ ۲۰ تراویح ۱۶ نوافل ۳۶ کے قائل تھے۔

(بدایۃ المجتہد ص ۱۵۲، ج ۱)

اجماع امت

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح باجماعت پر اجماع ہوا۔

(۱) حضرت ملا علی قاری مکی فرماتے ہیں۔ اجمع الصحابة علی ان التراويح عشرون ركعة. (مرقات ج ۳ ص ۱۹۴)

(۲) وبالا جماع الذی وقع فی زمن عمرؓ اخذ ابو حنيفة والنووی والشافعی واحد والجمور واختاره ابن عبدالبر.
(اتحاف سادۃ المتقین ص ۴۲۲ ج ۳)

(۳) وثبت اهتمام الصحابة علی عشرين فی عهد عمر و عثمان وعلی فمن بعدهم. (حاشیہ شرح وقایہ مولانا عبدالحئی لکھنوی)

(۴) ابن حجر مکی فرماتے ہیں صحابہ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ (انارۃ المصابیح ص ۱۸)

(۵) ابن عبدالبر فرماتے ہیں وهو الصحيح عن ابی بن کعب من غير خلاف من الصحابة. (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۶۷)

(۶) علامہ قاضی خان فرماتے ہیں وهو المشهور من الصحابة والتابعين.
(فتاویٰ قاضی خان ص ۱۱۰)

(۷۔۱۳) ابن قدامہ مغنی ص ۸۰۳، ج ۱ میں شمس الدین شرح مقنع ص ۸۵۲، ج ۱ میں علامہ قسطلانی شرح بخاری میں، مولانا محمد زکریا صاحب اوجز المسالک ص ۳۹۰ میں علامہ عبدالحئی لکھنوی التعليق الممجد ص ۵۳ میں، ملا علی قاری شرح نقایہ ص ۱۰۴ میں، نواب صدیق حسن غیر مقلد عون الباری ص ۳۰۷ ج ۲ میں اجماع کو نقل فرماتے ہیں۔

(۱۴۔۱۵) امام نووی باتفاق المسلمين کے لفظ سے اور ابن تیمیہ فلما جمعهم عمر علی ابی بن کعب سے اس اجماع کا ذکر فرماتے ہیں۔
(کتاب الاذکار ص ۸۳۔ فتاویٰ ص ۴۰۱ ج ۴)

(۱۶۔۱۷) علامہ طحطاوی ص ۲۶۸ ج اعلامہ شرمبلالی مراقی الفلاح ص ۸۱ پر لفظ متوارث سے اجماع بیان کرتے ہیں۔

(۱۸۔۲۶) علامہ ابن الہمام فتح القدیر ص ۴۰۷ ج ۱، علامہ انور شاہ عرف الشذی ص ۳۳۰۔ علامہ ابن نجیم البحرالرائق ص ۶۶ ج ۲، شیخ عبدالحق محدث دہلوی ماثبت بالسنہ ص ۲۱۷، علامہ شامی ردالمحتار ص ۵۱۱ ج ۱، علامہ کاسانی البدائع والصنائع ص ۲۸۸ ج ۱، علامہ سبکی المصابیح ص ۱۶، علامہ سیوطی المصابیح ص ۱۶، علامہ حلبی شرح منیہ ص ۳۸۸ پر ثم استقر الامر علی ھذا وغیرہ الفاظ سے اس اجماع کا ذکر فرماتے ہیں اور کسی اہل فن نے اس کا انکار نہیں کیا۔

ایوب صابر تمام غیر مقلدین کو ساتھ ملا کر بلکہ غیر مقلدیت کی ترقی یافتہ اقسام نیچریوں، قادیانیوں چکڑالویوں اور اپنے محسنین برطانیہ کو ساتھ ملا کر کسی ایک حدیث کی کتاب یا متن فقہ کی مسلمہ کتاب یا مسلمہ تاریخ اسلام سے دکھادیں کہ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح پر اجماع نہیں ہوا یا اس اجماع پر عمل جاری نہیں رہا۔ بلکہ عہد فاروقی میں اجماع صرف آٹھ رکعت پر ہوا اور ان آٹھ پر ہی امت کا تعامل و توارث بلانکیر جاری رہا تو ہم انہیں اس محنت کے صلہ میں ایک دوضب (گوہ) ناشتہ کے لیے پیش کر دیں گے جس طرح اہل فن نے کہا کہ کُلُّ فَاعِلٍ مَرْفُوْعٌ اور کسی اہل فن نے اس کا انکار نہیں کیا تو تمام لوگ اس کو فن کا اجماعی مسئلہ مانتے ہیں۔ اگر کوئی نااہل اس کو نہ مانے تو اس سے اجماع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور یہ تو ایوب صابر صاحب بھی جانتے ہیں کہ قرآن پاک میں سبیل مومنین سے کٹنے والے کو اور حدیث میں اجماع اور سواد اعظم سے ہٹنے والے کو دوزخی کہا گیا ہے اسی بنا پر علامہ انور شاہؒ فرماتے ہیں واما من اکتفی بالرکعات الثمانیۃ وشذعن السواد الاعظم وجعل یرمیھم بالبدعۃ فلیر عاقبتہ (فیض الباری ص ۱۸۱ ج ۳) یعنی جو آٹھ رکعات پر اکتفا کر کے سواد اعظم سے کٹ گیا اور سواد اعظم کو بدعتی کہتا ہے وہ اپنا انجام سوچ لے۔ اور مولانا عبدالحیؒ لکھنوی فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعت

پڑھنے والا سنت موکدہ کا تارک ہے۔ (حاشیہ ہدایہ ص ۱۵۱ ج ۱)

مثال: جس طرح ظہر سے پہلے چار رکعت سنت موکدہ ہے اگر ان چار کے ساتھ کوئی شخص نفل ملا لے تو کوئی ملامت نہیں مگر چار رکعت سنت کی بجائی دو رکعت سنت پڑھنے والا یقیناً تارک سنت اور قابل ملامت ہے۔

ضروری تنبیہ

اہل سنت والجماعت بالترتیب چار دلیلوں کو مانتے ہیں کتاب اللہ سنت رسول اللہ، اجماع امت، قیاس شرعی، اصول حدیث یا اصول فقہ یا اسماء الرجال کی کوئی کتاب خدا اور رسول کی لکھی ہوئی نہیں۔ اس لیے یہ اصول یا اجماعی ہوں گے یا اختلافی۔ ہم اجماعی اصولوں کو دلیل اجماع سے مانتے ہیں اور اختلافی اصولوں میں اصول احناف کے پابند ہیں۔ جس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے وہ لازم العمل ہے اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں یہ اصول اجماعی ہے مرسل معتضد حجت ہے یہ اصول اجماعی ہے، جس مسئلہ پر اجماع ہوا سے اسنادی بحثوں سے مختلف فیہ بنانا بھی اجماعی اصول سے انحراف ہے۔ ہاں خیر القرون میں ارسال جہالت تدلیس کا مسئلہ اختلافی ہے۔ احناف اس کو جرح نہیں سمجھتے ان کو شوافع کے اختلافی اصول ماننے پر مجبور کرنا بھی خرق اجماع ہے۔ غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ ہم صرف قرآن حدیث مانتے ہیں اس لیے وہ بتائیں کہ ان کو تو اجماعی اصول کے استعمال کا بھی حق نہیں چہ جائیکہ اختلافی اصول استعمال کریں وہ بھی ان کے خلاف جو ان کو مانتے ہی نہیں۔ اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین جو بیس رکعت کو بدعت اور آٹھ رکعت کو سنت کہتے ہیں، ان کی اصل دلیل جس کو بنیادی سمجھتے ہیں حدیث عائشہؓ ہے۔

۱۔ لیکن اس سے استدلال کی بنیاد نماز تہجد اور نماز تراویح کا ایک ہونا ہے جس کا ثبوت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ اجماع میں۔

۲۔ امت کے تمام محدثین نے اپنی احادیث کی کتابوں میں تہجد اور تراویح کے

الگ الگ ابواب قائم کیے ہیں۔

۳۔ امت کے تمام فقہاء نے خواہ وہ حنفی ہوں یا شافعی مالکی ہوں یا حنبلی کتب فقہ میں تراویح و تہجد کے ابواب الگ الگ باندھے ہیں۔ گویا محدثین وفقہاء کا یہ قطعی اجماعی مسئلہ ہے۔

(۴۔۱۵) امام مسلم، امام مالک، امام عبدالرزاق، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابوعوانہ، امام ابن خزیمہ، امام مروزی، امام دارمی، صاحب بلوغ المرام، صاحب مشکوۃ سب اس حدیث کو اپنی کتابوں میں لائے ہیں مگر باب تراویح میں نہیں لائے۔

۱۶۔ یہ تمام محدثین اس حدیث کو امام مالکؒ کی سند سے لائے ہیں۔ امام مالکؒ نے کبھی اس سے تراویح پر استدلال نہیں فرمایا کیونکہ وہ تو مع النوافل ۳۶ رکعات کے قائل وفاعل ہیں۔

۱۷۔ امام محمدؒ، امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ اس کو قیام رمضان میں لائے ہیں مگر یہ حضرات بھی تراویح اور تہجد کو ایک نہیں مانتے کیونکہ ان حضرات نے بھی تہجد کا باب تراویح سے الگ باندھا ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ قیام رمضان میں تراویح اور تہجد دونوں پڑھنی چاہئیں چنانچہ امام بخاریؒ تراویح اور تہجد دونوں پڑھا کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد)

۱۸۔ فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے نماز تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے اور تراویح خاص رمضان میں ہے (ص ۳۳۰ ج ۲) اس حدیث عائشہؓ میں سارے سال والی نماز کا ہی ذکر ہے جو تہجد ہے۔

۱۹۔ فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے۔ نماز تراویح میں جماعت شرط ہے اگر اکیلے اکیلے پڑھیں تو وہ تراویح نہ ہوگی (ص ۲۴۳، ج ۶) اس حدیث میں وہی نماز ہے جو آپؐ نے اکیلے پڑھی۔

۲۰۔ اس حدیث کو خود حضرت عائشہؓ نے عہد فاروقی، عہد عثمانی، عہد علوی میں کبھی

بھی بیس رکعت والوں کے خلاف پیش نہ فرمایا، ہم نے لکھا تھا کوئی ثابت کرے تو دس ہزار روپیہ انعام دیں گے ہے کوئی زندہ دل غیر مقلد مگر جواب میں سب مردہ بن گئے۔

۲۱۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کی تہجد کی نماز والی احادیث بہت سے صحابہ سے مروی ہیں۔ کسی ایک صحابی نے بھی تہجد والی روایت کو بیس رکعت تراویح والوں کے خلاف پیش نہ کیا۔

۲۲۔ صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی سب لوگ بیس تراویح اور بعض نوافل ملا کر ۳۶ پڑھتے رہے۔ کسی تابعی یا تبع تابعی نے اس تہجد والی حدیث کو ان کے خلاف پیش نہ کیا۔

۲۳۔ تمام صحابہ تابعین تبع تابعین ائمہ اربعہ اور اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین کا سہارا ایک شاذ علمی قول ہے کہ زیلعی ابن ہمام وغیرہ چند افراد نے حدیث عائشہؓ کو حدیث ابن عباسؓ کے معارض قرار دیا ہے۔ ان کی علمی بات کا خلاصہ یہی ہے کہ حدیث ابن عباسؓ سنداً ضعیف ہے مگر تمام امت کا اجماعی تعامل بیس پر ہے اور حدیث عائشہؓ اگرچہ سنداً صحیح ہے مگر عملی طور پر تراویح کے باب میں اجماعاً متروک العمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سب حضرات ہمیشہ بیس رکعت ہی پڑھتے رہے۔ انہوں نے کبھی بیس کو بدعت نہیں فرمایا ان کی شاذ متروک العمل رائے کو پیش کرنا اور اجماعی اور معمول بہ مسئلہ کو چھوڑ دینا یہ نہایت قبیح علمی خیانت ہے۔

۲۴۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ آپ تو صرف قرآن حدیث کا نام لیا کرتے ہیں۔ صحابہ تابعین کی بات ماننے کو تیار نہیں، ائمہ اربعہ تک کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللہِ میں شامل فرماتے ہیں یہ لوگ بوجہ مقلد ہونے کے آپ کے نزدیک مشرک بھی ہیں، جاہل بھی، اندھے بھی، ان کے اقوال کو کیوں پیش کیا۔ اگر یہ کہو کہ ہم نے محض الزامی طور پر پیش کیا ہے تو آپ نے مان لیا کہ اس کی کوئی تحقیقی دلیل آپ کے پاس نہیں ہے ہاں الزام بھی درست نہیں کیونکہ الزام مسلمات خصم پر مبنی ہوتا ہے۔ ہمارا مذہب متفقہ طور پر

متون میں صرف بیس رکعت تراویح سنت ہے یہ شاذ قول ایسا ہی ہے جیسے متواتر قرآن کے خلاف شاذ قرائتیں اور سنت متواترہ کے خلاف شاذ و متروک روایات اس لیے ہمارا اصول یہی ہے وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل و خرق للا جماع قاضی کا حکم کرنا یا مفتی کا فتویٰ دینا مرجوح قول پر جہالت اور اجماع کا پھاڑنا ہے یعنی باطل اور حرام ہے۔ (در مختار ص ۱۳۱ ج ۱)

(۲۵۔۳۰) خود غیر مقلدین کا بھی اس حدیث پر عمل نہیں یہاں غیر رمضان کا لفظ ہے وہ غیر رمضان میں تراویح نہیں پڑھتے۔ یہاں چار چار رکعت کا ذکر ہے وہ دو دو پڑھتے ہیں۔ یہاں گھر میں نماز کا ذکر ہے وہ مسجد میں پڑھتے ہیں یہاں تین وتر کا ذکر ہے وہ ایک پڑھتے ہیں یہاں بلا جماعت نماز کا ذکر ہے وہ باجماعت پڑھتے ہیں یہاں وتر سے پہلے سونے کا ذکر ہے وہ وتر سے پہلے نہیں سوتے۔ امید ہے کہ ان تیس نمبروں کا جواب قرآن و حدیث سے دیا جائے گا۔

دوسری روایت حضرت جابرؓ والی پیش کرتے ہیں یہاں انہیں تین باتیں ثابت کرنا تھیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح ہے دوسری یہ کہ اس میں آٹھ رکعت پر مواظبت ثابت ہے۔ تیسری یہ کہ جب دور فاروقی و عثمانی و علوی میں بیس رکعت تراویح باجماعت علی الاعلان مسجد نبوی میں پڑھی جاتی تھیں تو حضرت جابرؓ نے اس حدیث کو ان کے خلاف پیش کیا تھا اور اپنی مسجد آٹھ تراویح کے لیے کوئی الگ بنائی تھی۔ مگر ایوب صاحب اور ساری کمپنی اس میں بالکل ناکام رہی ہے۔

(۱) اس کا ایک راوی یعقوب بن عبداللہ القمی ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ ایک روایت کے بعد لکھتے ہیں۔ وھذا الحدیث منکر جدا وفی اسنادہ ضعف و یعقوب ھذا ھو القمی وفیہ تشیع ومثل ھذا لا یقبل تفردہ بہ (البدایہ والنہایہ ص ۲۷۵ ج ۸) یہ حدیث سخت منکر ہے اس کی سند ضعیف اور یعقوب قمی شیعہ ہے ایسے مسائل میں اس کا تفرد مقبول نہیں الغرض جہاں عظمت صحابہ یا مسلک صحابہ مجروح ہوتا ہو

وہاں ایسے راوی کا تفرد مقبول نہیں اور اس تراویح والی روایت میں بھی یہ منفرد ہے اور اس کی روایت اجماع صحابہ کے خلاف ہے۔

(۲) دوسرا راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے۔ امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں اس کے پاس منکر روایات ہوتی تھیں۔ امام نسائی اس کو منکر الحدیث اور متروک فرماتے ہیں۔ امام ابوزرعہؒ لا باس بہ فرماتے ہیں (میزان الاعتدال ص ۳۳۱ ج ۲)

خود ایوب صابر نے بھی مانا ہے کہ یہ روایت بنیاد نہیں بطور شاہد ہے۔ اب شاہد کے لیے پہلے بنیاد تو بتاؤ پھر ایسی روایت جب اجماع کے خلاف ہو تو اس کے منکر ہونے میں کیا شبہ خود یہ بھی کسی حدیث وفقہ میں ثابت نہیں کہ یہ دونوں راوی ساری امت کے خلاف اپنی الگ مسجد بنا کر آٹھ تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(۳) پھر اس میں مواظبت تو کیا ثابت ہوتی بعض کتابوں میں لیلۃ صرف ایک رات کی صراحت ہے جو مواظبت کی تردید ہے اجماع امت کے خلاف وقتی فعل کو سنت کہنا غلط ہے۔

تیسری روایت حضرت ابی بن کعبؓ والی پیش کرتے ہیں۔ یہاں بھی تین باتیں ثابت کرنا ضروری تھا۔ ایک یہ کہ یہ روایت صحیح ہے دوسرے یہ کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی آٹھ پر از خود مواظبت ثابت ہے تیسرے یہ کہ جب دور فاروقی و عثمانی میں لوگ برملا بیس رکعت پڑھتے تھے تو حضرت ابی بن کعبؓ نے یہ روایت ان کے خلاف پیش کی تھی اور نہ ماننے کی صورت میں یہ الگ ہو کر صرف آٹھ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے مگر یہ اس میں بالکل ناکام رہے ہیں۔

(۱۔۲) یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں وہی یعقوب اور عیسیٰ ہیں۔

(۳) اس کی سند میں محمد بن حمید رازی ہے جس کو خود ایوب صابر بھی ثقہ نہیں مانتا اس سے جان چھڑانے کے لیے بہت بڑا دھوکہ دیا ہے کہ محمد بن حمید کاتب کی غلطی ہے مگر اس پر بارہ صدیوں میں کسی محدث کا حوالہ موجود نہیں۔ پھر یہ لکھا ہے کہ میزان

الاعتدال اور طبرانی میں اس سند میں جعفر بن حمید ہے۔ حالانکہ یہ محض جھوٹ ہے جعفر بن حمید پچھلی روایت جابرؓ کا راوی ہے جس میں حضور علیہ السلام کی اپنی نماز کا ذکر ہے یہ حدیث وہ ہے جس میں ابی بن کعبؓ کے عورتوں کو نماز پڑھانے کا ذکر ہے۔

(۴) اس میں یہ بھی ثابت نہیں کہ یہ ضرور رمضان کا واقعہ ہے کیونکہ مسند احمد اور طبرانی میں رمضان کا ذکر ہی نہیں۔ ابویعلیٰ میں یعنی رمضان ہے جو فہم راوی ہے نہ کہ روایت راوی اور قیام اللیل میں رمضان کا لفظ ہے۔

(۵) اس میں مواظبت کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ مواظبت کے خلاف یہ جملہ ہے انہ کانت منی اللیلۃ شئی آج رات ایک عجیب بات ہوگئی۔

(۶) پھر دور فاروقی میں حضرت ابی بن کعبؓ خود بیس رکعت پڑھاتے رہے۔

(۷) پھر یہ روایت اجماعاً متروک العمل ہے یَدُاللہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ وَقَالَ مَنْ شَذَّ شُذَّفِیْ النَّار الغرض آٹھ رکعت پر نہ مواظبت نبوی ثابت ہے نہ مواظبت صحابہ بلکہ یہ مواظبت اور اجماع کے خلاف ہے۔

غیر مقلدین مندرجہ ذیل امور میں حضور علیہ السلام کی مخالفت کرتے ہیں۔

۱۔ آج کل غیر مقلدین چاند رات سے نماز تراویح کی جماعت شروع کرتے ہیں حالانکہ آنحضرت علیہ السلام نے ساری زندگی میں ایک بار بھی چاند رات سے یہ جماعت شروع نہیں کرائی یہ سنت نبوی نہیں بلکہ سنت خلفاء راشدین ہے۔

۲۔ آج کل غیر مقلدین پورا ماہ رمضان نماز تراویح باجماعت ادا کرتے ہیں حالانکہ آنحضرت علیہ السلام نے مسجد میں آئے ہوئے لوگوں کو فرمایا تھا اپنے گھر نماز پڑھو، یہ سارا مہینہ جماعت تراویح سنت نبوی نہیں بلکہ سنت خلفائے راشدین ہیں۔

۳۔ آج کل غیر مقلدین ہر سال رمضان میں تراویح باجماعت ادا کرتے ہیں جب کہ آنحضرت علیہ السلام نے صرف ایک سال آخری عشرہ میں تین دن جماعت کروائی تھی۔ یہ بھی سنت نبوی ہرگز نہیں ہے بلکہ سنت خلفائے راشدین ہے۔

۴۔ آج کل غیر مقلدین پورا مہینہ رمضان میں عشاء کے فوراً بعد نماز تراویح پڑھتے ہیں حالانکہ یہ سنت نبوی ہرگز نہیں ہم تو اسے سنت خلفائے راشدین کہتے ہیں مگر مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالقادر حصاروی فرماتے ہیں بہرحال نماز عشاء کے بعد تراویح جماعت کے ساتھ ہمیشہ ادا کرنا جیسا کہ عام طور پر مروج ہے نہ تعامل نبوی سے ثابت ہے نہ تعامل خلفائے اربعہ سے اس لیے یہ سنت نہیں جائز ہے۔

(صحیفہ اہلحدیث کراچی یکم رمضان ۱۳۹۲ھ)

۵۔ آج کل غیر مقلدین سارا مہینہ مسجد میں نماز تراویح پڑھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سنت نبوی ہرگز نہیں چنانچہ مولانا عبدالقادر حصاروی تحریر فرماتے ہیں مسجد میں جماعت سے عشاء کے بعد ہمیشہ نماز تراویح پڑھنا بدعت حسنہ ہے سنت موکدہ نہیں بلکہ سنت نبوی اور سنت خلفاء اربعہ بھی نہیں ہے (حوالہ مذکور) نیز فرماتے ہیں گھر میں تراویح پڑھنے کے یہ فضائل ہیں۔ فرضوں کے برابر ثواب ملنا، ہزار نماز سے زیادہ ثواب ملنا، گھر میں نورانیت، پیدا ہونا گھر میں خیر و برکت نازل ہونا، یہ عمل خدا اور رسول کو محبوب ہونا وغیرہ (ایضاً)

نوٹ: حصاروی صاحب فرماتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے اس فرمان سے بدعت کی دو قسمیں ثابت ہوئیں ایک حسنہ دوسری سیئہ، حسنہ وہ ہے جس کا ثبوت شارع سے ہو مگر اس کی ہیت کذائیہ کا ثبوت نہ ہو۔ اور سیئہ وہ ہے جس کا ثبوت ہی شارع سے نہ ہو یا ثبوت ہو مگر صحابہ کرام نے اس ہیئت کذائیہ پر تعامل نہ رکھا ہو۔ ایسی بدعت سے بالدوام بچنا چاہیے (ایضاً)

۶۔ آج کل غیر مقلدین نماز تراویح با جماعت میں قرآن پاک ختم کرتے ہیں حالانکہ نماز تروایح میں قرآن پاک کا ختم ہرگز سنت نبوی نہیں ہے بلکہ سنت صحابہ ہے البتہ اوکاڑہ کے غیر مقلدین نے ایک اشتہار میں اب ختم قرآن کو بدعت لکھ دیا ہے۔

۷۔ آج کل غیر مقلدین تراویح میں ختم قرآن کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ مولانا

حصاروی لکھتے ہیں۔ کسی قرآن خوان کو امام بنا کر گھر میں جماعت کرالیا کریں۔ اس طرح ختم قرآن اور جماعت کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا یا سورۃ قل ھو اللہ رکعت میں تین بار پڑھ لیا کریں (ملخصاً ایضاً)

۸۔ آج کل غیر مقلدین نماز تراویح کے بعد سو جاتے ہیں حالانکہ یہ سنت نبوی نہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ شروع ہوتا آپ کمر کس لیتے اور پورا مہینہ رات کو نہ سوتے، عزیزی ص ۱۲۷ ج ۳ بحوالہ شعب الایمان بیہقی، ہاں صحابہ کرام کا سو جانا ثابت ہے عہد فاروقی میں وَالَّتِیْ تَنَامُوْنَ عَنْھَا الحدیث.

(بخاری ص ۲۶۹ ج ۲)

۹۔ صحیح بخاری شریف ص ۲۶۹ ج ۲ پر ہے کہ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں آنحضرت ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو بھی بیدار رکھتے تھے جب کہ غیر مقلدین اپنی بیویوں کو بیدار نہیں رکھتے۔

۱۰۔ آج کل غیر مقلدین تراویح میں قرآن پاک اس طرح دیکھ کر پڑھتے ہیں کہ اٹھایا ہوا ہے ورق گردانی بھی ہو رہی ہے رکوع کے وقت نیچے زمین پر رکھ دیتے اگلی رکعت میں پھر اٹھا لیتے ہیں یہ طریقہ نماز تراویح میں ہرگز ہرگز سنت نبوی سے ثابت نہیں ہے۔

ایوب صابر نے تحقیق تراویح ص ۸۷ میں امام ابو حنیفہؒ کو ان احبار و رہبان میں شامل فرمایا ہے جو اپنی طرف سے حرام کو حلال، حلال کو حرام کرتے تھے اور احناف کو ان عیسائیوں میں شامل کیا ہے جو اپنے احبار و رہبان کے حلال و حرام کرنے کو خدا اور رسول کے مقابلے میں مانتے تھے۔ ایوب صابر کے شیخ الحدیث صاحب اساتذہ اور جماعت کو اس پر بہت خوشی ہوگی کہ کتنا بڑا کارنامہ ہے کہ مسلمانوں کے امام اعظم کو ان احبار و رہبان میں شامل کر دیا جو حرام خور جھوٹے تھے۔ اہلحدیث زندہ باد کے نعرے بھی لگے ہوں گے سب حنفی عیسائی، اہل حدیث زندہ باد، مگر جن لوگوں کی قرآن و حدیث پر

نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ بخاری شریف کی حدیث کے موافق یہ خارجیوں کا وطیرہ تھا کہ کافروں والی آیات مسلمانوں پر چسپاں کیا کرتے تھے اور قرآن پاک کے مطابق یہود کا یہ وطیرہ تھا ﴿یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ...﴾ وہ کلمات خداوندی کو بے موقع استعمال کرتے تھے۔ ایوب صابر کا استدلال جب درست ہوتا کہ وہ ان احبار ورہبان کا مجتہد ہونا قرآن حدیث سے ثابت کرتے پھر اس آیت کو مجتہد پر فٹ کرتے۔ اور یہ بھی مانتے کہ یہود کے یہ احبار ورہبان چونکہ مجتہد تھے اس لیے ان کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اجر سے نوازا ہے۔ صواب پر دو اجر خطا پر ایک اجر۔ ایوب صابر نے قرآن کی آیت کا غلط استعمال کر کے مرزا قادیانی کی روح کو خوش کیا ہے اور اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔

قرآن وحدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء دو قسم کے تھے ایک تو خدا پر جھوٹ باندھنے والے ﴿یَکْتُبُوْنَ الْکِتَابَ بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ...﴾ جیسا کہ اس کا نقشہ آپ کو آپ کے مذہب کی مستند کتابوں نزل الابرار، بدور الاہلہ، عرف الجادی، ہدیہ المہدی میں نظر آئے گا۔ ان حضرات نے یہ کتابیں اس دعویٰ کے ساتھ لکھیں کہ ان کتابوں کے مسائل صرف خدا اور رسول کے مسائل ہیں۔ مگر جس اتفاق اور یقین سے آج تمام غیر مقلدین نے فیصلہ دے دیا ہے کہ ان کتابوں میں خدا رسول پر جھوٹ ہیں، اتنی صفائی سے شاید یہود ونصاریٰ نے بھی اپنے احبار ورہبان کے خلاف بیان نہ دیا ہو۔ یہاں دو شہادتیں ملاحظہ فرمالیں۔

(۱) مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی شہادت

جماعت اہل حدیث اپنے ناقص العلم اور غیر محتاط نام نہاد علماء کی تحریروں اور تقریروں سے دھوکہ نہ کھائے کیونکہ ان میں سے بعض تو پرانے خارجی اور بے علم محض اور بعض پرانے کانگریسی ہیں جو کانگریس کا حق نمک ادا کرنے کے لیے ایک نہایت گہری زمین دوز تجویز کے تحت انگریزی پالیسی .Divide and rule (تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو) سے مسلمانوں کو اختلافی مسائل میں مشغول کر کے باہمی اتفاق

میں رکاوٹ اور مسلمانوں میں خصوصاً اہل حدیث میں تعصب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔
(احیاء المیت ص ۴۳۶)

(۴) علامہ وحید الزمان کی شہادت

غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہلحدیث کہتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی بھی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین صحابہ اور تابعین کی قرآن کی تفسیر صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں حدیث شریف میں جو تفسیر آ چکی ہے اس کو بھی نہیں سنتے۔ (حیات وحید الزمان ص ۱۰۲ بحوالہ لغات الحدیث)

نصیحت

کاش ایوب صابر کے شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود جلالپوری اور استاد محمد رفیق جلالپوری اپنے شاگردوں کو مولانا داؤد غزنوی سابق امیر جماعت کی یہ نصیحتیں یاد دلا دیتے۔ مولانا داؤد غزنوی فرماتے ہیں۔ ”دوسرے لوگوں کی یہ شکایت کہ اہل حدیث حضرات ائمہ اربعہ کی توہین کرتے ہیں بلا وجہ نہیں ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے حلقہ میں عوام اس گمراہی میں مبتلا ہو رہے ہیں اور ائمہ اربعہ کے اقوال کا تذکرہ حقارت کے ساتھ کر جاتے ہیں یہ رجحان سخت گمراہ کن اور خطرناک ہے ہمیں سختی کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ (داؤد غزنوی ص ۸۹)

بنی اسرائیل میں دوسری قسم کے علماء وہ تھے جن کو قرآن پاک نے ربانی فرمایا ہے اور صحیح بخاری ص ۱۶ پر ربانی کا معنیٰ فقیہ لکھا ہے اور قرآن پاک میں حضرت موسیٰ کے ذکر کے بعد فرمایا ہے ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ معلوم ہوا ان میں ائمہ اور فقہاء بھی تھے تو امام ابوحنیفہؒ جو امام اور فقیہ ہیں ان کے لیے یہ آیات لکھنی چاہیے تھیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ میں خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتا ہوں بلکہ فرمایا القیاس مظهر لا مثبت میں خدا رسول کے وہ احکام جو عوام کے ذہن سے پوشیدہ اور چھپے ہوئے ہیں صرف ان کو ظاہر کرتا ہوں، نہ پوشیدہ

حکم کی تلاش گناہ ہے نہ اس ظاہر شدہ حکم پر عمل گناہ ہے ہم بھی آئمہ مجتہدین کو شارع نہیں بلکہ شارح سمجھتے ہیں وہ واسطہ فی التفہیم اور واسطہ فی البیان ہیں۔ ایوب صاحب نے دو مثالیں دی ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شراب (خمر) کو حرام فرمایا۔ امام ابوحنیفہؒ نے خمر کو حلال کر دیا۔ حنفی اب خدا کی بات نہیں مانتے، امام ابوحنیفہ کی بات مانتے ہیں، حالانکہ امام ابوحنیفہؒ اور تمام احناف کے نزدیک خمر قطعاً حرام ہے اور پیشاب پاخانہ کی طرح نجاست غلیظہ بھی ہے جبکہ غیر مقلدین خمر کو پاک کہتے ہیں۔ ایوب صاحب جھوٹ، بہتان منافق کی نشانی ہے نہ کہ اہل حدیث کی۔ دوسری مثال یہ دی کہ رسول اقدس ﷺ سے پوچھا گیا کہ ضب (گوہ) حرام ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں لیکن میں نہیں کھاتا اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ضب مکروہ ہے، یہاں بھی ایوب صاحب اگر صحاح ستہ میں سے صرف ابوداؤد شریف ہی دیکھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ بعد میں خود حضور ﷺ نے ضب سے منع فرما دیا تھا۔ اب امام صاحبؒ کا علم کامل ہے کہ دونوں باتیں سامنے ہیں اور آخری حدیث پر فتویٰ ہے اور ایوب کا علم ناقص اور خواہ مخواہ ائمہ دین کا منہ چڑا رہا ہے۔ مولانا داؤد غزنوی کی یہ نصیحت یاد فرمالیں انہوں نے مولوی اسحاق کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا "مولوی اسحاق جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے، ہر شخص ابوحنیفہ ابوحنیفہ کہہ رہا ہے کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے پھر ان کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ۔ اگر کوئی بہت بڑا احسان کرے تو وہ انہیں سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد و یک جہتی کیونکر پیدا ہو سکتی ہے" (داؤد غزنوی ص ۱۳۷)

آپ کے جن علماء نے ہاتھی، خچر، جنگلی بلے اور ہر سمندری جانور خواہ کتا ہو یا سؤر مینڈک ہو یا کچھوا حلال کہا ہے اور گدھے، کوے، چمگادڑ کو حلال کہا ہے بلکہ منی تک کا

کھانا ایک قول میں حلال کہا ہے۔ اس بارے میں کوئی قطعی نصوص آپ پیش کر سکتے ہیں؟ اگر آپ کو حلت کی نصوص نہ ملیں اور آپ اپنے احبار و رھبان کے خلاف ان کو حرام کہیں تو ان کی حرمت کی نصوص تحریر فرمادیں ورنہ بتائیں کہ ان کی حلت وحرمت کن احبار ورہبان سے آپ نے لی ہے، آپ نے ائمہ اربعہ کو احبار ورہبان والی آیت کا مصداق قرار دیا ہے۔ آپ کے بھائی اہل قرآن تمام محدثین، معدلین اور جارحین کو اس آیت کا مصداق قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے سب اصول بھی قیاسی اور ظنی ہیں۔

آپ نے ابن حجر، زرقانی، زیلعی، ابن ہمام رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے علماء کے اقوال لکھے ہیں، آپ ان کو خدا سمجھتے ہیں یا رسول یا اربابا من دون اللہ آپ نے بہت سے سوال وجواب اپنے قیاسات سے گھڑے ہیں جب کہ آپ کے نزدیک قیاس کار شیطان ہے۔

آپ نے تحقیق تراویح پر قلم اٹھایا۔

۱۔　آپ قرآن پاک سے نہ آٹھ تراویح کا سنت ہونا ثابت کر سکے نہ بیس رکعت تراویح کا منع ہونا۔

۲۔　آپ کسی قولی حدیث سے آٹھ رکعت باجماعت بعد عشاء مسجد میں ختم قرآن کے ساتھ اس کا نہ حکم پیش کر سکے نہ قولی حدیث سے بیس کا منع ثابت کر سکے۔

۳۔　آپ نے جو فعلی حدیث پیش کی نہ اسے صحیح ثابت کر سکے نہ اس پر مواظبت ثابت کر سکے، ہاں اس حدیث پر عمل سے انکار کر دیا جس کو تلقی بالقبول حاصل تھی۔

۴۔　خلفائے راشدین سے نہ آٹھ کی کوئی غیر مضطرب روایت پیش کر سکے نہ مواظبت ثابت کر سکے کہ آٹھ کو سنت خلفاء ہی کہا جاتا ہاں اس کے بالمقابل ان احادیث کے انکار کا گناہ سر پر لیا جن پر امت کا توارث ہے۔

۵۔　ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی فقہ کے متن سے آٹھ کا سنت اور بیس کا بدعت ہونا ثابت نہ کر سکے۔ ہاں امام مالکؒ کی طرف سے بے سند قول اور ابن ہمامؒ کا

شاذ قول پیش کیا جو آپ کے اصول پر شرک اور ہمارے اصول پر باطل اور خرق اجماع اور حرام ہے۔ (درمختار)

۶۔ بعض امتیوں کے اقوال وہ بھی شاذ اور غیر متعلق پیش کر کے اپنے مشرک ہونیکا ثبوت دیا۔ بعض باتیں محض بے سند لکھ کر اپنے اصولوں پر بے دین بنے بعض اپنے قیاسات لکھ کر شیطان بنے۔

۷۔ آپ یہ فرمائیں کہ جو مسائل صراحتاً کتاب وسنت میں نہیں ملتے ہم ان مسائل کو اجتہاد وتقلید میں دائر سمجھتے ہیں کہ مجتہدین اجتہاد کر لیں، غیر مجتہدین تقلید۔ آپ کے نزدیک اجتہاد کرنا شیطان کا کام ہے اور تقلید کرنا مشرک کا۔ آخر آپ کے عوام کے لیے ایسے مسائل میں عمل کرنے کا کون سا راستہ ہے؟ وہ عوام بے چارے دلیل تفصیلی کو سمجھ تو کیا سکیں اس کی تعریف بھی نہیں کر سکتے۔ آپ کے علماء اجتہاد تو کیا کریں گے اجتہاد کی جامع مانع تعریف اور اس کی شرائط بھی ہماری کتابوں سے چوری کیے بغیر نہیں بتا سکتے۔ آپ کے عوام اپنے علماء سے ایسے مسائل پوچھیں، بغیر تفصیلی دلیل جانے تو مشرک بنیں نہ پوچھیں تو ساری عمر جاہل بے عمل رہیں اور جاہل بے عمل ہی مریں، بہرحال اس کا جواب آپ کے ذمہ ہے پیچھے جو سوالات گزرے ان کا جواب بھی آپ کے ذمہ ہے جو نہ آپ نے دیا اور نہ دے سکتے ہیں، میں اپنی اس تحریر کو یہیں ختم کرتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین.

محمد امین صفدر اوکاڑوی

نماز جنازہ میں

سورہ فاتحہ کی
شرعی حیثیت

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا
محمد امین صفدر
اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم. امابعد:

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں اسلام کی لازوال دولت سے نوازا اور درود وسلام اس ذات مقدس پر جس کی شریعت کاملہ دونوں جہاں کی کامیابی کی ضامن ہے اور کروڑوں رحمتیں نازل ہوں آئمہ مجتہدین پر جنہوں نے کتاب و سنت کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔

ناظرین کرام! برصغیر پاک وہند میں دولت اسلام لانے والے بزرگ اہل سنت والجماعت حنفی ہی تھے اور بارہ سو سال تک اس علاقہ میں اتفاق واتحاد کا موسم بہار رہا۔ نہ نماز پر لڑائی تھی نہ وضو پر نہ جمعہ میں نہ عید میں۔ لیکن برطانوی سامراج کے منحوس قدم جو نہی یہاں پہنچے، اختلافات کی آندھیاں اور نفاق کے طوفان ساتھ لائے۔ امت مسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔ مسلمان کو مسلمان سے بھڑا دیا گیا۔ امت مسلمہ میں لڑائی جھگڑا بپا کرنے میں سب سے بڑا کردار فرقہ غیر مقلدین نے ادا کیا۔ کیونکہ اس فرقہ کا خمیر ہی بدگمانی، بدزبانی اور فتنہ فساد سے اٹھایا گیا ہے۔ چنانچہ اس فرقہ نے مساجد کو میدان جنگ بنا دیا ہے۔ ان کو مسلمانوں کا اکٹھا ہونا ایک نظر نہیں بھاتا۔ جہاں مسلمان اکٹھے ہوئے یہ نفاق اور فساد کی چنگاریاں بن کر رونما ہوئے اخوت ومودت کی حیات آفرین فضا کو ایسا مکدر کر دیا کہ جو مسلمان جسد واحد کی طرح یک جان دو قالب کا مصداق تھے، ان میں عداوت نفرت اور بغض وعناد کے بیج بوئے کہ جس کا ثمرہ باہمی گالی گلوچ بلکہ دنگا فساد اور لڑائی جھگڑا کی صورت میں ظاہر ہوا۔ آپ مسجد میں جماعت کے لیے اکٹھے ہوں وہاں پھوٹ ڈال دیں گے۔ آپ جمعہ ادا کرنے کے لیے جمع ہوں۔ وہ چند سیکنڈ میں لڑا دیں گے۔ آپ عید ادا کرنے اکٹھے ہوں وہ فتنہ کھڑا کریں گے کہ الامان الحفیظ۔ حج کا عظیم اجتماع ان کی فتنہ

پردازیوں سے قدرے محفوظ تھا لیکن گزشتہ سال وہاں بھی ایسا فتنہ کھڑا کیا کہ تاریخ عالم میں اتنا عظیم فتنہ نظر نہیں آتا۔ حرم شریف کو ناپاک کیا گیا۔ اور ۱۶ دن خدا کے بندے خدا کے گھر کے طواف سے محروم کر دیے گئے۔ نماز جنازہ کا وقت جو انتہائی غم و صدمہ کا وقت ہوتا ہے۔ سب لوگ اختلافات ختم کر دیتے لیکن ان کا فتنہ اس موقعہ پر بھی دیدنی ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے منہ میں زبانیں نہیں زہریلے ڈنگ ہیں بس فتویٰ بازی شروع ہو جاتی ہے تم سب بے نماز ہو تم میں سے کسی کی نماز جنازہ نہیں ہوئی تمہارے بارہ سو سال کے جتنے بزرگ قبروں میں دفن ہیں سب بلا جنازہ دفن ہیں۔ مر گئے مردود نہ فاتحہ نہ درود معاذاللہ استغفر اللہ اس لیے خیال آیا کہ نماز جنازہ کا طریقہ کتاب و سنت کی روشنی میں تحریر کر دیا جائے تا کہ اہل سنت والجماعت مسلمانوں کے دلوں کو اطمینان نصیب اور شاید کسی غیر مقلد کو بھی ہدایت نصیب ہو جائے۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اللہ تعالیٰ نے نماز جنازہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ ان کی نماز جنازہ ادا کر۔ اس سے تو فرض ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن جب ایک جنازہ آیا جس کے ذمہ قرض تھا۔ آپ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی لیکن صحابہؓ کو فرمایا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھ لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ فرض عین نہیں ورنہ آنحضرت ﷺ اسے کبھی ترک نہ فرماتے۔ اسی لیے اہل سنت والجماعت نماز جنازہ کو فرض کفایہ کہتے ہیں۔

شرائط جنازہ

۱۔ اسلام: نماز جنازہ ادا کرنے کی پہلی شرط میت کا مسلمان ہونا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کبھی کافروں کی نماز جنازہ نہ پڑھو اور نہ ہی ان کی قبر پر کھڑے ہو کر ان کے لیے دعائے مغفرت کرو (التوبہ) اس لیے کسی کافر مرزائی، قادیانی، لاہوری، منکر قرآن منکر حدیث کی نماز جنازہ ادا کرنا جائز نہیں۔

۲۔ طہارت: میت کو غسل دینا فرض ہے تا کہ وہ نجاست حقیقی اور حکمی سے پاک ہو

جائے اسی طرح ضروری ہے کہ جسم کی طرح اس کا کفن بھی پاک ہو اور جس چارپائی وغیرہ پر جنازہ رکھا جائے وہ بھی پاک ہو۔ اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔

۳۔ جنازہ کا سامنے ہونا: نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ میت کا کل بدن یا اکثر بدن جنازہ پڑھنے والوں کے سامنے ہو۔ آنحضرت ﷺ جب جنازہ ادا فرماتے تو جنازہ سامنے رکھتے آپ کے بہت سے صحابہؓ مدینہ منورہ سے باہر فوت ہوئے لیکن آپ نے کبھی کسی صحابی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہیں فرمائی اسی طرح آنحضرت ﷺ کی زندگی میں بہت سے صحابہ مدینہ منورہ سے باہر رہتے تھے جب کوئی صحابی مدینہ منورہ میں فوت ہوتے تو کسی جگہ بھی ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی مسلمانوں کو جو عقیدت خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ، اصحاب بدر، اصحاب احد، اصحاب بیت رضوان امہات المومنین، سیدہ فاطمۃ الزہرا، حضرات حسنین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ تھی اور ہے، وہ کسی مسلمان سے پوشیدہ نہیں لیکن ان میں سے کسی ایک کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی گئی۔ اگر کوئی صاحب ان میں سے کسی ایک کی بھی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا صحیح سند سے ثابت کر دیں تو فی حدیث ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔

حضرت نجاشیؓ کی نماز جنازہ

حضرت نجاشی مسلمان تھے آپ فوت ہوئے تو وہاں کوئی مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھنے والا نہ تھا۔ اور کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ حبشہ میں حضرت نجاشیؓ کی نماز جنازہ پڑھی گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ مکہ میں بیٹھے ہوئے تھے آپؐ پر بیت المقدس منکشوف فرما دیا تھا اسی طرح حضرت نجاشیؓ کا نماز جنازہ آپؐ پر منکشوف فرما دیا۔ چنانچہ حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں ہم سب صحابہ بھی یہ خیال کر رہے تھے اِنَّ جَنَازَتَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ کہ حضرت نجاشی کا جنازہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ہے (صحیح ابن حبان) اور فرماتے ہیں ہماری بھی رائے تھی کہ جنازہ ہمارے آگے ہے (صحیح ابو

عوانہ) وَمَا نَحْسِبُ الْجَنَازَةَ اِلاَّ مَوْضُوْعَةً بَیْنَ یَدَیْهِ ہمارا یہی گمان تھا کہ جنازہ آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھا ہوا ہے (مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۶) پس یہ آپ کا معجزہ تھا اور یہ جنازہ غائبانہ نہیں تھا کیونکہ نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کر دیا گیا تھا۔ بہر حال کسی کا غائبانہ جنازہ پڑھنا کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

نماز جنازہ دراصل دعا ہے

عن ابی ھریرۃؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ رواہ ابو داؤد وصححه ابن حبان.

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم مردہ پر نماز پڑھو تو نہایت خلوص کے ساتھ اس کے لیے دعا کرو۔ (بلوغ المرام ص ۱۰۷)

اس حدیث سے مراد دعا ہے جو نماز جنازہ کے اندر تیسری اور چوتھی تکبیر کے درمیان پڑھی جاتی ہے۔ (مرقات ج ۴ ص ۵۹۔ فتاویٰ سعدیہ عین الہدایہ ص)

دعا کا طریقہ

حضرت فضالہ بن عبید فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلْیَبْدَا بِتَحْمِیْدِ رَبِّهٖ جَلَّ وَعَزَّ وَالثَّنَاءِ عَلَیْهِ ثُمَّ یُصَلِّیَ عَلَی النَّبِیِّ ثُمَّ یُصَلِّیْ بَعْدُ بِمَا شَاءَ.

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۷۸، ترمذی، نسائی، بیہقی، حاکم احمد)

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت وثنا بیان کرے پھر اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ پر درود شریف پڑھے اور پھر جو چاہے دعا کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا حضرت رسول اقدس ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی ساتھ تھے، جب میں

(تشہد کے لیے بیٹھا) تو: بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللهِ تعالىٰ ثُمَّ الصَّلٰوةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِي.

میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان کی پھر نبی اقدس ﷺ پر درود پڑھا پھر اپنے لیے دعا کی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا مانگ تیری دعا قبول ہوگی مانگ تیری دعا قبول ہوگی۔ (ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دعا کی مقبولیت کے لیے سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے ثنا ہو، پر درود پھر دعاء۔ نماز جنازہ بھی چونکہ دعا ہے اس لیے اس کی ترتیب بھی یہی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین۔

طریقہ نماز جنازہ

حضرت ابوسعید مقبریؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں تو فرمایا میں جنازہ کے پیچھے چل کر جاتا ہوں پھر جب جنازہ نیچے رکھ دیا جاتا ہے۔ كَبَّرْتُ وَحَمِدْتُ اللهَ وَصَلَّيْتُ عَلٰى نَبِيِّهٖ ثُمَّ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ الخ (موطا امام مالک ص ۷۹) میں پہلی تکبیر کہتا ہوں پھر اللہ کی ثناء بیان کرتا ہوں۔ پھر نبی پر درود پڑھتا ہوں پھر میت کے لیے دعا مانگتا ہوں۔ حضرات دیکھئے حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ کا طریقہ بتایا اس میں سورت فاتحہ پڑھنے کا ذکر تک نہ کیا۔

مرکز اسلام مدینہ منورہ

عن نافع ان عبد الله ابن عمرؓ كَانَ لَا يَقْرَءُ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ. (موطا امام مالک ص ۷۹)

نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز جنازہ میں قرآن (فاتحہ) نہیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت سالمؒ جو ابن عمرؓ کے فرزند تھے اور فقہاء سبعہ میں سے تھے جن کا فتویٰ چلتا تھا فرماتے ہیں لاقِرَاءَةَ عَلَى الْجَنَازَةِ (ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹) نماز جنازہ میں کوئی قرأت نہیں نہ فاتحہ اور حضرت سالمؒ کے بعد مدینہ منورہ میں بلاشرکت غیرے امام مالکؒ کا فتویٰ جاری ہوا آپ فرماتے ہیں۔

قرأة الفاتحة ليس معمولا بها في بلدنا في صلوة الجنازة.

(عمدۃ القاری)

نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے پر ہمارے شہر میں عمل نہیں ہے۔

ابن بطال شارح بخاری فرماتے ہیں کہ جو صحابہ جنازہ میں فاتحہ پڑھنے والوں پر انکار فرماتے تھے، ان میں حضرت عمرؓ بن الخطاب حضرت علیؓ بن ابی طالب حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ امام مالک ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے خلافت راشدہ سے لے کر ۱۷۹ھ تک مدینہ منورہ میں جو جنازے پڑھے گئے، ان میں فاتحہ نہیں پڑھی گئی۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین میں سے مدینہ منورہ میں ایک شخص کا نام بھی پیش نہیں کیا جاسکتا جو نماز جنازہ میں فاتحہ کو فرض کہتا ہو۔ اور اس نے یہ فتویٰ دیا ہو مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً کے قبرستان میں جتنے لوگ دفن ہیں، سب بلا جنازہ دفن ہیں۔ اور تو اور کوئی مائی کا لال یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ خلفائے راشدین یا عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک کے جنازہ میں فاتحہ پڑھی گئی ہو۔ دیدہ باید

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے   یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں۔

دارالاسلام مکہ مکرمہ

مکہ مکرمہ بھی اسلام اور مسلمانوں کا مرکز ہے حضرت عطاء بن ابی رباح یہاں کے مفتی ہیں دو سو صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل ہے خود جلیل القدر تابعی ہیں اور آپ کے شاگرد تبع تابعی ہیں پورا خیر القرون ان کی نظر میں ہے آپ سے جب نماز جنازہ کی فاتحہ کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو آپ حیران ہو کر فرماتے ہیں مَاسَمِعْنَا

بِهٰذَا (ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۲۹۹) ہم نے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا کبھی سنا ہی نہیں بلکہ طاؤس وعطا کَانَ یُنْکِرَانِ الْقِرَاءَۃِ الْجَنَازَۃِ (ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹) حضرت طاؤس اور حضرت عطاء دونوں نماز جنازہ میں قرأت (فاتحہ پڑھنے) کا انکار فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پورے خیر القرون میں مکہ معظمہ میں ایک شخص بھی نماز جنازہ میں فرضیت کا قائل نہ تھا۔ سب جنازے بغیر فاتحہ کے پڑھے جاتے تھے اور فاتحہ نہ پڑھنے والوں پر کسی نے کبھی انکار نہ کیا اور ان کے لیے فاتحہ نہ درود مر گئے مردود کی پھبتی نہ کسی اور اگر کسی نے بھولے سے پڑھ لی ہو تو اکابر علماء نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا چنانچہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جنازہ میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورت پڑھی۔ چونکہ خیر القرون میں یہ ایک انوکھی بات تھی اسی وقت آپ کا بازو پکڑ کر پوچھا گیا کہ یہ کیا؟ آپ نے اِنَّھَا سُنَّۃٌ کہہ کر جان چھڑائی کہ یہ نماز جنازہ پڑھنے کا ایک غیر معروف طریقہ ہے جسے عام صحابہ تابعین نہیں پہچانتے اس لیے آپ نے لفظ سنت کو نکرہ بیان فرمایا۔

دارالاسلام کوفہ

کوفہ حضرت فاروق اعظمؓ نے آباد کیا وہاں تقریباً سترہ سو صحابہ قیام پذیر ہوئے یہاں کے پہلے شیخ القرآن والحدیث والفقہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ آخر میں حضرت علیؓ نے اس کو دارالخلافہ بنایا۔ یہ خلافت راشدہ کا آخری مرکز ہے آخری خلیفہ راشد حضرت علیؓ جب نماز جنازہ پڑھاتے تو

یَبْدَأُ الْحَمْدَ وَیُصَلِّی عَلَی النَّبِیِّ ﷺ ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ الخ۔

(ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۵)

پہلے خدا کی ثناء سے شروع فرماتے پھر درود پاک پڑھتے پھر میت کے لیے دعا فرماتے۔

پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت علیؓ نہ خود جنازہ میں فاتحہ پڑھتے تھے بلکہ

پڑھنے والوں پر انکار فرماتے تھے۔ دور تابعین میں امام شعبیؒ کا فتویٰ چلتا تھا یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے پانچ سو صحابہ کرام کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کیا یہ بھی نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد ثناء دوسری کے بعد درود شریف تیسری تکبیر کی بعد میت کے لیے دعا اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرتے تھے (ابن شیبہ ج ۳ ص ۲۹۵) اور امام شعبی اور نخعی فرمایا کرتے تھے کہ لَيْسَ فِيْ الْجَنَازَةِ قِرَأَةٌ (ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹) یعنی جنازہ میں کوئی قرأت نہیں نہ فاتحہ نہ اور کچھ۔

پھر اس دار العلم کی سربراہی امام الائمہ سراج الامت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاتھ آئی آپ کا فتویٰ ساری دنیا میں چل رہا ہے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ کی قرأت نہیں ہے۔

الحاصل دار العلم کوفہ میں بھی پورے خیر القرون میں ایک نام بھی نہیں لیا جا سکتا جو نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرض کہتا ہو اور یہ اعلان کرتا ہو کہ جو نماز جنازہ میں فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز جنازہ ادا نہیں ہوتی۔

بصرہ سے یمن تک

آپ اکتا جائیں گے اس لیے میں بات کو مختصر کرتا ہوں کہ بصرہ جو خیر القرون میں اسلام کا گہوارہ تھا وہاں بھی علامہ محمد بن سیرینؒ یہی فتویٰ دیتے تھے کہ نماز جنازہ میں قرأۃ نہیں اور یمن کے طاؤس بھی یہی فتویٰ دیتے تھے (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۹) لیکن بصرہ سے لے کر یمن تک پوری اسلامی دنیا میں ایک شخص نے بھی ان کی تردید نہ کی کہ سورۃ فاتحہ جنازہ میں فرض ہے تم فرض کے منکر ہو فرض سے روکتے ہو تمہارے جنازے باطل ہیں۔ کیا ہے کوئی غیر مقلد جو خیر القرون میں ایک ہی اپنا ہمنوا تلاش کر لے۔

الحاصل:

آنحضرت ﷺ نے کبھی نہ فرمایا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ فرض ہے جس جنازہ میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے، وہ جنازہ باطل ہے۔ دنیا کی کسی حدیث کی کتاب

میں ایسی حدیث موجود نہیں ہے اگر کوئی غیر مقلد آنحضرت ﷺ کا ایسا حکم دکھا دے تو ہم مبلغ دس ہزار روپیہ رائج الوقت انعام دیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ تم اپنے اس محسن اعظم کو بھی ساتھ ملا لو جس نے تمہیں ان فتنہ پردازیوں کے لیے جاگیریں دیں اور خزانوں کے منہ کھول دیے اور جس نے اہلحدیث کا نام الاٹ کیا پھر بھی تم ایسی حدیث پیش نہیں کر سکو گے۔ آؤ ہمت کرو۔ اگر رسول اکرم ﷺ سے تم یہ حکم نہ دکھا سکو اور قیامت تک نہ دکھا سکو گے تو کسی ایک خلیفہ راشد سے ہی فرضیت کا حکم دکھا دو اگر یہ بھی نہ کر سکو تو پورے خیر القرون میں لاکھوں صحابہ کروڑوں تابعین و تبع تابعین میں سے صرف ایک نام ایسا پیش کر دو جو نماز جنازہ میں فاتحہ کو فرض اور دنیا بھر کے جنازوں کو باطل کہتا ہو۔ سنو میں تمہیں ببانگ دہل کہتا ہوں۔ عورتوں کی طرح نقاب میں نہ چھپ جانا گوہ کی طرح بل میں نہ گھس جانا بجو کی طرح عقب میں نہ سمٹ بیٹھنا۔ مردوں کی طرح ایسا حکم پیش کرا ورنہ ہو سکے تو ضد کو چھوڑ کر راہ ہدایت پر آ جاؤ۔

فائدہ: ان احادیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ نماز جنازہ کا مقصد میت کے لیے دعا ہے سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے ثناء ہے یا اپنے لیے دعا ہے اس میں میت کے لیے دعا کا ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ اب نہ جانے غیر مقلد کس لیے اس کی فرضیت پر زور دے رہے ہیں جب کہ جنازہ کا اصل مقصد میت کے لیے دعا ہے اس میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ ہاں دعا سے پہلے ثناء پڑھنا سنت ہے اگر ثناء کی نیت سے کوئی پڑھے تو گنجائش ہو سکتی ہے۔

التنبیہ لا یقاظ السفیہ

غیر مقلدین حضرات سے عرض ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں فاتحہ کو فرض نہیں فرمایا تم کون ہو فرض کہنے والے کیا تمہیں ابن مسعودؓ کا وہ ارشاد عالی یاد نہیں کہ اپنی نماز میں شیطان کا حصہ شامل نہ کرو اور نماز میں شیطان کا حصہ شامل

کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دائیں طرف سے پھرنا (جو اگرچہ آنحضرت ﷺ کا اکثری عمل ہے لیکن ضروری اور فرض واجب نہیں اس کو) ضروری سمجھنا بدعت اور شیطان کا حصہ ہے۔ (بخاری)

اسی طرح جب آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کو فرض نہیں فرمایا تو تمہارا نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کو فرض قرار دینا اپنے جنازہ میں یقیناً شیطان کا حصہ شامل کرنا ہے۔ کیا ہم غیر مقلدوں سے یہ امید رکھیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ڈریں گے اور اپنے جنازوں کو شیطان کے دخل سے پاک کرلیں گے۔ ہاں دیکھنا شیطان کی طرح یہ پروپیگنڈہ نہ کرنا کہ فاتحہ کو شیطان کا حصہ کہہ دیا بلکہ غیر ضروری کو ضروری قرار دینے کو حضور نے خود شیطان کا حصہ فرمایا ہے۔

حضرت ابو وائل فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں جنازے کی نماز سات، چھ، پانچ اور چار تکبیروں سے ہوتی رہی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس اختلاف کو ختم کیا گیا۔

فَجَمَعَ عُمَرُ النَّاسَ عَلٰى اَرْبَعٍ كَاَطْوَلِ الصَّلٰوةِ

(بیہقی ج ۴، ص ۳۷) واسنادہ حسن فتح الباری۔

یعنی حضرت عمرؓ نے سب کو چار تکبیروں پر جمع فرمادیا کیونکہ بڑی نماز کی چار ہی رکعتیں ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم جو نمازیں پڑھتے ہیں کوئی نماز دو رکعت ہے کوئی تین رکعت کوئی چار رکعت۔ ایک سلام سے چار رکعت سے زیادہ کوئی فرض نماز نہیں ہے اور نماز جنازہ کی ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے تو زیادہ سے زیادہ چار تکبیریں ہی ہو سکتی ہیں کیونکہ بڑی سے بڑی نماز چار رکعت سے زائد نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہؓ نماز جنازہ کی تکبیرات کو فرض نماز کی رکعات کے قائمقام جانتے تھے۔ تو اگر نماز جنازہ میں قرأت فرض یا واجب یا سنت

بھی ہوتی تو نماز جنازہ میں چار دفعہ فاتحہ پڑھنی فرض ہوتی۔ کیونکہ چار رکعت نماز میں چار مرتبہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ ہر رکعت میں مستقل فاتحہ تو چار تکبیروں میں بھی چار مرتبہ فاتحہ پڑھنی چاہیے لیکن سوائے ابن حزم کے پوری امت میں کوئی شخص بھی جنازہ میں چار مرتبہ فاتحہ کی فرضیت کا قائل نہیں۔ اس سے معلوم ہوا جو لوگ فاتحہ پڑھتے ہیں وہ اس کو قرأت کی نیت سے بالکل نہیں پڑھتے ثناء کی نیت سے پڑھتے تھے۔ کیونکہ چار رکعت نماز میں قرأت چار مرتبہ ہوتی ہے۔ اور ثناء ایک مرتبہ چار رکعت میں جس کسی نے بھی صرف ایک مرتبہ فاتحہ پڑھی وہ ثناء ہی ہے قرأت نہیں۔

کیا بہ نیت ثنا فاتحہ پڑھ لینی چاہیے؟

ہمارے مسلک حنفی میں اصل ثناء سبحانک اللّٰھم ہی ہے جو ہر نماز میں بطور ثناء پڑھی جاتی ہے لیکن اگر اس کے ساتھ سورہ فاتحہ بھی ثناء کی نیت سے پڑھ لے تو جائز ہے لیکن آج کل نہ پڑھنا ہی بہتر ہے۔

غیر مقلدین کی فتنہ پردازی

غیر مقلدین کا کوئی مذہب نہیں ہے ان کا کام فتنہ فساد اور عوام کو پریشان کرنا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم فاتحہ پڑھ لیا کرو اگرچہ ثناء کی نیت سے ہی پڑھو پھر نماز جنازہ صحیح ہوگی۔

ان سے کوئی پوچھے کہ اگر ظہر کے چار فرض کوئی شخص فرض کی نیت سے نہ پڑھے نفل کی نیت سے پڑھ لے تو کیا اس کی نماز ظہر ہو جائے گی۔ ایک آدمی زکوٰۃ نہیں دیتا وہ دس روپے کسی کو دے رہا ہے اور صاف کہتا ہے کہ میری نیت زکوٰۃ کی نہیں صرف ہدیہ دے رہا ہوں تو کون جاہل کہے گا کہ اس کی زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ دوستو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات عمل کا دارومدار نیت پر ہے جب ایک آدمی فرض کی نیت ہی نہیں کرتا بلکہ وہ صاف اس کے فرض ہونے کا

انکار کررہا ہے تو اس کا فرض کیسے ادا ہو جائے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کے فرض ہونے کی جب انہیں کوئی دلیل کتاب وسنت میں نہیں ملتی تو بھولے بھالے حنفی عوام کو دھوکا دینے کے لیے ثناء کے طور پر فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ سنا دیتے ہیں جس سے عوام تو دھوکہ کھاتے ہیں لیکن اہل علم سمجھ لیتے ہیں کہ اب فرضیت کا انکار کر دیا ہے۔ غیر مقلدیت دم توڑ گئی ہے۔ نہ قرآن نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا نہ حدیث صحیح فرضیت کی ملی بے چارے کاسہ گدائی لے کر فقہا کی چوکھٹ پر بھی گئے لیکن بھیک نہ ملی آخر فقہ کی چوکھٹ پر فاتحہ کی فرضیت کے عقیدہ کو ذبح کر کے بطور ثناء فاتحہ پڑھنے کا وعظ شروع کیا۔

حنفی مذہب

حنفی مسلک میں سبحانک اللّٰھم بالاتفاق ثناء ہے لیکن جنازہ میں فاتحہ اگر بہ نیت ثناء پڑھی جائے تو گنجائش ہے اگر قرأت کی نیت سے پڑھی جائے تو مکروہ تحریمی ہے چونکہ عوام کے لیے اس باریک فرق کا لحاظ رکھنا مشکل ہے اور آنحضرت ﷺ کا حکم دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَالا یُرِیْبُکَ یعنی مشکوک چیز کو چھوڑ کر غیر مشکوک چیز پر عمل کرو تو فاتحہ پڑھنے میں مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے گناہ کا خطرہ موجود ہے اور سبحانک اللّٰھم پڑھنے سے کوئی خطرہ نہیں اس لیے فاتحہ سے پرہیز میں ہی احتیاط ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ غیر مقلدین فاتحہ کو بلا دلیل فرض قرار دے رہے ہیں اور بلا دلیل شریعت میں کسی عمل کو فرض قرار دینا نماز میں شیطان کا حصہ شامل کرنا ہے تو جب غیر مقلدین اپنی نماز میں شیطان کا حصہ داخل کر چکے اب فاتحہ کسی نیت سے بھی پڑھی جائے اس سے شیطان کی تائید ہوگی اس لیے اس سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے۔

دلائل غیر مقلدین

غیر مقلدین کا دعویٰ یہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز جنازہ باطل ہے۔ ظاہر ہے کہ فرضیت ثابت کرنے کے لیے دلیل قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت کی ضرورت ہے قطعی الثبوت کا یہ مطلب ہے کہ وہ آیت قرآنی ہو یا حدیث متواتر اور قطعی الدلالت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کا معنی صاف یہ ہو کہ فاتحہ جنازہ میں فرض ہے جو نماز جنازہ میں فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز باطل اور بیکار ہے۔

لیکن غیر مقلدین جو دلائل بیان کرتے ہیں ان میں سے نہ کوئی قطعی الثبوت ہے یعنی نہ قرآن کی آیت پیش کرتے ہیں نہ حدیث متواتر اور نہ ہی کوئی قطعی الدلالت ہے یعنی کسی حدیث کا یہ معنی نہیں کہ بغیر سورہ فاتحہ کے نماز جنازہ باطل اور بے کار ہے۔

وہ جو حدیثیں بیان کرتے ہیں وہ اس قدر ضعیف ہیں کہ فرض واجب ہونا تو کجا ان ضعیف احادیث سے تو فاتحہ کا سنت یا مستحب ہونا بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

۱۔ عن ام عَفِیفٍؓ قَالَتْ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ نَقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. (طبرانی)

ام عفیف کہتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔

اس میں اولاً تو سرے سے نماز جنازہ کا ذکر ہی نہیں پھر یہ نہایت درجہ کی ضعیف ہے چنانچہ اس کی سند میں عبد المنعم ابو سعید ہے جو ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۳)

۲۔ عن اُمِّ شَرِیْکٍؓ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ نَقْرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. (ابن ماجہ)

یعنی ام شریک فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہم عورتوں کو جنازہ پر فاتحہ پڑھنے کو حکم دیا۔

حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں اس کی سند کو بھی ضعیف کہا ہے۔

۳۔ عن اسماء بنت یزید قالت قال رسول اللہ ﷺ اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلٰی الْجَنَازَۃِ فَاقْرَوْا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب (طبرانی)

حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز جنازہ پڑھو تو فاتحہ پڑھا کرو۔

اس کی سند میں مُعَلّٰی بِنْ حُمْرَان ہے جس کا ثقہ ہونا ثابت نہیں پس حدیث ضعیف ہے۔

۴۔ عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ علی الْجَنَازَۃِ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ (ابن ماجہ ترمذی)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جنازہ پر فاتحہ پڑھی۔

اس کی سند میں ابوشیبہ ہے جس کو غیر مقلدین بالاتفاق ضعیف کہتے ہیں۔

۵۔ عن جابرؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللہ ﷺ قَرَأَبِاُمِّ الْقُرْآنِ بَعْدَ التَّکْبِیْرَۃِ الاُوْلٰی (کتاب الام)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی۔

اس کی سند میں ابراہیم بن ابی یحیٰ ہے جو متروک ہے۔

یہ پانچ روایات ہیں۔ جو کہ سب ضعیف ہیں ان سے تو فاتحہ کا سنت ہونا بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔

نیز پہلی تین احادیث میں عورتوں کو نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ عجیب بات ہے۔ کہ عورتیں جن پر جنازہ پڑھنا فرض نہیں ان کو آپ نے فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔ لیکن مرد جن پر جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے ان کو ایک مرتبہ بھی فاتحہ

پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ نُهِيْنَا عَنْ اِتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ کہ ہم عورتوں کو جنازہ پڑھنا تو کجا اس کے ساتھ جانے سے بھی روک دیا گیا۔ چنانچہ کسی حدیث سے بھی ثابت نہیں ہے اس وقت عورتیں جنازہ گاہ میں جا کر جنازہ پڑھتی ہوں۔ پس یہ اس پہلے زمانہ کی حدیثیں ہیں جب عورتیں بھی جنازہ پڑھ لیا کرتی تھیں۔ آخری زمانہ میں آنحضرت ﷺ کا نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کا نہ حکم دینا ثابت ہے نہ خود پڑھنا اس لیے باوجود ضعیف ہونے کے ان احادیث میں منسوخ ہونے کا قوی شبہ ہے اور یہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے نماز جنازہ میں فاتحہ نہ پڑھنے سے تو ان ضعیف روایات کے منسوخ ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔

چار تکبیریں

نماز جنازہ کی چار تکبیریں ہیں۔ حضرت آدم ◆، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، سب کی نماز جنازہ چار تکبیروں سے ہی پڑھی گئی (حاکم بیہقی) حضرت عمرؓ کی خلافت میں اس بات پر اجماع ہو گیا کہ اب جنازہ چار ہی تکبیروں سے پڑھا جائے گا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ آخری عمر میں چار تکبروں سے ہی جنازے پڑھاتے رہے۔ (کتاب الآثار محمد)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ ان رسول اللّٰہ ﷺ كَبَّرَ عَلٰى جَنَازَةٍ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ وَضَعَ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى. (ترمذی ص ۱۷۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پر تکبیر کہی اور پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے اور دایاں ہاتھ بائیں پر باندھا۔

عن ابی ھریرۃ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْكَفِّ عَلٰى

الْكَفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ - (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ ناف کے نیچے باندھے۔

عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عَلى الْجَنَازَةِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لا يَعُوْدُ۔

(دار قطنی ج۲ص۷۵)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نماز جنازہ کی پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔

پہلی تکبیر

پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے پھر ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لے اور سبحانک اللّٰھم پڑھے جس طرح نماز میں ثناء پڑھتے ہیں۔

فتنہ

غیر مقلدین کے پاس شور وشر فتنہ فساد کے سوا اور کچھ نہیں جب فتنہ برپا کرنے کا اور بہانہ نہ ملا تو ایک اشتہار شائع کیا اس میں ایک طرف سبحانک اللّٰھم لکھا جس طرح ہم سب نماز میں پڑھتے ہیں۔ دوسری طرف سبحانک اللّٰھم میں جل ثناؤک زیادہ کردیا ہے بس آسمان سر پر اٹھالیا۔

میں نے اس غیر مقلد سے کہا کہ جتنی ثناء آپ نے لکھی ہے خاص نماز جنازہ میں آنحضرت ﷺ سے اتنی پڑھنی تم ثابت کردو جل ثناؤک میں دکھادوں گا۔ آج کئی سال کا عرصہ گزر چکا ہے وہ پریشان ہے اسے حدیث نہیں مل رہی وہ اپنے ضمیر اور اپنی ساری جماعت کو لعنت ملامت کررہا ہے کہ ایسی حدیث تلاش کردو مگر کسی کو ہمت نہیں ہوئی۔ ایک دوسرے غیر مقلد سے میں نے کہا کہ حنفی فقہ کی معتبر کتاب سے ہمیں یہ دکھا

دو کہ نماز جنازہ کی ثناء میں جل ثناؤک ضروری ہے وہ بھی نہیں دکھا سکا پھر دیکھئے ایک خود بہتان تراشتے ہیں پھر خود ہی فتنہ کھڑا کرتے ہیں۔ اس لیے تو نواب صدیق حسن کو لکھنا پڑا کہ ان ھذا الا فتنة فی الارض وفساد کبیر (الحطہ) یہ فرقہ خدا کی زمین میں فتنہ وفساد پھیلانے کا ٹھیکیدار ہے۔

ہم تو یہ کہتے ہیں اگر کوئی جل ثناؤک پڑھے تو روکیں گے نہیں اور اگر نہ پڑھے تو حکم نہیں دیں گے۔ کیونکہ مشہور احادیث میں جل ثناؤک کا ذکر نہیں حافظ الحدیث ابن شجاع کتاب الفردوس میں حدیث لائے ہیں۔

عن ابن مسعودؓ مِنْ اَحَبَّ الْکَلَامِ اِلٰی عَزَّوَجَلَ اَنْ یَّقُوْلَ الْعَبْدُ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَ تَعَالٰی جَدُّکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کو یہ کلام بہت محبوب ہے۔ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَ تَعَالٰی جَدُّکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ.

یاد رہے کہ غیر مقلدین جو بھینس کو حلال کہتے ہیں اس کا ثبوت جَلَّ ثَنَاؤُکَ جتنا بھی پیش نہیں کر سکتے۔

دوسری تکبیر

دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھا جاتا ہے اور وہی درود شریف پڑھنا بہتر ہے جو ہم عام نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ لیکن ان فتنہ پردازوں نے یہاں بھی شرارت کھڑی کر رکھی ہے ٹکے ٹکے کی کتابوں سے یسرنا القران وغیرہ سے ورحمت وترحمت کے الفاظ سنا کر چیلنج کرتے ہیں کہ یہ الفاظ کس حدیث میں ہیں اور بیچارے عوام کو پریشان کرتے ہیں۔ ان جاہلوں کو یہ بھی علم نہیں کہ مذہب حنفی مستند کتابوں میں درج ہے۔ اگر مذہب حنفی پر اعتراض کرنا مقصود ہے تو مذہب حنفی کی مستند کتاب

سے وہ مکمل درود شریف دکھاؤ کتنی ڈھٹائی ہے کہ یسرنا القرآن سے عبارت نقل کر کے ہدایہ، درمختار اور خود امام ابو حنیفہؒ کے خلاف شر انگیزی شروع کر دی جائے۔

ہاں ہم بھی غیر مقلدوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ میں خاص یہ درود ابراہیمی مقرر فرمایا ہے یا یہ غیر مقلدوں نے خود مقرر کر لیا ہے؟ اگر کوئی صحیح صریح حدیث آپ کے پاس ہے کہ رسول پاک ﷺ نے نماز جنازہ میں لفظ بہ لفظ یہی درود ابراہیمی مقرر فرمایا ہے تو وہ حدیث لاؤ ہم مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ اور اگر تم آنحضرت ﷺ سے یہ مقرر کرنا نہ دکھا سکو تو تم کون ہوتے ہو مقرر کرنے والے؟ جونسا درود کوئی چاہے پڑھے۔ اگرچہ افضل یہی درود ابراہیمی ہے بلکہ حدیث شریف سے تو صاف ثابت ہے کہ کوئی درود دعا مقرر نہیں۔

عن جابرؓ قَالَ مَا اَبَاحَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلَا اَبُوْبَكْرٍ وَلَا عُمَرُ فِيْ شَيْءٍ مَا اَبَاحُوْا فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْمَيِّتِ يعنى لَمْ يُوَقِّتْ. (ابن ماجہ ص ۱۰۹ امسند احمد ج ۳ ص ۳۵۷)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول پاک حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ کے لیے کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی۔

نوٹ: حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں اس حدیث کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ رسول پاکؐ، ابو بکر صدیقؓ اور عمرؓ نے کبھی نماز جنازہ بلند آواز سے نہیں پڑھی۔

غیر مقلدیت کے عناصر اربعہ کا فتویٰ

مولانا عبد الجبار صاحب غزنوی فرماتے ہیں "میرے فہم میں یہ سب تشددات (یعنی بے جا سختی) ہے الفاظ ماثورہ (جو حدیث میں آئے ہوں) پر اگر کچھ الفاظ حسنہ زیادہ ہو جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تلبیہ رسول میں لبیک و سعدیک والخیر بیدیک لبیک والرغباء الیک

والعمل کے الفاظ زیادہ کرلیے۔ اسی طرح بہت مواضع میں ثابت ہے کہ صحابہ کرام اور علمائے اسلام الفاظ ماثورہ پر درود شریف اور دعوات (دعاؤں) میں بعض الفاظ زیادہ کرتے ہیں اور یہ عمل بلانکیر جاری رہا نماز میں بھی اگر ادعیہ ماثورہ (حدیث کی دعاؤں) پر زائد دعا پڑھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ خود حضور ﷺ کے پیچھے ایک شخص نے حمداً کثیراً اولی غیر ماثورہ دعا پڑھی تو آپ نے فرمایا تیس سے کچھ زیادہ فرشتے اس کے لکھنے کو آئے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوا کہ ماثور پر زیادت جائز ہے کیونکہ یہ دعا اس نے اپنی طرف سے زیادہ کی تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تحسین فرمائی اس کے نظائر بکثرت ہیں اگر کل کا استیعاب کیا جاوے تو ایک مستقل کتاب بنے گی غرضیکہ اس قسم کی زیادات بدعت سے نہیں بلکہ ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ﴾ (جو خوشی سے زیادہ نیکی کرے وہ اس کے لیے بہتر ہے) میں داخل ہے۔ فقط عبدالجبار عفی عنہ، سید محمد نذیر حسین، عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا شمس الحق عظیم آبادی۔

(فتاویٰ نذیریہ ص ۳، ۲، عون المعبود شرح ابوداؤد ج ۴ ص ۴۰۹)

لیجئے غیر مقلدین کے ان چاروں علماء نے فیصلہ ہی کر دیا کہ درود و دعا میں الفاظ حسنہ کی زیادتی صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک بلانکیر جاری رہی ہے۔ اب غیر مقلدوں کو سوچنا چاہیے کہ جن باتوں پر صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک چودہ سو سال میں کسی نے انکار نہیں کیا آج تم ان باتوں پر فتنے کھڑے کر کے مسلمانوں میں کیوں سر پھٹول کرا رہے ہو۔ کیا ہے کوئی غیر مقلد جو اپنے ان چاروں علماء کی قبریں اکھاڑے کہ تم نے احادیث سے زیادت کا جواز ثابت کر کے ہماری فتنہ پردازیوں پر کیوں پانی ڈالا۔

تیسری تکبیر

تیسری تکبیر کے بعد بالغ مرد اور عورت کے لیے مشہور دعا ہے اگرچہ غیر مقلدین نے اس دعا کے الفاظ میں تو اختلاف نہیں کیا لیکن پھر بھی رگ شرارت رہ نہیں

سکی۔ آنحضرت ﷺ ہمیشہ نماز جنازہ میں ایک ہی دعا پڑھا کرتے تھے۔ کبھی تین چار دعائیں اکٹھی کر کے نہیں پڑھیں نہ ان کو ضروری قرار دیا لیکن آج روپڑی صاحب اپنی تقریروں میں ایک دعا پڑھ کر جنازہ ختم کرنے کو جھٹکا کرنا کہتے پھرتے ہیں۔ دیکھیے سنت رسولؐ کے لیے یہ مکروہ تشبیہ اور پھر بھی نام اہلحدیث۔

برعکس نہند نام زنگی کافور

حالانکہ جماعت کی نماز میں تخفیف کو آپ ﷺ نے مستحب فرمایا۔ اور تطویل کرنے کو فتنہ پردازی فرمایا۔ اَفَتَّانٌ اَنْتَ یَا مُعَاذُ لیکن غیر مقلدین کو فتان بننا ہی پسند آتا ہے۔

نابالغ میت

ابن حزم غیر مقلد نے تو یہ لکھا ہے کہ نابالغ بچے کا جنازہ ہی نہیں پڑھنا چاہیے اسے بلا جنازہ ہی دفن کرنا چاہیے۔ لیکن آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَيُدْعٰى لِوَالِدَيْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ. (ترمذی وقال صحیح)

اس نابالغ کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اس کے ماں باپ کے لیے رحمت اور بخشش کی دعا کی جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطاً وَّسَلَفاً وَّاَجْراً (بیہقی) امام حسن بصریؒ بھی ایسی ہی دعا پڑھتے تھے۔ (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء نے جو نابالغ کے لیے بالغ سے علیحدہ دعا لکھی ہے، ان کی دلیل یہی احادیث ہیں۔

چوتھی تکبیر

چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام کہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے روایت فرمایا۔ سَلَّمَ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ (بیہقی) یعنی دائیں بائیں دو سلام کہے۔

حضرت عبداللہ بھی فرماتے ہیں اَلتَّسْلِيْمُ عَلَى الْجَنَازَةِ كَا لتَّسْلِيْمِ فِي

الصّلوٰۃ (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۱۶۲) یعنی جنازے کا سلام نماز کے سلام کی طرح ہی ہے۔

نماز جنازہ آہستہ پڑھنی چاہیے

قبل ازیں یہ لکھا جا چکا ہے کہ نماز دعا ہے اور دعا کے متعلق قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ سے دعا عاجزی سے اور آہستہ کیا کرو اللہ تعالیٰ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔ حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ جنازہ پڑھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ سِرًّا فِیْ نَفْسِہٖ دل میں پڑھا جائے اور فتاویٰ علمائے حدیث ج ۵ ص ۱۴۷ پر ہے کہ جب کوئی صحابی مِنَ السُّنَّةِ کَذَا کہے تو وہ حدیث مرفوع ہوتی ہے۔ پس کتاب وسنت کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کے مبارک دور سے لے کر تیرہ سو سال تک نماز جنازہ آہستہ پڑھی جاتی رہی یہاں تک کہ آخری تیرھویں صدی میں دہلی میں ایک غیر مقلد مولوی عبدالوہاب نامی ہوا جس سے انگریزوں نے سید احمد شہید کی تحریک کو فیل کرنے کے لیے امامت کا دعویٰ کروایا تھا (علمائے احناف اور تحریک مجاہدین ص ۵۲، ۵۳) اس مولوی نے سب سے پہلے دہلی میں بلند آواز سے نماز جنازہ پڑھنے کی رسم ڈالی (مقدمہ تفسیر ستاری ص ۱۵) اس دن سے خود غیر مقلدین میں خانہ جنگی شروع ہے۔ قاضی شوکانی نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۹۸ میاں نذیر حسین صاحب فتاویٰ نذیریہ ص ۶۶۳، ۶۶۴ ج ۱ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری فتاویٰ علمائے حدیث ج ۵ ص ۱۰۷ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں فاتحہ وسورۃ کا جہر مستحب نہیں یہ جمہور کا مذہب ہے۔ ان کا مشہور اخبار الاعتصام لکھتا ہے کہ تعلیم کیلئے تو بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے لیکن اس کو عادت بنانا اور سنت سمجھنا صحیح نہیں (جلد ۲ شمارہ ۱۹ فتاویٰ علمائے حدیث) اس کے علاوہ آج کل کے عوام غیر مقلدین بلند آواز سے نماز جنازہ پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں اور اس پر بہت اصرار کرتے ہیں ایسے لوگوں کو مولانا داؤد غزنویؒ کی نصیحت آویزہ گوش کر لینی چاہیے۔ آپ فرماتے ہیں ''ایک مستحب امر بعض حالتوں میں مکروہ بن جاتا ہے جب کہ امر مستحب کو اس کے درجہ استحباب سے بڑھا دیا جائے۔ جو شخص ایک امر مستحب

پر اصرار کرے اور افضل صورت پر عمل نہ کرے سمجھ لو کہ شیطان اسے گمراہ کرنے کے درپے ہے کیونکہ اس نے ایک امر مستحب کو اسے رتبہ استحباب سے بڑھا دیا۔ اسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے شیطانی عمل قرار دے کر اسے بدعت ہونے کی طرف اشارہ کیا جو شخص صریح بدعت پر اصرار کرے اور سنت کی راہ قبول کرنے سے گریز کرے تو سمجھ سکتے ہو کہ شیطان نے اس پر کس قدر قبضہ جما رکھا ہے اعاذنا اللہ منہ۔

(فتاویٰ علمائے حدیث ج ۵ ص ۱۱۶)

بہرحال نماز جنازہ آہستہ پڑھنا ہی کتاب وسنت پر صحیح عمل ہے۔ جن روایات میں جہر کا ذکر ہے ان میں صاف ظاہر ہے کہ وہ نماز کا طریقہ سکھانے کے لیے تھا، سنت نہیں تھا۔ اب غیر مقلد سوچیں کہ وہ کتاب اللہ اور سنت پر عمل کریں گے یا مولوی عبدالوہاب دہلوی کی جاری کردہ بدعت پر اصرار کریں گے۔

غیر مقلد دوستوں سے چند سوالات

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ ہم اہلحدیث ہیں ہمارا ہر مسئلہ حدیث سے ثابت ہے۔ اس لیے چند مسائل عرض کیے جاتے ہیں جن کی احادیث ہمیں نہیں ملیں براہ کرم وہ ہمیں ان احادیث کی نشاندہی فرما کر ماجور ہوں۔

۱۔ نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں۔ پس تنہا نماز کردن بر جنازہ صحیح باشد (بدور الاہلہ ص ۹۰) یعنی ایک ہی آدمی اکیلا نماز جنازہ پڑھ لے تو صحیح ہے یہ صحیح ہونا ایک شرعی حکم ہے اس کے لیے صحیح حدیث چاہیے کہ آنحضرت ﷺ نے کتنے جنازے اکیلے پڑھے آپ کے چار صاحبزادے تین صاحبزادیاں دو بیویاں وصال فرما گئیں۔ آپ نے ان میں سے کس کس کا جنازہ اکیلے پڑھا۔

۲۔ نواب صاحب فرماتے ہیں کہ جنازہ پر چار تکبیروں سے زیادہ تکبیریں کہنا بدعت ہے (بدور الاہلہ ص ۹۱، ۹۲) اور نواب وحید الزمان فرماتے ہیں، چار تکبیریں تو

کم از کم ہیں زیادہ بھی جائز ہیں (کنز الحقائق ص ۴۰) ان دونوں میں سے کس کا مسلک درست اور حدیث کے موافق ہے۔

۳۔ نواب وحید الزمان فرماتے ہیں کہ نماز میں ثناء (سبحانک اللّٰھم) نہیں پڑھنی چاہیے لیکن صادق سیالکوٹی نے صلوۃ رسول میں اور بہادر بیگ نے اپنے دو ورقے میں سبحانک اللّٰھم کو مسنون جنازہ میں درج فرمایا ہے۔ ان دونوں میں سے حدیث کے موافق کس کا مسلک ہے۔

۴۔ نواب صاحب فرماتے ہیں قبر مربع بنانی افضل ہے اور اونٹ کی کوہان کی طرح بنانی جیسے آج کل سب بناتے ہیں یہ حدیث کے خلاف ہے۔ منکر امر ہے مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسی قبر بنانے والے پر انکار کریں (بدور الاہلہ ص ۹۵) کیا غیر مقلدین اپنی قبروں کو جو اونچی بنی ہیں مٹادیں گے اگر نہ مٹائیں گے تو واجب کے تارک ہوں گے۔ افسوس ہے کہ غیر مقلدین احناف سے فاتحہ کے وجوب پر تو بہت لڑتے ہیں لیکن جب اپنی قبریں گرانے کا واجب حکم سنتے ہیں تو گونگے شیطان کا کردار ادا کرتے ہیں۔

۵۔ نواب صاحب فرماتے ہیں کہ بیمار کے مرنے سے پہلے اس کی تعزیت کرنا جائز ہے (بدور الاہلہ ص ۹۷) یہ جواز حکم شرعی ہے اس کی دلیل حدیث صحیح صریح مرفوع سے دکھائیں۔

۶۔ نواب وحید الزمان فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ کے آخر میں صرف ایک طرف سلام پھیرے۔ (کنز الحقائق ص ۴۱)

۷۔ غیر مقلد ابن حزم فرماتے ہیں کہ جب تک بچہ نابالغ ہو اس کے نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں (المحلی) لیکن نواب وحید الزمان فرماتے ہیں کہ جو چار مہینے کا حمل ساقط ہو جائے اس کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ (کنز الحقائق ص ۴۱) ان دونوں مسئلوں کے لیے صریح حدیث پیش کریں۔

۸۔ فتاویٰ علمائے حدیث ص ۳۸ پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کسی دنیوی

پریشانی سے تنگ آ کر کوئی موت کی تمنا نہ کرے یہ حدیث بخاری مسلم کی ہے لیکن ص ۴۰ پر ہے کہ خود امام بخاریؒ نے امیر خراسان سے تنگ آ کر اپنی موت کی دعا کی۔ آخر کیا امام بخاریؒ نے صحیح حدیث کی مخالفت کی؟

۹۔ عورت کے جنازے پر کفن کے علاوہ ایک چادر ڈالتے ہیں۔ مولانا عبدالجبار عمر پوری غیر مقلد کہتے ہیں کہ اس چادر کا احادیث میں کہیں پتہ ونشان نہیں ملتا۔ اس کو مسنون خیال کرنا بالکل جہالت ہے یہ بدعت مردودہ ہے لیکن مولوی علی محمد صاحب سعیدی کہتے ہیں کہ اگر احادیث میں اس کا ذکر نہ بھی ملے تو یہ اس کے ناجائز ہونے کی دلیل نہیں۔ اس چادر کے بغیر میت بدنما معلوم ہوتی ہے (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۴۴) بتایئے اس جہالت اور بدعت مردودہ کے چھوڑنے کو بدنما کہنے والے کا کیا حکم ہے۔

۱۰۔ محدث دہلی نے فتویٰ دیا کہ مال زکوۃ سے کسی میت کی تجہیز و تکفین جائز نہیں۔ لیکن علی محمد سعیدی کہتے ہیں کہ جائز ہے (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۴۴، ۴۵ ج ۵)

۱۱۔ قبر میں مٹی ڈالتے وقت ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ...﴾ الآیہ پڑھنا مستحب ہے مگر اس کی حدیث ضعیف ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۶۰، ۶۱ ج ۵)

۱۲۔ نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں ہاتھ اٹھائے اور پھر باندھ لے (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۲۱، ۱۲۲ ج ۵) اکثر جگہ غیر مقلدین اس پر عمل نہیں کرتے یہ کیوں؟ یہ ہاتھ اٹھانا مستحب ہے مگر حدیث ضعیف سے ثابت ہے۔ (ص ۱۵۶، ۱۵۷ ج ۵)

۱۳۔ جنازہ کو اٹھاتے وقت باری باری بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھنا۔ اس کا کوئی ثبوت خیر القرون میں نہیں ملتا مگر پھر بھی مستحب ہے۔

(فتاویٰ علمائے حدیث ج ۵ ص ۱۳۲)

۱۴۔ نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنا شرط ہے فرض سے بڑھ کر (بدور الاہلہ ص ۹۲) سنت ہے۔ فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۴۲، ۱۴۳ ج ۵) غیر مقلد کس نیت سے پڑھتے ہیں فرض کو سنت یا سنت کو فرض کہنے والے کا کیا حکم ہے؟

نماز کے بارے میں غیر مقلدین کی

غلط بیانیاں اور جھوٹ

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

فرقہ غیر مقلدین نے دور برطانیہ میں جنم لیا اور اہل السنت والجماعت کی نمازوں کو باطل و بے کار قرار دیا اور یہ پروپیگنڈہ کیا کہ ہماری نماز کا ہر ہر مسئلہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اجماع اور قیاس کی ہمیں ضرورت نہیں لیکن اپنی نماز کے بارے میں ایسی ایسی غلط بیانیوں سے کام لیا کہ دیانت وشرافت سر پیٹ کر رہ گئیں۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک صد نقل کی جاتی ہیں۔

مسئلہ (۱) نماز میں ہاتھ باندھنا

جھوٹ (۱) سینے پر ہاتھ باندھنے کے لیے اس آیت سے استدلال کیا ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾۔ (فتاویٰ علمائے اہل حدیث ج ۳ ص ۹۵، فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۴۴۳) اور اس کی بنیاد ایک باطل روایت پر رکھی۔

جھوٹ (۲) سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث بخاری اور مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں۔ (ثنائیہ ج ۱ ص ۴۴۳، علماء حدیث ج ۳ ص ۹۱)

یہ ایسا ہی جھوٹ ہے جیسا مرزا قادیانی لکھا کہ مسیح موعود کا چودھویں صدی کے سر پر آنا قرآن، حدیث اور کشوف اولیاء سے ثابت ہے۔ (شہادۃ القرآن)

جھوٹ (۳) نبی ﷺ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں بھی ایک ایسی حدیث آئی ہے۔ (ثنائیہ ج ۱ ص ۴۵۷)

یہ ایسا ہی جھوٹ ہے جیسے مرزا نے کہا تھا کہ بخاری میں ہے کہ هذا خليفة المهدى کی آواز آسمان سے آئے گی۔

دھوکہ (۴) مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶ پر يضع هذه على صدره تھا۔ فتاویٰ ثنائیہ میں يضع يده على صدره کر دیا۔ (ج ۱ ص ۴۵۸، ج ۱ ص ۴۴۵)

جھوٹ (۵) ابن خزیمہ میں ایک حدیث اس سند سے تھی اخبرنا ابو طاهر نا ابو بكر نا ابو موسىٰ نا مومل نا سفيان عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل بن حجر الحديث (ج ۱ ص ۲۴۳) مگر اس ضعیف سند کو اتار کر مولوی عبدالرحمٰن

مبارک پوری شارح ترمذی اور مولوی ثناء اللہ امرتسری اور علی محمد سعید نے مسلم کی یہ سند لگا دی۔ عن محمد بن یحییٰ عن عفان عن ھمام عن محمد بن حجادہ عن عبدالجبار بن وائل عن علقمۃ بن وائل و مولیٰ لھم عن ابیہ۔

(مسلم) فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۴۲۴، فتاویٰ اہل حدیث ج ۳ ص ۹۱)

اس جھوٹ کی مثال قادیانی کے ہاں بھی نہیں۔

جھوٹ (۶) مولانا ثناء اللہ لکھتے ہیں کہ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۴۵۷)

جھوٹ (۷): فتاویٰ علماء اہل حدیث میں ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے بلوغ المرام میں اس کو صحیح کہا ہے۔ (ج ۱ ص ۹۵)

حالانکہ یہ جھوٹ ہے۔

جھوٹ (۸) گوجرانوالہ کے ابو خالد نور حسین گرجاکھی نے اپنے رسالہ ''اثبات رفع یدین'' ص ۲۲ پر حضرت وائل بن حجر کی شہادت کے تحت صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۳، ابن ماجہ ص ۶۲، دارمی ص ۱۰۷، دار قطنی ص ۱۱۸، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۳، جزء بخاری ص ۱۴، مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۸، جزء سبکی ص ۱۳، مشکوٰۃ ۹ کتابوں کے حوالہ سے سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث لکھی ہے۔

حالانکہ اس حدیث میں علی صدرہ کا لفظ کسی ایک کتاب میں بھی نہیں ہے یہ ایک سانس میں ۹ جھوٹ مرزا بھی نہ بول سکا۔

جھوٹ (۹) غیر مقلدین ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نماز میں ہمیشہ سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے۔ ساری عمر میں ایک دفعہ بھی کسی اور جگہ ہاتھ نہیں باندھے۔ مگر وہ اس جھوٹ کو آج تک کسی صحیح سند سے ثابت نہیں کر سکے البتہ جھوٹ بات بات پر بولتے ہیں۔

جھوٹ (۱۰) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے۔

(ہدایہ ج ۱ ص ۳۵۰، حقیقت الفقہ ص ۱۹۳)

جھوٹ (۱۱) سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق ائمہ محدثین صحیح ہے۔
(ہدایہ ج۱ ص ۳۵۰، شرح وقایہ ص ۹۳، حقیقت الفقہ ص ۱۹۳)

جھوٹ (۱۲) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث مرفوع نہیں، وہ قول علیؓ ہے اور ضعیف ہے۔ (شرح وقایہ ص ۹۳، حقیقت الفقہ ص ۱۹۳)

یہ تینوں باتیں محض جھوٹ ہیں۔ ہدایہ اور شرح وقایہ کے متن کی اصل عربی عبارت پیش کریں جس کا یہ ترجمہ ہے۔

جھوٹ (۱۳) مولوی محمد یوسف جے پوری حقیقت الفقہ ص ۱۹۳ پر لکھتے ہیں حضرت مرزا مظہر جان جاناں مجددی حنفی سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کو بسبب قوی ہونے کے ترجیح دیتے تھے اور خود سینے پر ہاتھ باندھا کرتے تھے۔ (ہدایہ ج۱ ص ۳۵۱)

آپ حیران ہوں گے کہ صاحب ہدایہ کا وصال ۵۹۳ھ میں ہو چکا تھا۔ جبکہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ تو بارہویں صدی کے بزرگ کی نماز کا طریقہ چھٹی صدی ہجری کی کتاب میں کیسے آ گیا؟ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی من چلا کہہ دے کہ میاں نذیر حسین دہلویؒ میدان بدر میں حضور ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے تھے۔

صحیح احادیث سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ثابت ہے۔

صحیح احادیث کا مذاق اڑانا

حدیث (۱) مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص ۳۹۰ کے صحیح نسخوں میں نہایت صحیح سند سے حدیث موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھے۔

لیکن مولوی محمد حنیف غیر مقلد جھنگوی اس سنت کا یوں مذاق اڑاتا ہے: "حنفیوں کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ یہ آلہ تناسل پر ہاتھ باندھتے ہیں"
(قول حق ص ۶۲)

اور غیر مقلد مولوی شمشاد سلفی آف نارنگ تقریر میں آلہ تناسل پر ہاتھ رکھ کر کہا کرتا ہے یہ ہے حنفیوں کی نماز۔

حدیث (۲) مسند اہل بیت میں یہ حدیث ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تین کام تمام انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں شامل رہے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور ہتھیلی پر ہتھیلی رکھ کر ناف کے نیچے رکھنا۔

مگر مولوی فیض عالم جہلمی غیر مقلد تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت کا یوں مذاق اڑاتا ہے کہ ایک دن خلیفہ ہارون الرشید نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کا ازار بند کھل گیا اس نے ہاتھ نیچے کر کے ازار بند باندھ لیا تو قاضی ابو یوسفؒ نے فتویٰ دے دیا کہ آئندہ نماز میں ہاتھ زیر ناف باندھا کریں۔ (اختلاف امت کا المیہ ص ۶۲)

احادیث اور سنتوں کا ایسا مذاق پادریوں اور پنڈتوں نے بھی نہیں اڑایا اور ایک مسئلہ میں اتنے جھوٹ اور فریب شاید سوامی دیانند نے بھی نہ کیے ہوں۔

مسئلہ (۲)

جھوٹ (۱۶) بجائے سبحانک اللّٰھم کے باعدبینی پڑھنا زیادہ ترجیح ہے۔ (ابن ہمام شرح وقایہ ص ۹۴، حقیقت الفقہ ص ۱۹۳)

یہ بالکل جھوٹ ہے۔ مؤلف کو شرح وقایہ میں ابن ہمام کا ذکر کیسے نظر پڑ گیا جب کہ صاحب شرح وقایہ کی وفات ۷۴۴ھ میں ہوئی اور ابن ہمام کی ولادت ۷۸۸ھ میں ہوئی۔ مؤلف تاریخ سے بالکل جاہل ہے۔

مسئلہ (۳)

جھوٹ (۱۷) انی وجھت نماز کے اندر پڑھنا مسنون ہے۔

(شرح وقایہ ص ۹۴، حقیقت الفقہ ص ۱۹۳)

یہ بالکل جھوٹ ہے۔ شرح وقایہ میں مفتی بہ قول اس کے خلاف درج ہے۔

چوری اور سینہ زوری۔

مسئلہ (۴)

جھوٹ (۱۸) لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب یہ حدیث۔ سند صحیح صحاح ستہ وسنن

دار قطنی میں مروی ہے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۳۶۱، حقیقت الفقہ ص ۱۹۳)

ہدایہ میں نہ صحاح ستہ کا ذکر ہے نہ دار قطنی کا یہ محض مؤلف کا افتراء ہے۔

جھوٹ (۱۹) ابن ہمام نے تقلت القرآن والی حدیث کے راوی ثقہ بتا کر کہا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے۔

(ہدایہ ج ۱ ص ۴۲۹، حقیقت الفقہ ص ۱۹۳)

یہ ہدایہ میں نہیں ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ صاحب ہدایہ کا وصال ۵۹۳ھ میں ہوا اور ابن ہمامؒ کی پیدائش ۷۸۸ھ میں ہوئی۔ دو سو سال بعد پیدا ہونے والا قول ہدایہ میں کیسے درج ہو گیا۔

جھوٹ (۲۰) امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کی احادیث ضعیف ہیں۔

(شرح وقایہ ص ۱۰۸، حقیقت الفقہ ص ۱۹۳)

یہ بالکل جھوٹ ہے۔ شرح وقایہ کی اصل عربی عبارت متن کی پیش کی جائے۔

جھوٹ (۲۱) حضرت ابن عمرؓ کا اثر فاتحہ خلف الامام نہ پڑھنے کا ضعیف ہے۔

(شرح وقایہ ص ۱۰۹، حقیقت الفقہ ص ۱۹۴)

جھوٹ (۲۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بھی منع فاتحہ میں ضعیف ہے، باطل ہے۔ (شرح وقایہ ص ۱۱۰، حقیقۃ الفقہ ص ۱۹۴)

جھوٹ (۲۳) اذا کبر الامام فکبروا حدیث ضعیف ہے۔

(شرح وقایہ ص ۱۱۰ حقیقت الفقہ ص ۱۹۴)

جھوٹ (۲۴) مشرکین نے قرآن سننے سے پرہیز کیا پاس والوں سے کہتے ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ...﴾ "مت سنو اس قرآن کو" تو اللہ نے ان کو نصیحت کی فرمایا ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا...﴾ جب پڑھا جائے قرآن تو سنو اور چپ رہو۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۴۳۰، حقیقت الفقہ ص ۱۹۴)

یہ ۲۱ تا ۲۴ چاروں باتیں بالکل جھوٹ ہیں۔ شرح وقایہ اور ہدایہ کی اصل

عربی عبارات پیش کریں۔

مسئلہ (۵)

جھوٹ (۲۵) آمین مہر قبولیت ہے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۳۶۴، حقیقت الفقہ ص ۱۹۴)

جھوٹ (۲۶) احادیث آمین بالجہر کے اثبات میں ہیں۔

(ہدایہ ج ۱ ص ۳۶۵، شرح وقایہ ص ۹۷ حقیقت الفقہ ص ۱۹۴)

جھوٹ (۲۷) مقتدی امام کی آمین سن کر آمین کہیں۔

(درمختار ج ۱ ص ۲۲۹، حقیقت الفقہ ص ۱۹۴)

جھوٹ (۲۸) ابن ہمام نے آہستہ آمین والی حدیث کو ضعیف کہہ کر یہ فیصلہ دیا ہے کہ آمین درمیانی آواز سے ہونی چاہیے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۳۶۳)

یہ ۲۵ تا ۲۸ تینوں جھوٹ حقیقت الفقہ ص ۱۹۴ پر درج ہیں۔ ان کتابوں میں یہ باتیں ہرگز نہیں اور جیسا کہ ۱۹ میں گزرا، ابن ہمام تو صاحب ہدایہ سے دو صدی بعد پیدا ہوئے ان کی بات ہدایہ میں کیسے؟ یہ جھوٹ رسالہ آمین بالجہر نور حسین گرجاکھی کے ص ۲۲، ۲۱ پر بھی درج ہیں۔

جھوٹ (۲۹) حافظ عبداللہ روپڑی صاحب نے شوکانی غیر مقلد کے حوالہ سے نقل کیا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ پڑھتے تو آمین کہتے۔ یہاں تک کہ پہلی صف میں جو آپؐ کے نزدیک ہوتے سن لیتے روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔ اور ابن ماجہ نے کہا ہے کہ پہلی صف سن لیتی، یہاں تک کہ بہت سی آوازوں کے ملنے سے مسجد میں ہر جلہ ہو جاتا۔ نیل الاوطار میں ہے اس حدیث کو دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے اسناد اس کی اچھی ہے اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ بخاری مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے حسن صحیح ہے۔ (اہل حدیث کے امتیازی مسائل ص ۷۶)

یہ جھوٹ ہے۔ دار قطنی، حاکم اور بیہقی نے اس حدیث کو روایت ہی نہیں کیا چہ جائیکہ اس کو حسن صحیح وغیرہ کہا ہو۔ افسوس غیر مقلدین کا مذہب بھی کتنا یتیم ہے کہ جھوٹ کے سوا اس کا کوئی سہارا نہیں۔

جھوٹ (۳۰) مستری نور حسین گرجاکھی اپنے رسالہ آمین بالجہر ص ۲۲ پر سرخی لکھتے ہیں: ''یہود کا آمین بالجہر پر حسد کرنا'' اور اس کے تحت دس نمبر دیے ہیں۔ جن میں سے ایک حدیث بھی صحیح نہیں اور جہر کا لفظ تو ان جھوٹی روایات میں بھی نہیں ہے۔ یہ ایک ہی سانس میں دس جھوٹ بولنا اہل حدیث ہونے کی علامت ہے یا منافق ہونے کی؟

جھوٹ (۳۱) مستری نور حسین صاحب لکھتے ہیں:

''اشعار در اثبات آمین بالجہر''

ایہہ آمین کرن دیاں لکھیاں ایک سو پنج دلیلاں
مومن من نبیؐ دا کہنا منن کم اصیلاں
ستر پنج پچھتر وڈیاں ڈھیاں کھول کتاباں
تیں سو کھول حوالہ کڈھیا گنتی وچ حساباں
سبھنا تھیں ایہہ ثابت ہو یا سن تو یار گرامی
خوب آمین پکار نبیؐ نے آکھی عمر تمامی

(آمین بالجہر ص ۳۱)

یعنی رسول پاک ﷺ نے ساری عمر خوب بلند آواز سے آمین کہی۔ اس کی ایک سو پانچ دلیلیں ہیں۔ حالانکہ دوام جہر کی ایک ضعیف حدیث بھی موجود نہیں ہے۔ یہ ہیں ایک ہی سانس میں ۱۰۵ سیاہ جھوٹ۔

مسئلہ (۲)

غیر مقلدین چار رکعت نماز میں پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں ہمیشہ رفع یدین کرتے ہیں اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں کبھی رفع یدین نہیں

کرتے۔ اسی طرح رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہمیشہ رفع یدین کرتے ہیں اور سجدوں میں جاتے اور اٹھتے وقت کبھی رفع یدین نہیں کرتے۔ یہ ان کا عمل ہے۔

اس عمل پر وہ مندرجہ ذیل دعوے کرتے ہیں۔ جو کہ بالکل جھوٹ ہیں۔

جھوٹ (۳۲) غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں ہمیشہ رفع یدین کرنے کا حکم دیا اور اس کو سنت مؤکدہ فرمایا اور ساری عمر یہ رفع یدین کرتے رہے نہ کرنے والے کی نماز کو باطل فرمایا۔

جھوٹ (۳۳) غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین کرنے سے منع فرمایا اور اس رفع یدین کو حرام فرمایا اور اس جگہ رفع یدین کرنے والے کی نماز کو باطل فرمایا۔

جھوٹ (۳۴) ان کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنے کا حکم دیا۔ اس کو سنت مؤکدہ فرمایا ہمیشہ اس پر عمل فرمایا اور نہ کرنے والے کی نماز کو باطل فرمایا۔

جھوٹ (۳۵) ان کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سجدوں میں جاتے اور سجدوں سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنے سے منع فرمایا، اسے حرام فرمایا، کبھی یہ رفع یدین نہ کی بلکہ کرنے والے کی نماز کو باطل فرمایا۔

جھوٹ (۳۶) غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ یہ مکمل طریقہ جو ۳۲ تا ۳۵ میں درج ہے۔ حضورؐ سے چار سو صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔

جھوٹ (۳۷) غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہؓ ساری عمر اسی طریقہ پر نماز ادا کرتے رہے۔

جھوٹ (۳۸) مستری نور حسین کا کہنا ہے کہ یہ مکمل طریقہ مسند احمد (۱۲۶) پر مالکؒ زہریؒ، سالمؒ، ابن عمرؓ کے طریق سے مروی ہے۔

جھوٹ (۳۹) ابن منذر نے امام مالکؒ سے ہاتھ باندھنا حکایت کیا ہے۔

(ہدایہ ص ۳۵، حقیقۃ الفقہ ص ۱۹۳)

جھوٹ (۴۰) مسئلہ رفع یدین پر مولوی عبدالرشید غیر مقلد نے ''کتاب الرسائل فی تحقیق المسائل'' شائع کی۔ مولوی نور حسین نے کتاب ''اثبات رفع الدین'' شائع کی اور اس کے بیٹے خالد گرجاکھی نے جزء رفع الیدین لکھی۔ ان سب نے یہ لکھا کہ ہماری نماز میں رفع یدین کا مکمل طریقہ ان صحابہؓ نے نبی پاکؐ سے باسناد صحیحہ روایت کیا ہے۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب، حضرت امام حسین، حضرت زیاد بن حارث، حضرت عمرو بن العاص، حضرت بریدۃ، حضرت عدی بن عجلان، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابومسعود بدری، حضرت عائشہ، حضرت ابودرداء، حضرت عبداللہ بن جابر، حضرت امام حسن بن علی، حضرت سلمان فارسی، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عمران بن حصین، حضرت نعمان بن ابی عیاش، حضرت بریرۃ، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم۔

حالانکہ یہ جھوٹ ہے ایک ہی سانس میں ۲۶ صحابہؓ پر جھوٹ باندھ دینا اس کی جرأت پنڈت شردھانند اور ماسٹر رام چندر بھی نہ کرسکا، یہ غیر مقلدین کا ہی حوصلہ ہے۔

جھوٹ (۴۱) مولوی محمد یوسف جے پوری لکھتے ہیں: تصدیق احادیث رفع یدین قبل رکوع اور بعد رکوع۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۳۸۴، شرح وقایہ ص ۱۰۲، حقیقۃ الفقہ ص ۱۹۴)

جھوٹ (۴۲) بیہقی میں ہے کہ ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ حضور آخر تک رفع یدین کرتے رہے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۳۸۶۔ حقیقۃ الفقہ ص ۱۹۴)

جھوٹ (۴۳) رفع یدین کرنے کی حدیثیں بہ نسبت ترک رفع کے قوی ہیں۔

(ہدایہ ج ۱ ص ۳۸۹۔ حقیقۃ الفقہ ص ۱۹۴)

جھوٹ (۴۴) رفع یدین نہ کرنے کی حدیث ضعیف ہے۔

(شرح وقایہ ص ۱۰۲۔ حقیقۃ الفقہ ص ۱۹۴)

جھوٹ (۴۵) حق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے رفع یدین صحیح ثابت ہے۔

(ہدایہ ج ۱ ص ۳۸۶۔ حقیقۃ الفقہ ص ۱۹۵)

جھوٹ(۴۶) جو رفع یدین کرے اس سے مناقشہ حلال نہیں۔

(ہدایہ ج۱ص۳۸۹۔حقیقۃ الفقہ ص۱۹۵)

جھوٹ(۴۷) عشرہ مبشرہ صحابہؓ نے انکو روایت کیا ہے (روایات رفع یدین) کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ اس دنیا سے رحلت فرماگئے۔

(صلوٰۃ الرسول ص۴۱۶)

یہ سب جھوٹ ہیں۔محولہ کتابوں میں نہیں ان کتابوں کے متن کے اصل عربی عبارات پیش کریں۔

مسئلہ(۷)

جھوٹ(۴۸) جلسہ استراحت نہ کرنے کی حدیث میں ابن ایاس راوی محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ (شرح وقایہ ص۱۰۱۔حقیقۃ الفقہ ص۱۹۵)

مسئلہ(۸)

جھوٹ(۴۹) درمیانی قعدہ سے ہاتھ ٹیک کر اٹھنے میں مضائقہ نہیں۔

(ہدایہ ج۱ص۳۹۵۔حقیقۃ الفقہ ص۱۹۵)

مسئلہ(۹)

جھوٹ(۵۰) انگلی سے حرکت دینا بھی جائز ہے۔

(ہدایہ ج۱ص۳۹۱۔حقیقۃ الفقہ ص۱۹۵)

مسئلہ(۱۰)

جھوٹ(۵۱) پہلی دوسری رکعت میں ایک سورت چھوڑ کر پڑھے تو مکروہ نہیں۔

(ہدایہ ج۱ص۴۲۸۔حقیقۃ الفقہ ص۱۹۵)

مسئلہ(۱۱)

جھوٹ(۵۲) بھولے سے ترتیب بدل جائے تو مضائقہ نہیں۔

(درمختار ج۱ص۲۵۴۔حقیقۃ الفقہ ص۱۹۵)

مسئلہ (۱۲)

جھوٹ (۵۳) رکنے پر قرأت ایک جگہ سے پڑھ کر دوسری جگہ سے پڑھنا جائز ہے۔ در مختار ج ا ص ۲۹۰ حقیقۃ الفقہ ص ۱۹۵۔

مسئلہ (۱۳)

جھوٹ (۵۴) جس غلطی سے معنیٰ کفری پیدا ہوں تو نماز فاسد ہوگی ورنہ نہیں۔

(در مختار ج ا ص ۲۹۴۔ حقیقۃ الفقہ ص ۱۹۵)

مسئلہ (۱۴) بعد فرض سنت پڑھنا

جھوٹ (۵۵) صبح کے فرض کے بعد سنت پڑھ سکتا ہے۔

(ہدایہ ج ا ص ۱۴۲ ۵، شرح وقایہ ص ۸۴، منیۃ الصلی ص ۷۰۔ حقیقۃ الفقہ ص ۱۹۵)

مسئلہ (۱۵) صبح کی سنتیں پڑھ کر لیٹنا

جھوٹ (۵۶) صبح کی سنت پڑھ کر داہنی کروٹ لیٹے۔

(در مختار ج، ص ۳۱۶، ہدایہ ج ا ص ۱۴۱ ۵۔ حقیقۃ الفقہ ص ۱۹۶)

مسئلہ (۱۶)

جھوٹ (۵۷) نماز میں آیات کا جواب دینا ثابت ہے۔

(ہدایہ ج ا ص ۴۴۰۔ حقیقۃ الفقہ ص ۱۹۶)

مسئلہ (۱۷) جوتے پہن کر نماز پڑھنا

جھوٹ (۵۸) جوتے پہن کر نماز پڑھنا افضل ہے۔

(در مختار ج ا ص ۳۰۶ حقیقۃ الفقہ ص ۱۹۶)

مسئلہ (۱۸) رفع یدین والی نماز

جھوٹ (۵۹) امیر کاتب العمید متعصب حنفی تھا۔ رفع یدین والی نماز کو باطل کہتا تھا۔ مولانا عبدالحئ نے اس کی تردید کی۔ (عالمگیری ج ا ص ۸۱۔ حقیقۃ الفقہ ص ۱۹۶)

عالمگیر کی وفات ۱۱۱۸ھ میں ہوئی اور مولانا عبدالحیؒ لکھنوی کی پیدائش ۱۲۶۴ھ میں ہوئی۔ تو کیا یہ ممکن بھی ہے؟

مسئلہ (۱۹) نماز قصر کی مسافت

جھوٹ (۶۰) تین میل تک کی مسافت میں قصر جائز ہے۔ (شرح وقایہ ص ۱۴۵)

یہ تمام حوالہ جات ۴۱ تا ۶۰ حقیقت الفقہ حصہ دوم ص ۱۹۵، ۱۹۷ سے لیے ہیں یہ سب جھوٹ ہیں۔ اگر غیر مقلدین میں جرأت ہے تو ان کتابوں کے متن کی اصل عربی عبارات لکھیں جن کا یہ ترجمہ ہے۔

مسئلہ (۲۰) رکعات نماز وتر

جھوٹ (۶۱) وتر ایک رکعت بھی ہے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۵۶۸، شرح وقایہ ص ۱۲۵، منیۃ المصلی ص ۹۶، حقیقت الفقہ ص ۱۹۹) یہ جھوٹ محض ہے۔ ان کتابوں میں تو اس کے خلاف لکھا ہے کہ وتر تین رکعت ہیں ان کے درمیان سلام نہیں۔

جھوٹ (۶۲) ایک وتر پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۵۲۹) حقیقت الفقہ ص ۱۹۹۔ ہدایہ میں یہ نہیں۔ محض جھوٹ ہے۔

جھوٹ (۶۳) وتر ایک، تین، پانچ، سات رکعت ہیں۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۵۲۶، شرح وقایہ ص ۱۲۳) حقیقت الفقہ ص ۱۹۹۔

جھوٹ (۶۴) تین وتر کی روایت ضعیف ہے۔ (شرح وقایہ ص ۱۲۴) حقیقت الفقہ ص ۱۹۹۔

مسئلہ (۲۱) بعد رکوع دعا قنوت

جھوٹ (۶۵) بعد رکوع کے دعا قنوت پڑھنے کی روایت چاروں خلفاء سے ہے۔ (شرح وقایہ ص ۱۲۵) حقیقت الفقہ ص ۱۹۹۔

جھوٹ (۶۶) ابن ہمام نے کہا کہ بعد رکوع قنوت پڑھنے کی نص صریح حدیث حسن بن علیؓ بروایت حاکم ہے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۵۳۰) حقیقت الفقہ ص ۱۹۹۔

جھوٹ(۶۷) دعائے قنوت اللّٰھم اھدنی حدیث سے ثابت ہے۔(درمختار ج، ص ۳۱۱، عالمگیری ج ۱ص ۵۳۱، شرح وقایہ ص ۱۲۶، کنز ص ۴۸) حقیقت الفقہ ص ۱۹۹۔

مسئلہ(۴۲) نماز فجر میں قنوت پڑھنا

جھوٹ(۶۸) نماز فجر میں قنوت پڑھنا چاروں خلفائے راشدین، عمار بن یاسر، ابی بن کعب، ابوموسیٰ اشعری، ابن عباس، ابوہریرہ، براء بن عازب، انس، سہل بن سعد، معاویہ، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے اور اسی طرف اکثر صحابہؓ و تابعینؒ گئے ہیں۔ (ہدایہ ج ۱ص ۵۳۴) حقیقت الفقہ ص ۱۹۹۔

مسئلہ(۴۳) سجدہ سہو میں ایک طرف سلام پھیرنے والا

جھوٹ(۶۹) سجدہ سہو میں ایک طرف سلام پھیرنے والا بدعتی ہے۔

(ہدایہ ج ۱ص ۵۸۵) حقیقت الفقہ ص ۲۰۰۔

مسئلہ(۴۴) رکعات تراویح

جھوٹ(۷۰) تراویح بیس رکعت کی حدیث ضعیف ہے۔

(درمختار ج ۱ص ۵۶۳، شرح وقایہ ص ۱۳۳) حقیقت الفقہ ص ۲۰۰۔

جھوٹ(۷۱) تراویح آٹھ رکعت کی حدیث صحیح ہے۔

(شرح وقایہ ص ۱۳۳) حقیقت الفقہ ص ۲۰۰۔

جھوٹ(۷۲) تراویح صحیح حدیث سے مع وتر کے گیارہ رکعت ثابت ہیں۔

(ہدایہ ج ۱ص ۵۶۳، شرح وقایہ ص ۱۱۳) حقیقت الفقہ ص ۲۰۱۔

جھوٹ(۷۳) مع وتر کے تراویح گیارہ رکعت سنت رسول ﷺ ہیں اور بیس سنت خلفائے راشدینؓ سے۔(ہدایہ ج ۱ص ۵۶۳، شرح وقایہ ص ۱۳۴) حقیقت الفقہ ص ۲۰۱۔

جھوٹ(۷۴) تراویح آٹھ رکعت سنت اور بیس رکعت مستحب ہیں۔

(شرح وقایہ ص ۱۳۴) حقیقت الفقہ ص ۲۰۱۔

مسئلہ (۴۵)

جھوٹ (۷۵) حالت خطبہ میں دو رکعت پڑھنا ثابت ہے۔
(ہدایہ ج ا ص ۲۸۷، شرح وقایہ ص ۱۴۸) حالانکہ وہاں اس کے خلاف ہے۔ حقیقت الفقہ ص ۲۰۱۔

جھوٹ (۷۶) حضرت ابوبکرؓ کا قبل زوال خطبہ پڑھنا ثابت ہے۔
(شرح وقایہ ص ۱۴۸) حقیقت الفقہ ص ۲۰۱۔

مسئلہ (۴۶)

جھوٹ (۷۷) دعا کرنا دونوں خطبوں کے درمیان نامشروع اور بدعت ہے۔
(درمختار ج ا ص ۳۷۳، شرح وقایہ ص ۱۴۹) حقیقت الفقہ ص ۲۰۲۔

جھوٹ (۷۸) حضرت عمار بن یاسرؓ نے جب بشیر بن مروان کو دعا مانگتے دیکھا تو بددعا دی۔ (درمختار ج ا ص ۳۷۳) حقیقت الفقہ ص ۲۰۲۔

جھوٹ (۷۹) اس دعا کی بدعت خلفائے مروانیہ کے زمانہ سے پیدا ہوئی
(درمختار ج ا ص ۳۷۴) حقیقت الفقہ ص ۲۰۲۔

جھوٹ (۸۰) دعا دونوں خطبوں کے درمیان مکروہ تحریمی ہے۔
(درمختار ج، ص ۳۷۳) حقیقت الفقہ ص ۲۰۲۔

یہ تمام حوالہ جات ۶۱ تا ۸۰ حقیقت الفقہ ص ۱۹۹ تا ۲۰۱ میں دیے ہیں جو بالکل جھوٹ ہیں۔ ان عبارات کی اصل عربی عبارت متون سے پیش کی جائے۔

مسئلہ (۴۷) تکبیرات عیدین

جھوٹ (۸۱) نماز عیدین کی بارہ تکبیروں کی حدیث صحیح ہے۔
(ہدایہ ج ا ص ۲۶۶، شرح وقایہ ص ۱۵۱) حقیقت الفقہ ص ۲۰۲۔

جھوٹ (۸۲) دونوں رکعتوں میں قبل قرأت تکبیرات کہے۔ (قدوری ص ۴۰) حالانکہ وہاں اس کے خلاف ہے۔ حقیقت الفقہ ص ۲۰۳۔

مسئلہ (۲۸) غائبانہ نماز جنازہ

جھوٹ (۸۳) آنحضرتﷺ نے نماز جنازہ غائبانہ بادشاہ نجاشی اور معاویہ بن مزنی اور زید بن حارثہ اور جعفر طیارؓ پر پڑھی ہے۔ (شرح وقایہ ص ۱۵۷) حقیقت الفقہ ص ۲۰۴۔

مسئلہ (۲۹) بعد از دفن قبر پر قرآن پڑھنا

جھوٹ (۸۴) حضرت ابن عمرؓ دفن کے بعد قبر پر سورۃ بقرہ کا اوّل اور آخر پڑھنا مستحب جانتے تھے۔ (درمختار ج ۱ ص ۴۲۱) حقیقت الفقہ ص ۲۰۴)

مسئلہ (۳۰) مردے کی طرف سے اسقاط دینا

جھوٹ (۸۵) مردے کی طرف سے اسقاط دینا مذموم ہے۔

(درمختار ج ۱ ص ۳۳۶) حقیقت الفقہ ص ۲۰۵۔

مسئلہ (۳۱) نماز کا منکر کافر ہے

جھوٹ (۸۶) نماز کا منکر کافر ہے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۲۵۱) حقیقت الفقہ ص ۱۹۲۔

مسئلہ (۳۲) غلس میں نماز صبح پڑھنا

جھوٹ (۸۷) غلس میں نماز صبح پڑھنے کی احادیث کا ثبوت

(ہدایہ ج ۱ ص ۲۶۸) حقیقت الفقہ ص ۱۹۲۔

جھوٹ (۸۸) آنحضرت ﷺ کا عمل دوام غلس پر تھا۔

(ہدایہ ج ۱ ص ۲۷۱) حقیقت الفقہ ص ۱۹۲۔

مسئلہ (۳۳) نماز ظہر کا وقت ایک مثل تک ہے

جھوٹ (۸۹) امام صاحبؒ کی روایت کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک ہے۔ لائق تصحیح ہے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۲۵۷) حقیقت الفقہ ص ۱۹۲۔

مسئلہ (۳۴) اذان میں ترجیع

جھوٹ (۹۰) اذان میں ترجیع حدیث سے ثابت ہے۔

(ہدایہ ج ا ص ۲۹۲، کنز ص ۲۰) حقیقت الفقہ ص ۱۹۲، حالانکہ وہاں ترجیع کا رد ہے۔

مسئلہ (۳۵) نماز کے لیے صلوۃ کہہ کر پکارنا بدعت

جھوٹ (۹۱) نماز کے لیئے صلوٰۃ کہہ کر پکارنا بدعت ہے (سوا اذان کے)

(ہدایہ ص ۳۰۰، شرح وقایہ ص ۱۴۹، کنز ص ۳۱) حقیقت الفقہ ص ۱۹۳۔

مسئلہ (۳۶) زبان کے ساتھ نیت کرنا

جھوٹ (۹۲) نیت زبان کے ساتھ بدعت ہے۔

(ہدایہ ج ا ص ۳۳) حقیقت الفقہ ص ۱۹۱۔

مسئلہ (۳۷) عمامہ پر مسح

جھوٹ (۹۳) عمامہ پر مسح جائز ہے۔ (ہدایہ ج ا ص ۱۰) حقیقت الفقہ ص ۱۹۱۔

مسئلہ (۳۸) گردن کا مسح

جھوٹ (۹۴) گردن کا مسح بدعت ہے اور اس کی حدیث موضوع ہے۔

(درمختار ج ا ص ۵۸، ہدایہ ج ا ص ۱۸) حقیقت الفقہ ص ۱۹۱۔

مسئلہ (۳۹) تیمم کا طریقہ

جھوٹ (۹۵) تیمم میں ایک ضرب کی احادیث صحیحین بطرق کثیرہ اور صحیح ہیں۔

(ہدایہ ج ا ص ۱۴۲، شرح وقایہ ص ۵۷) حقیقت الفقہ ص ۱۹۱۔

جھوٹ (۹۶) تیمم میں دو ضرب کی احادیث ضعیف ہیں اور موقوف بھی۔

(ہدایہ ج ا ص ۱۴۲، شرح وقایہ ص ۵۶) حقیقت الفقہ ص ۱۹۱۔

جھوٹ (۹۷) جس حقیقہ کو شریعت رد کرے وہ کفر زندقہ ہے۔

(درمختار ج ۲، ۵۲۰) حقیقت الفقہ ص ۱۸۸۔

مسئلہ (۴۰) جرابوں پر مسح

جھوٹ (۹۸) سوت سے بنی ہوئی جرابوں پر مسح جائز ہے۔

(در مختار ص ۱۳۲) حقیقت الفقہ ص ۱۹۱۔

جھوٹ (۹۹) صوفیاء گانا سننے والے خال کھیلنے والے مفسد بے دین ہیں۔

(ہدایہ ج ۴ ص ۲۲۳) حقیقت الفقہ ص ۱۸۸۔

مسئلہ (۴۱)

جھوٹ (۱۰۰) پانی سے استنجاء کرنا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ادب تھا۔ باجماع صحابہ سُنت ہو گیا۔ (در مختار ج ۱ ص ۵۲)

طہارت، وضو اور نماز کے یہ ایک صد مسائل ہیں جن پر کتاب کی جلد اور صفحہ کا نمبر بھی درج ہے اور ان کو فقہ حنفی کے مفتیٰ بہا مسائل بتا کر دعوت عمل دی گئی ہے مگر ایک حوالہ بھی صحیح نہیں۔

چہ دلا ور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

مولوی محمد یوسف جے پوری نے حقیقت الفقہ میں یہ سب جھوٹ اکٹھے کیے ہیں۔ ساری دنیائے غیر مقلدیت مل کر بھی ان محولہ کتابوں کے متون سے ان عبارات کی اصل عربی پیش نہیں کر سکتی۔ یہ لوگ نام قرآن و حدیث کا لیتے ہیں اور حوالے جھوٹے دیتے ہیں۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔

مرد اور عورت کی نماز میں فرق

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

ابتدائیہ

ایمان کے بعد سب سے اہم عبادت نماز ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ آج کل مسلمان اس میں بہت سستی کر رہے ہیں۔ اس لیے نہایت ضروری ہے کہ مسلمانوں کو نماز کی پابندی کی تلقین کی جائے۔ الحمدللہ تبلیغی جماعت اس پر رات دن محنت کر رہی ہے۔ لیکن لا مذہب غیر مقلدین بے نمازیوں پر محنت کرنے کی بجائے نمازیوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں کہ تمہاری نماز نہیں ہوتی۔ یہ لوگ عوام کے سامنے رات دن یہ کہتے ہیں کہ ہم صرف قرآن وحدیث کو مانتے ہیں لیکن جب سے (دور انگریزی) یہ فرقہ بنا ہے اس کی تحریروں اور تقریروں سے یہی پتہ چلتا ہے کہ قرآن پاک سے ان کی قسمت میں صرف متشابہات آئی ہیں۔ یہ طریقہ قرآن پاک کے موافق کج دلوں کا ہے اور حدیث سے ان کے حصہ میں صرف متعارضات آئی ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایسی احادیث کے بیان کرنے سے سختی سے منع فرمایا تھا کیونکہ اس سے امت میں اختلاف شدید ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۲۷) ایسی متعارض روایات میں اللہ تعالیٰ اور رسول اقدس ﷺ کا کوئی فیصلہ امت کے پاس محفوظ نہیں ہے اگر کوئی شخص ان میں سے ایک کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیتا ہے تو یہ بھی امتی کا اجتہاد ہے اگر کوئی ایک حدیث کو صحیح دوسری کو ضعیف کہتا ہے تو یہ بھی امتی کا اجتہاد ہے اس لیے اہل سنت والجماعۃ ایسے موقع پر پہلے اجماع کو دیکھتے ہیں۔ اگر متعارضات میں ایک طرف کی روایات پر اجماع ہے تو ان پر عمل کرتے ہیں۔ اور اگر اجماع نہ ہو تو اس تعارض کے لیے مجتہد کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ حدیث معاذؓ سے صراحتاً ثابت ہے کہ اگر فیصلہ کتاب وسنت سے نہ ملے تو اجتہاد کی طرف رجوع کیا جائے گا جو شخص خود اجتہاد کر سکتا ہے وہ خود اجتہاد کرے اور جو اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو وہ مجتہد کی تقلید کر کے راجح حدیث پر عمل کرے۔ آئمہ مجتہدین کا یہ اختلاف حق اور باطل کا اختلاف نہیں

بلکہ صواب وخطا کا اختلاف ہے اور مجتہد نہ ہی معصوم ہے نہ ہی مطعون ہے بلکہ ہر ہر حال میں ماجور ہے، خواہ دو اجر ملیں یا ایک اجر ملے، عمل بہر حال مقبول ہے۔ اس لیے کسی وسوسہ کی ضرورت نہیں۔

اس کے برعکس لامذہب غیر مقلدین کا طرز ایسی روایات کے بارہ میں نہایت خطرناک ہے۔ ان کے مولوی اپنی جہالت کو چھپانے کے لیے خود تو روپوش ہیں ان پڑھ لڑکوں کو گلی بازار میں چھوڑا ہوا ہے۔ ان کا طرز یہ ہے:

۱۔ جس سے ملتے ہیں اس پر پہلا سوال یہ کرتے ہیں کہ آپ کا فلاں عمل کس حدیث میں ہے اور شور مچاتے ہیں کہ تمہارے پاس کوئی حدیث نہیں۔ جب آپ ان سے پوچھیں کہ آپ کے پاس اس عمل کے خلاف کون سی حدیث ہے تو خاموش۔

۲۔ ان سے آپ پوچھیں کہ آپ جو فلاں عمل کرتے ہیں اس کی حدیث سنائیں تو چونکہ ان کو حدیث نہیں آتی اس لیے فوراً کہتے ہیں کہ تم ہی حدیث سناؤ کہ کس حدیث میں یہ کام منع ہے؟

۳۔ جب انہیں دکھادی جائے تو اس کو ہرگز نہیں مانتے۔ بس یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ صحاح ستہ میں نہیں۔ صحاح ستہ کے علاوہ تمام احادیث کا کھلم کھلا انکار کرتے ہیں اور نام اہل حدیث رکھتے ہیں۔

۴۔ اگر سنن اربعہ سے حدیث دکھائیں تو کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے، بخاری، مسلم سے دکھاؤ۔ اس طرح سنن اربعہ کی احادیث کے بھی منکر ہیں۔

۵۔ اگر صحاح ستہ سے کوئی حدیث دکھائیں تو فوراً اپنی طرف سے کوئی شرط لگا دیتے ہیں کہ فلاں لفظ ہوگا تو ہم مانیں گے ورنہ ہم نہیں مانیں گے گویا یہ فرقہ اللہ تعالیٰ اور رسول اقدس ﷺ کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ حضرت اگر کوئی دینی مسئلہ بتانا ہو تو ہم سے پوچھ لینا کہ کن الفاظ میں مسئلہ بیان کریں اور کس شرط کے موافق بات کریں۔ اے اللہ تعالیٰ، اے نبی پاک ﷺ آپ نے اپنے الفاظ میں کوئی مسئلہ بیان فرما دیا

جو ہماری شرط کے موافق نہ ہو تو ہم ہرگز نہیں مانیں گے۔ یاد رہے کہ یہ لا مذہب نہ خدا کی مانتے ہیں نہ رسول کی، صرف اپنی شرط پر ایمان رکھتے ہیں۔

۶۔ اگر ایسی حدیث بھی پیش کر دی جائے جس میں وہی الفاظ ہوں اور ان کی شرط بھی پوری ہو جائے تو پھر بھی اس کو بالکل نہیں مانتے بلکہ بڑے زور وشور سے کہتے ہیں یہ ضعیف ہے، ضعیف ہے، ضعیف ہے تاکہ عوام سمجھیں کہ بڑا محدث ہے حالانکہ وہ سکول کا طالب علم یاد کا ندار ہوتا ہے۔ الغرض انکار حدیث کے لیے یہ فرقہ ہر دھوکہ کرتا ہے۔

۷۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ احناف کی نماز غلط ہے ہم کہتے ہیں کہ اچھا ہم تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کرتے ہیں۔ آپ بالترتیب ہر مسئلہ کے خلاف ایک ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث لکھواتے جائیں تو بالکل تیار نہیں ہوں گے۔ حالانکہ احادیث لکھوانا کوئی گناہ نہیں۔

۸۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم جو نماز پڑھتے ہیں اس کا ہر ہر مسئلہ حدیث سے ثابت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ نماز بدنی افعال اور زبانی اذکار کا مجموعہ ہے۔ آپ اپنی نماز کے اعمال اور اذکار بالترتیب لکھ دیں۔ پھر ہر عمل اور ذکر کی ترتیب اور درجہ کہ یہ فرض ہے یا سنت یا نفل وغیرہ حدیث صریح سے دکھائیں، اور ہر ذکر کے بارہ میں یہ فیصلہ کہ بلند آواز سے پڑھا جائے یا آہستہ اس کی صریح حدیث دکھاتے جائیں اور ہر عمل اور ذکر میں بھول کا مسئلہ حدیث صریح سے بتاتے جائیں تو ہرگز تیار نہیں ہوں گے۔ کراچی، رحیم یار خان، کوہاٹ، وہاڑی، لاہور، اوکاڑہ، پل کلر والی اور ہارون آباد میں وعدہ کر کے بھاگ گئے ہیں جھوٹ بولتے ہیں کہ ہم نے اپنی مکمل نماز فلاں شہر میں ثابت کر دی لیکن جب کہا جاتا ہے کہ کیسٹیں لاؤ تو فوراً آ کر کہتے ہیں کہ کیسٹیں ہمارے پاس موجود ہیں ہم نے خود سنی ہیں (جب کہا جاتا ہے کہ ہمیں ان کیسٹوں سے مکمل مسائل حدیث سے سنا دو تو وہاں تکبیر تحریمہ کے مسئلہ کی بھی پوری وضاحت نہیں ملتی)

۹۔ ان لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ آپ نمازیوں کے دلوں میں وسوسے

کیوں ڈالتے ہیں؟ کیونکہ قرآن پاک نے وسوسے ڈالنے والے کو خناس کہا ہے نہ کہ اہل حدیث۔ تو عوام کو کہتے ہیں کہ ہم تو تحقیق کرتے ہیں۔ تو یاد رہے کہ یہ تحقیق نہیں بلکہ گناہ اور فتنہ فساد ہے کیونکہ یہ لوگ نہ تو محدث ہیں نہ مجتہد۔ بلکہ بے علم اور نا اہل ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا آخری زمانہ میں بے علم لوگ فتویٰ دیا کریں گے وہ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے۔ (بخاری) اور دوسری حدیث پاک میں ہے کہ: "اِذَا وُسِدَ الاَ مْرُاِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَہ" (بخاری) کہ جب نا اہل کی طرف معاملہ سپرد کیا جائے گا تو وہ قیامت ڈھائے گا۔" اور قیامت نام ہی فساد کا ہے وہ بھی دین میں فساد برپا کریں گے اور عجیب بات ہے کہ اس فساد کا نام تحقیق رکھا ہے اور یہ لوگ باوجود جاہل اور نا اہل ہونے کے مجتہدین مثل آئمہ اربعہ اور محدثین مثلاً زیلعی، عینی، علی قاری، ابن ترکمانی، علامہ انور شاہ، حضرت بنوریؒ وغیرہ پر تنقیدیں کرتے ہیں۔ ان سے جھگڑا کرتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ بیعت لیتے وقت یہ شرط لیا کرتے تھے کہ ان لا ننازع الامر اھلہ (بخاری)" کہ ہم اہل فن سے منازعت نہیں کریں گے"۔ یہ نا اہل کی منازعت گناہ کبیرہ ہے لامذہبوں نے اس کا نام تحقیق رکھا ہے حالانکہ قرآن مجید میں ہے: ﴿اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ...﴾

لامذہب غیر مقلدین اور احناف کے درمیان بہت سے مسائل میں اختلاف ہے ان مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ عورت اور مرد کی نماز میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ کوئی فرق نہیں ہے۔ لامذہب غیر مقلدین کا یہ مسئلہ قرآن اور حدیث سے ہرگز ثابت نہیں ہے بلکہ اجماع امت اور احادیث کے خلاف محض ابن حزم ظاہری کی تقلید پر مبنی ہے۔

شریعت مطہرہ میں بعض احکام مرد عورت میں مشترک ہونے کے باوجود بعض تفصیلات میں فرق ہوتا ہے مثلاً:

۱۔ حج مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے مگر عورت کے لیے زادراہ کے علاوہ محرم کی شرط بھی ہے یا خاوند ساتھ ہو۔

۲۔ حج سے احرام کھول کر مرد سر منڈواتے ہیں۔ مگر عورت سر نہیں منڈواتی۔

۳۔ حکم نکاح مرد عورت دونوں میں مشترک ہے مگر طلاق مرد کے ساتھ خاص ہے اس کا حق صرف مرد کو ہے اور عدت عورت کے ساتھ خاص ہے۔

۴۔ ایک مرد کو چار عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے مگر ایک عورت کو ایک سے زائد مرد سے نکاح کی اجازت نہیں۔

خود لامذہب غیر مقلدین بھی نماز کے بہت سے مسائل میں مرد اور عورت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ ان کی مساجد میں مرد تو امام اور خطیب ہیں لیکن کسی مسجد میں عورت نہ امام ہے نہ خطیب۔

۲۔ ان کی مساجد میں موذن ہمیشہ مرد ہوتا ہے عورت کو کبھی موذن نہیں بناتے۔

۳۔ نماز باجماعت کی اقامت ہمیشہ مرد کہتے ہیں عورت سے اقامت نہیں کہلواتے۔

۴۔ مرد ہمیشہ اگلی صفوں میں کھڑے ہوتے ہیں عورتوں کو اگلی صفوں میں کھڑا نہیں کرتے۔

۵۔ ان کے اکثر مرد ننگے سر نماز پڑھتے ہیں مگر عورتیں نماز کے وقت دوپٹہ نہیں اتار پھینکتیں۔

عن عائشۃؓ قالت قال رسول اللہ ﷺ لا تقبل صلوۃ الحائض الا بخمار (ترمذی ج ۱ ص ۸۶، ابوداؤد ج ۱ ص ۹۴)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بالغہ عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں ہوتی۔

۶۔ ان کے مردوں کی اکثر کہنیاں اور نصف پنڈلیاں نماز میں ننگی رہتی ہیں لیکن ان کی عورتیں اس طرح نماز نہیں پڑھتیں۔

۷۔ مرد اور عورت کے ستر عورت میں بھی فرق ہے۔

۸۔ نماز جمعہ مرد پر فرض ہے عورت پر فرض نہیں۔ اسی طرح نماز پنج گانہ کا

باجماعت ادا کرنا مردوں پر لازم ہے نہ کہ عورتوں پر۔

۹۔ نماز میں کوئی بات پیش آئے تو مرد تسبیح کہے اور عورت ہاتھ سے کھٹکا کرے۔ (ترمذی وغیرہ)

ظاہر ہے کہ ان سب مسائل میں سنتوں بلکہ فرائض تک کے مقابلہ میں عورت کے ستر اور پردہ کو خاص اہمیت دی گئی ہے اسی لیے آئمہ اربعہ نے رکوع، سجود اور قعدے وغیرہ کی ہیئت میں بھی مرد اور عورت کے فرق کو ملحوظ رکھا ہے اور اس میں اصل علت اسی ستر پوشی کو قرار دیا ہے۔

آئمہ احناف میں سے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عورت ہاتھ کندھوں تک اٹھائے۔ یہ اس کے لیے زیادہ ستر کا باعث ہے اور سجدہ کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عورت سمٹ کر سجدہ کرے۔ یہ اس کے پردہ کے زیادہ مناسب ہے۔

امام شافعیؒ کتاب الام ج ا ص ۱۱۵ میں فرماتے ہیں عورت کے لیے پسندیدہ بھی ہے کہ سمٹ کر سجدہ کرے کیونکہ یہ زیادہ باعث ستر ہے اور ساری نماز میں ستر کا اہتمام کرے۔

امام نوویؒ نے مجموع میں اس طرح مذہب شافعی بیان کیا ہے۔

مالکیہ میں سے ابوزید قیروانی نے الرسالہ میں صراحت فرمائی ہے کہ ابن زیاد کی روایت جو صحیح ہے یہی ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ عورت سمٹ کر سجدہ کرے۔

(بحوالہ نصب العمود ص ۵۰)

حنابلہ کی معتبر کتاب مغنی ابن قدامہ میں بھی اس فرق کی صراحت موجود ہے۔ (قال الامام الخرقی الحنبلیؒ)

والرجل والمرأۃ فی ذٰلک سواء الاان المرأۃ تجمع نفسها فی الرکوع والسجود وتجلس متربعۃ اوتسدل رجلیها فتجعلها فی جانب یمینها (قال الشارح ابن

قدامة الحنبلیؒ) الاصل ان یثبت فی حق المرأة من احکام الصلوٰة ماثبت للرجال لان الخطاب یشملها غیر انها خالفته فی ترک التجا فی لانها عورة فاستحب لها جمع نفسها لیکون استر لها فانه لایومن ان یبدو منها شیء حال التجا فی وذٰلک فی الافتراش قال احمد والسدل اعجب الی واختاره الخلال.

(المغنی لابن القدامہ ج ا ص ۵۶۲)

امام خرقی حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ مرد وعورت اس میں برابر ہیں سوائے اس کے کہ عورت رکوع وسجود میں اپنے آپ کو اکٹھا کرے (سکیڑے) پھر یا تو چہارزانو بیٹھے یا سدل کرے کہ دونوں پاؤں کو دائیں جانب نکال دے، ابن قدامہ حنبلیؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ عورت کے حق میں نماز کے وہی احکام ثابت ہوں جو مرد کے لئے ثابت ہیں کیونکہ خطاب دونوں کو شامل ہے بایں ہمہ عورت مرد کی مخالفت کرے گی ترک تجافی میں (یعنی عورت مرد کی طرح رانوں کو پیٹ سے دور نہیں رکھے گی بلکہ ملائے گی) کیونکہ عورت ستر کی چیز ہے لہٰذا اس کیلئے اپنے آپ کو سمیٹ کر رکھنا مستحب ہے تا کہ یہ اس کیلئے زیادہ ستر کا باعث بنے وجہ یہ ہے کہ عورت کیلئے رانوں کو پیٹ سے جدا رکھنے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ اس کا کوئی عضو کھل جائے

محدثین میں سے ابن دقیق العید نے شرح عمدة الاحکام میں اور ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں اسی کو بیان فرمایا ہے بلکہ غیر مقلدین میں سے امیر یمانیؒ نے سبل السلام میں مولانا عبدالجبار غزنوی نے فتاویٰ غزنویہ میں اور مولوی علی محمد سعیدی

نے فتاویٰ علمائے حدیث میں اسی طرح لکھا ہے بلکہ مولوی عبدالحق ہاشمی مہاجر مکی غیر مقلد نے اس فرق پر پورا رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے نصب العمود فی تحقیق مسئلة تجافي المرأة في الركوع والسجود والقعود.

مثال: آنحضرت ﷺ کا فرمان پاک ہے کہ مکھی پینے کی چیز میں گر جائے تو اسے غوطہ دے کر نکال کر پھینک دو اور وہ چیز ناپاک نہیں ہوتی۔ اس حدیث سے مجتہدین نے اجماعاً یہ علت تلاش کر لی کہ مکھی کی رگوں میں دم مسفوح (رگوں میں دوڑنے پھرنے والا خون) نہیں ہے۔ اس لیے جس جانور میں یہ علت پائی جائے گی وہاں بھی حکم پایا جائے گا چنانچہ مچھر، جگنو، بھڑ، چیونٹی وغیرہ سینکڑوں جانوروں کا حکم معلوم ہو گیا کہ ان کے گرنے سے اجماعاً چیز ناپاک نہیں ہوتی۔ اسی طرح کتاب وسنت اور اجماع سے مجتہدین نے اجماعاً یہ سمجھا کہ عورت کے پردہ کا اتنا اہتمام ہے کہ بعض اجماعی سنتیں مثلاً اذان، اقامت، امامت بلکہ بعض فرائض مثل جمعہ و جہاد ان سے ساقط کر دیے گئے۔ پس نماز میں بھی اس کے ستر کا کامل خیال رکھا گیا۔

۱۔ عن وائل بن حجرؓ قال قال لی رسول اللہ ﷺ یا وائل ابن حجر اذا صلیت فاجعل یدیک حذاء اذنیک والمرأة تجعل یدیها حذاء ثدییها.

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے ابن حجر جب تم نماز پڑھو تو کانوں کے برابر ہاتھ اٹھاؤ اور عورت اپنے ہاتھوں کو چھاتی کے برابر اٹھائے۔

(کنز العمال ج ۷ ص ۳۰۷، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۳، ج ۹ ص ۳۷۴، طبرانی ج ۲۲ ص ۲۰۱۹)

اسی پر عمل امت میں جاری رہا مرکز اسلام کوفہ میں امام حماد یہی فتویٰ دیتے تھے کہ عورت جب نماز شروع کرے تو اپنے ہاتھ چھاتی تک اٹھائے۔

منبع اسلام مدینہ منورہ میں امام زہریؒ یہی فتویٰ دیتے تھے کہ عورت اپنے ہاتھ اپنے کندھوں تک اٹھائے اور ام درداءؓ بھی کندھوں تک ہاتھ اٹھاتی تھیں۔

عن عبد ربه بن سليمان بن عمير قال رأيت ام الدرداء ترفع يديها في الصلوٰة حذو منكبيها . (جزء رفع الیدین للامام البخاری ص ۷)

حضرت عبد ربہ بن سلیمان بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ام درداءؓ کو دیکھا کہ آپ نماز میں اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتی ہیں۔

اسی طرح مجمع الاسلام مکہ مکرمہ میں حضرت عطاء یہی فتویٰ دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہاتھ اٹھانے میں عورت مرد کی طرح نہیں ہے۔

(ابن ابی شیبہ ج ۱، ص ۲۳۹)

اور اس خیر القرون میں کسی ایک فرد نے بھی اس پر اعتراض نہ کیا کیونکہ لامذہب اس زمانہ میں نہ تھے۔

۲۔ استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

واما في حق النساء فاتفقوا على ان السنة لهن وضع اليدين على الصدر۔ (السعایہ ج ۲ ص ۱۵۶)

عورتوں کے متعلق سب کا اتفاق ہے کہ ان کے لیے سنت سینے پر ہاتھ رکھنا ہے۔

قال الامام ابو الحسن علي بن ابي بكر الفرغاني الحنفيؒ "والمرأة ترفع يديها حذاء منكبيها هو الصحيح لانه استر لها وقال ايضاً والمرأة تنخفض في سجودها وتلزق بطنها بفخذيها لان ذٰلك استر لها.

(ہدایہ ج ۱ ص ۱۰۰، ۱۱۰)

امام ابو الحسن علی بن ابو بکرؒ فرماتے ہیں "اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنے مونڈھوں تک اٹھائے یہی صحیح ہے کیونکہ یہ طریقہ اس کیلئے زیادہ پردہ کا ہے نیز آگے چل کر فرماتے ہیں، اور عورت اپنے سجدہ میں پست رہے اور اپنے پیٹ کو رانوں سے ملائے

کیونکہ یہ اس کیلئے زیادہ پردے کا باعث ہے۔

یہ مسئلہ بھی اجماعی ہے اور اجماع امت کا مخالف بحکم قرآن وحدیث دوزخی ہے اور حدیث میں اجماع سے کٹنے والے کو شیطان بھی کہا گیا ہے۔

افسوس ہے کہ غیر مقلدین مرد بھی عورتوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں۔ ایک جگہ غیر مقلدین کا وجود نہیں تھا۔ کوئی غیر مقلد وہاں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس کا یہ نیا طریقہ دیکھ کر دو شخص آپس میں باتیں کرنے لگے کہ یہ عجیب آدمی ہے کہ خدا نے اس کو مرد بنایا مگر یہ نماز عورتوں والی پڑھتا ہے۔ دوسرے نے کہا اس نے نماز اپنی بے بے جی سے سیکھی ہوگی۔ اس لیے ویسی ہی نماز پڑھتا ہے۔

۳۔ مردوں کو چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر بائیں کلائی کو پکڑنا چاہیے اور داہنی تین انگلیاں بائیں کلائی پر بچھانا چاہیے اور عورت کو داہنی ہتھیلی بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھنا چاہیے، حلقہ بنانا اور بائیں کلائی کو پکڑنا نہ چاہیے۔ (شامی ج ۱ص ۳۳۹)

عورت کے لیے اس طرح ہاتھ رکھنا بھی اجماعی مسئلہ ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں۔

فائدہ: آنحضرت ﷺ کے ہاتھ باندھنے کی روایات مختلف ہیں کسی میں ہے کہ آپ ﷺ نے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا۔ کسی میں ہے کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑا، کسی میں ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں بازو پر رکھا۔ فقہاء جو بفرمان رسول ﷺ حدیث کے معانی زیادہ سمجھتے ہیں انہوں نے ایسا طریقہ سمجھایا کہ تمام احادیث پر عمل ہوگیا۔ ہتھیلی ہتھیلی پر بھی آگئی انگلی اور انگوٹھے سے بائیں ہاتھ کو پکڑ بھی لیا اور دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں بازو پر بچھ بھی گئیں۔

۴۔ مردوں کو رکوع میں اچھی طرح جھک جانا چاہیے کہ سر اور سرین اور پشت برابر ہو جائیں اور عورتوں کو اس قدر نہ جھکنا چاہیے بلکہ صرف اس قدر کہ ان کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ (عالمگیری)

اس میں بھی ستر کا زیادہ اہتمام ہے اور اس کے خلاف بھی کسی سے منقول نہیں۔

۵۔ مردوں کو رکوع میں انگلیاں کشادہ کر کے گھٹنوں پر رکھنا چاہیے اور عورتوں کو بغیر کشادہ کیے ہوئے بلکہ ملا کر۔ (عالمگیری)

کیونکہ اس میں ستر کا زیادہ اہتمام ہے۔

۶۔ مردوں کو حالت رکوع میں کہنیاں پہلو سے علیحدہ رکھنی چاہئیں اور عورتوں کو ملی ہوئی۔ (عالمگیری)

۷۔ مردوں کو سجدے میں پیٹ رانوں سے اور بازو بغل سے جدا رکھنے چاہئیں اور عورتوں کو ملا کر رکھنے چاہئیں۔ (عالمگیری)

۸۔ مردوں کو سجدے میں کہنیاں زمین سے اٹھی ہوئی رکھنا چاہئیں اور عورتوں کو زمین پر بچھی ہوئی۔

۹۔ مردوں کو سجدوں میں دونوں پاؤں انگلیوں کے بل کھڑے رکھنے چاہئیں عورتوں کو نہیں۔ (عالمگیری)

عن ابن عمرؓ مرفوعاً اذا جلست المرأة فی الصلوٰة وضعت فخذها علی فخذها الاخریٰ فاذا سجدت الصقت بطنها فی فخذها کاستر ما یکون لهافان الله تعالیٰ ینظر الیها یقول یا ملائکتی اشهدکم انی قد غفرت لها.

(بیہقی ج ۲، ص ۲۲۳)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورت جب نماز میں بیٹھے تو ایک ران دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ اپنی رانوں کے ساتھ ملالے جو زیادہ ستر کی حالت ہے اللہ تعالیٰ اسے دیکھ کر فرماتے ہیں اے فرشتو گواہ ہو جاؤ میں نے اس عورت کو بخش دیا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ مردوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ ان یتجا فوا فی سجودھم خوب کھل کر سجدہ کریں اور عورتوں کو حکم دیا کرتے تھے ان ینخفضن فی سجودھن کہ وہ خوب سمٹ کر سجدہ کیا کریں۔

(بیہقی ج ۲ ص ۲۲۲)

امام ابوداؤدؒ مراسیل میں روایت فرماتے کہ آنحضرت ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو فرمایا:

اذا سجد تما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأة فی ذلک لیست کالرجل. (مراسیل ص ۸، بیہقی ج ۲، ص ۲۲۳)

جب تم دونوں سجدہ کرو تو اپنے جسم کو زمین سے ملا دو بے شک عورت اس بارہ میں مرد کی طرح نہیں ہے۔

آخری خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ:

اذا سجدت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذیها (ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۰۲)

جب عورت سجدہ کرے تو خوب سمٹ کر سجدہ کرے اور اپنی رانوں کو ملالے۔

جب عبداللہ بن عباسؓ سے عورت کی نماز کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا:

تجتمع وتحتفز (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۰۲)

یعنی خوب اکٹھی ہو کر اور سمٹ کر نماز پڑھے۔

عن مجاهد انه کان یکره ان یضع الرجل بطنه علی فخذیه اذا سجد کما تضع المرأة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۰)

حضرت مجاہد اس بات کو مکروہ جانتے تھے کہ مرد جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں پر رکھے جیسا کہ عورت رکھتی ہے

اسی طریق پر عمل جاری رہا۔ چنانچہ کوفہ میں امام ابراہیم نخعیؒ یہی فتویٰ دیتے

تھے کہ عورت مرد کی طرح کھل کر سجدہ نہ کرے بلکہ خوب سمٹ کر سجدہ کرے۔ مدینہ منورہ میں حضرت مجاہد اور بصرہ میں امام حسن بصریؒ یہی فتویٰ دیتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ج ۱، ص ۳۰۲، ۳۰۳)

دور صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ میں سے کسی نے اس پر انکار نہیں فرمایا اور آئمہ اربعہ کا بھی اس پر اجماع ہے۔

۱۰۔ مردوں کو بیٹھنے میں بائیں پاؤں پر بیٹھنا چاہیے اور دائیں پاؤں کو انگلیوں کے بل کھڑا رکھنا چاہیے اور عورتوں کو بائیں سرین کے بل بیٹھنا چاہیے اور دونوں پاؤں دائیں طرف نکال دینے چاہئیں۔ اس طرح کہ داہنی ران بائیں ران پر آجائے اور دائیں پنڈلی بائیں پنڈلی پر۔ (عالمگیری)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ عورتیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کس طرح نماز پڑھتی تھیں؟ فرمایا کہ پہلے چوکڑی بیٹھتی تھیں پھر ان کو حکم دیا گیا کہ خوب سمٹ کر بیٹھا کریں۔ (جامع المسانید امام اعظم ج ۱، ص ۴۰۰)

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ مردوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ تشہد میں دایاں پاؤں کھڑا رکھیں اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھا کریں اور عورتوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ سمٹ کر بیٹھیں۔ (بیہقی ج ۲، ص ۲۲۲)

پہلی تمام روایات اور امت کا اجماع بھی اس کی تائید میں ہے۔

مولانا محمد داؤد غزنویؒ کے والد امام عبدالجبار غزنویؒ سے سوال کیا گیا کہ عورتوں کو نماز میں انضمام کرنا چاہیے یا نہیں؟ آپ نے جواب پہلے مراسیل ابوداؤد والی حدیث نقل کر کے لکھا: ”اسی پر تعامل اہل سنت مذاہب اربعہ وغیرہ سے چلا آیا ہے۔“ پھر چاروں مذاہب کی کتابوں سے حوالے پیش کر کے تحریر فرماتے ہیں: ”غرض کہ عورتوں کا انضمام و انخفاض نماز میں احادیث و تعامل جمہور اہل علم از مذاہب اربعہ وغیرہم سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کتب حدیث و تعامل اہل علم سے بے خبر ہے“

(فتاویٰ غزنویہ ص ۲۷، ۲۸، فتاویٰ علمائے اہلحدیث ج ۳ ص ۱۴۸، ۱۴۹)

الغرض احادیث مذکورہ اور اجماع امت اس پر نص ہیں کہ ان مسائل میں مرد اور عورت کی نماز میں فرق ہے۔ ابن حزم اور اس کے مقلدین کے پاس کوئی نص ہرگز موجود نہیں۔ فقہاء نے اجماعاً ان احادیث سے عموم مراد نہیں لیا اور معانی حدیث میں فقہاء پر ہی اعتماد اصل دین ہے۔

عورتوں کا مسجد میں آ کر نماز پڑھنا

اعتراض: حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عورتیں عید کی نماز میں مردوں کے ساتھ شریک ہوں اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ عورتوں کو مسجد میں آ کر نماز پڑھنے سے مت روکو۔ مگر فقہا نے حدیث کے بالکل خلاف عورتوں کو مسجد میں آنا، جماعت یا جمعہ یا عید کے لیے مکروہ قرار دے دیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کا کھلا مقابلہ ہے۔

جواب: جس طرح اہل قرآن نامی فرقہ یہ پروپیگنڈہ کرتا ہے کہ احادیث قرآن کے خلاف ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں تبتل کا حکم ہے ﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾ (المزمل) اور حضور ﷺ نے تبتل سے منع فرما دیا "ان النبی ﷺ نھی عن التبتل" (ترمذی ج ۱، ص ۳۹۸) اور قرآن پاک میں مسافر وغیرہ کے لیے حکم ہے۔ ﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ...﴾ کہ روزہ رکھنا بہتر ہے۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا: "لیس من البر الصیام فی السفر" سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں۔ یہ کھلم کھلا رسول اللہ ﷺ نے خدا کا مقابلہ کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ میں نہ اختلاف ہے نہ مقابلہ۔ یہ صرف آپ کی کج فہمی ہے یہی حال ان غیر مقلدین کا ہے یہ حدیث اور فقہ میں مقابلہ ثابت کرنے کے لیے دھوکہ دیتے ہیں جس طرح اہل قرآن سے ہم کہتے ہیں کہ فہم قرآن میں جب رسول اقدس ﷺ سے منکرین حدیث اختلاف کریں گے تو آنحضرت ﷺ کے فہم قرآن پر اعتماد ہوگا نہ کہ منکرین حدیث کے فہم قرآن پر۔ اس طرح جب فقہاء اور غیر مقلدین کے درمیان فہم قرآن و حدیث میں اختلاف ہوگا تو بحکم اللہ تعالیٰ ﴿لِيَتَفَقَّهُوْا فِي

الذین...﴾ اور بحکم رسول اللہ ﷺ: "رب حامل فقه غیر فقه" (الحدیث) اور بتحقیق محدثین "الفقهاء اعلم بمعانی الحدیث" (ترمذی) فہم فقہاء پر اعتماد ہوگا نہ کہ غیر مقلدین کی کج فہمی پر اعتماد ہوگا۔ زیر بحث مسئلہ میں نہ تو فقہاء نے کبھی یہ کہا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں عورتیں مساجد میں نہیں جاتی تھیں نہ آپ کے حکم سے انکار کیا البتہ فقہاء کا یہ کہنا ہے کہ قرآن کا بھی ہر حکم ایک درجہ میں ہوا۔ امر کا صیغہ بعض اوقات وجوب کے لیے آتا ہے جیسے ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ...﴾ کبھی استحباب کیلئے جیسے ﴿وَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ﴾ کبھی اباحت کے لیے جیسے: ﴿وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا...﴾ (القرآن)

فقہاء کا کہنا ہے کہ مردوں کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کا حکم تاکیدی تھا لیکن عورت کے لیے یہ حکم نہ استحباب کے لیے تھا نہ تاکید کے لیے اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا: "اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں ان گھروں کو جلانے کا حکم دیتا جن کے مرد مسجد میں نہیں۔ (مشکوۃ) آپ ﷺ نے عورتوں کو اجازت ضرور دی مگر ساتھ ہی فرمایا:

ا۔ عن ام سلمة زوج النبی ﷺ خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قعر بُيُوْتِهِنَّ (مستدرک حاکم ج ا ص ۲۰۹)

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کے لیے ان کے نماز پڑھنے کی جگہوں میں سب سے بہتر جگہ ان کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں۔

۲۔ حضرت ام سلمہؓ ہی فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عورت کا اندر کمرے میں نماز پڑھنا برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور برآمدے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (طبرانی مجمع الزوائد ج ۲، ص ۳۴)

۳۔ عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تمنعوا نساء کم المساجد و بیوتهن خیر لهن. (مستدرک، حاکم ج ا ص ۲۰۹)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنی عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع نہ کرو اور ان کے لیے ان کے گھر زیادہ بہتر ہیں۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عورت چھپانے کی چیز ہے۔ جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے۔ (یعنی لوگوں کے دلوں میں اس کے متعلق گندے خیالات اور وساوس ڈالتا ہے۔) اور عورت اپنے گھر کی سب سے زیادہ بند کوٹھڑی ہی میں اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہوتی ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ۱، ص ۱۸۸ بحوالہ طبرانی)

۵۔ اسی طرح کی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۲، ص ۳۵)

۶۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اتنے میں ایک عورت آئی اور بڑے ناز سے زینت کیے ہوئے مسجد میں داخل ہوئی آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! اپنی عورتوں کو منع کرو، زینت کا لباس پہن کر اور ناز کے ساتھ مسجد میں آنے سے۔ اس لیے کہ بنی اسرائیل پر لعنت نہیں ہوئی۔ (یعنی اللہ کا غصہ ان پر نہیں اترا) یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے بناؤ کیا اور مسجدوں میں ناز کے ساتھ داخل ہونے لگیں۔

(ابن ماجہ مترجم ج ۳، ص ۲۷۶)

۷۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک عورت کو دیکھا کہ مسجد کو جارہی ہے اور خوشبو لگائے ہوئے ہے، انہوں نے کہا! اے اللہ کی بندی تو کہاں جارہی ہے؟ وہ بولی مسجد میں۔ ابو ہریرہؓ نے کہا تو نے خوشبو لگائی ہے؟ وہ بولی ہاں، ابو ہریرہؓ نے کہا میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جس عورت نے عطر لگایا اور مسجد میں گئی اس کی نماز قبول نہ ہوگی یہاں تک کہ غسل کرے۔ (یعنی خوشبو کو دھو ڈالے اپنے بدن اور کپڑے سے) (ابن ماجہ ج ۳، ص ۲۷۶)

۸۔ حضرت ام حمیدؓ (جو آپؐ کے صحابی ابو حمید الساعدیؓ کی بیوی ہیں) فرماتی ہیں کہ ہمارے قبیلے کی عورتوں کو ہمارے خاوند مسجد میں آنے سے منع کرتے تھے۔ میں نے رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپؐ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھا کریں مگر ہمارے خاوند ہمیں اس سے منع کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا گھروں کے اندر نماز پڑھنا برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور برآمدے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور صحن میں نماز پڑھنا (میرے ساتھ مسجد نبویؐ میں) باجماعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

(طبرانی، مجمع الزوائد ج ۲، ص ۳۴)

اس کے بعد ام حمید نے حکم دیا کہ میرے گھر کے تاریک کمرے میں میری نماز کی جگہ بنادو اور وہ وصال تک وہیں نماز ادا فرماتی رہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۲، ص ۳۴)

۹۔ عن عائشة قالت لو ادرک رسول اللہ ﷺ ما احدث النساء لمنعھن المسجد. (بخاری ج ۱، ص ۱۲۰، مسلم ج ۱، ص ۱۸۳، عبدالرزاق ج ۳، ص ۱۴۹)

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے کہا کہ اگر آنحضرت ﷺ اس (آزادی) کو دیکھ لیتے جو عورتوں نے ظاہر کی ہے تو آپؐ ان کو مسجد میں جانے سے ضرور منع فرمادیتے۔

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجدوں سے نکال دیتے اور فرماتے اپنے گھر جاؤ تمہارے گھر تمہارے لیے بہتر ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۲، ص ۳۵)

۱۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جمعہ کے روز کھڑے ہوکر عورتوں کو کنکریاں مار مار کر مسجد سے نکالتے (عمدۃ القاری ج ۳، ص ۲۲۸) یہ سب صحابہ کی موجودگی میں ہوتا تھا۔

۱۲۔ حضرت فاروق اعظمؓ جب مسجد میں نماز کے لیے تشریف لاتے تو آپ کی بیوی عاتکہؓ بھی پیچھے ہولیتیں۔ حضرت عمرؓ بہت ہی غیور تھے وہ اس کے مسجد جانے کو مکروہ جانتے تھے۔ (مجمع الزوائد ج ۲، ص ۳۳)

مندرجہ بالا احادیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہی قبیلہ بنی ساعد کے لوگوں نے اپنی بیویوں کو مسجد میں آنے سے روکنا شروع کر دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے خاوندوں کو نہیں ڈانٹا بلکہ عورتوں کو گھروں میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں سختی سے مسجد میں آنے سے روکتے تھے کہ اب دور فتنے کا آ گیا ہے اور کسی صحابیؓ نے ان کی مخالفت نہیں کی نہ ان کو مخالف حدیث کہا۔

اب غیر مقلدین جو اس پر زور دیتے ہیں کہ عورتیں مساجد میں آ کر جماعت، جمعہ، عیدین میں شریک ہوں شاید یہ لوگ اپنے امام مسجد کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ متقی اور پرہیزگار سمجھتے ہیں اور اپنی مسجد کو مسجد نبوی سے زیادہ مقدس خیال کرتے ہیں اور اپنے آج کے زمانے کو خیر القرون دور نبوت اور دور صحابہؓ سے بہترین زمانہ خیال کرتے ہیں اور اپنی عورتوں کو صحابیاتؓ اور تابعیاتؒ سے زیادہ عفیف اور پاک باز جانتے ہیں۔ اگر یہ نہیں ہے تو پھر جس کام کی حضرتؐ نے تاکید نہیں فرمائی، صحابہ کرامؓ نے شدید مخالفت کی آپ لوگ اس کو اتنا موکد کیوں سمجھتے ہیں کہ اس پر فقہاء کو گالی گلوچ دینے تک کو جائز سمجھتے ہو اور مسلمانوں کی مساجد میں فتنہ ڈالتے ہو حالانکہ فتنہ ڈالنا قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔

بتائیے اس فحاشی اور عریانی کے دور میں اس بات کی گارنٹی غیر مقلدین ہی دے سکتے ہیں کہ عورتیں خوشبو، پاؤڈر اور بھڑکیلا لباس استعمال نہ کریں گی اور نگاہ نیچی رکھیں گی اور راستے میں فساق و فجار کی نگاہیں بھی نیچی رہیں گی۔

الغرض فقہاء نے فتنہ کی وجہ سے عورتوں کو مساجد میں آنے سے روکا ہے۔ فتنے کا احساس جب خیر القرون میں ہی ہو گیا تھا تو اس دور میں فتنے کا انکار کون کر سکتا ہے اور کس آیت اور حدیث میں ہے کہ فتنہ کی حالت میں ہی عورتوں کو مسجد میں جانے کی تاکید ہے؟

نماز میں
ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بشکریہ:

ادارہ خدام احناف

لاہور۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت ﷺ سے جس طرح قرآن پاک لفظی تواتر کے ساتھ ثابت ہے، اسی طرح آپؐ سے نماز عملی تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ مسلمان ہر ملک میں ہر گھر میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرتے ہیں۔ لیکن جس طرح متواتر قرآن کے خلاف بعض شاذ قرائتیں کتابوں میں ملتی ہیں۔ مگر ان کو آج تک مسلمانوں نے تلاوت قرآن میں شامل نہیں کیا۔ اسی طرح اس متواتر عملی نماز کے خلاف بھی بعض شاذ روایات کتابوں میں ملتی ہیں مگر ان کو اہل اسلام نے اپنی متواتر نماز میں داخل نہیں کیا۔

مثلاً: قرآن پاک میں سب مسلمان یہ آیت پڑھتے ہیں ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰىo وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰىo وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰىo﴾ (اللیل ۱ تا ۳) مگر بخاری شریف میں قرأت یوں ہے۔ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰىo وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰىo وَالذَّكَرَ وَالْأُنْثٰىo (بخاری ۲/۷۳۷) اب تمام مسلمان اسی متواتر قراءت کی تلاوت کرتے ہیں۔

اس ملک میں جس طرح قرآن پاک حنفی لے کر آئے اسی طرح حضورؐ کی نماز بھی احناف کے ذریعہ یہاں پہنچی، اس ملک میں قرآن پاک قاری عاصم کوفی کی قرأت اور قاری حفص کوفی کی روایت کے مطابق پہنچا تو نماز بھی امام اعظم ابو حنیفہؒ کوفی کی تدوین کے مطابق پہنچی اب کوئی شاذ قرأتوں کے اختلاف سے اس قرآن پاک کے بارے میں وسوسے ڈالنے لگے اور اس قرآن کو کوفی قرآن کہہ کر اس کا انکار کرے تو یہ کوئی دینی خدمت نہیں ہوگی۔ اسی طرح بعض شاذ متروک اور مرجوح روایات کی بنا پر اس متواتر نماز کے خلاف وسوسے ڈالے اور اس کو کوفی نماز کہہ کر غلط قرار دے تو یہ دین دشمنی ہے۔

اس ملک میں کافروں کو مسلمان احناف نے کیا اور ان کو نماز سکھائی تو سب

لوگ ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تھے، بارہ سو سال کے طویل عرصہ میں کبھی یہ آواز نہیں اٹھی کہ نماز کا یہ طریقہ خلاف سنت ہے اس بارہ سو سال کے طویل عرصہ میں یہاں کے علماء اولیاء اللہ اور عوام حج اور تعلیم کے لیے حرمین شریفین کا سفر کرتے رہے مگر وہاں بھی کسی عالم نے ان کو یہ نہ کہا کہ تم خلاف سنت نماز پڑھتے ہو، پوری تاریخ اسلام میں ایسا ایک واقعہ بھی نہیں ملتا۔

۱۲۹۰ھ میں نہ مکہ مکرمہ میں نہ مدینہ منورہ میں نہ کسی اسلامی سلطنت میں بلکہ ملکہ وکٹوریہ کے دور میں ہندوستان میں مولوی محمد حسین بٹالوی وکیل اہل حدیث ہند نے ایک اشتہار کے ذریعہ اس متواتر عملی نماز کے خلاف آواز اٹھائی کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا خلاف سنت ہے، یہ اشتہار شہر شہر قریہ قریہ پھیلایا گیا، اس اشتہار نے حکومت برطانیہ کی لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کو عملی جامہ پہنایا۔ اور برصغیر کی ہر مسجد اور ہر گھر کو میدان جنگ بنا کر رکھ دیا۔ قرآنی حکم ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ...﴾ کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکائی۔ حکومت برطانیہ کی تعریف اور اکابر اسلام پر سب وشتم کر کے لعن آخر ھذہ الامۃ اولھا کا غلغلہ بلند کیا۔

اب فطری بات تھی کہ اس متواتر نماز کے خلاف ان کے پاس کون سی متواتر دلیل تھی۔ ان سے سوال ہوا کہ سینے پر ہمیشہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کی کوئی متواتر دلیل آپ حضرات کے پاس ہے تو مولوی ثناء اللہ نے کہا۔

پہلی دلیل

قرآن پاک کی یہ آیت ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ نماز پڑھو اور سینے پر ہاتھ باندھو (فتاویٰ علمائے حدیث ۳/۹۵) اندازہ لگایئے کہ متواتر نماز کے خلاف قرآن کے غلط ترجمہ میں بعض روافض کی تقلید کی گئی۔ جبکہ احادیث صحیحہ میں وانحر کی تفسیر قربانی کرنے سے آئی ہے۔ تو کہنے لگے ہم سینوں کے موافق اس

آیت کی تفسیر قربانی سے بھی کرتے ہیں اور رافضیوں کے موافق سینے پر ہاتھ باندھنے سے بھی تو کہا گیا کہ جب اس آیت میں نماز عید اور قربانی کا ذکر ہے تو آپ بھی عید کی نماز کے بعد جب قربانی کریں تو ہاتھ سینے پر باندھ لیا کریں۔ دیکھئے متواتر نماز کے خلاف کس طرح قرآن پاک کی آیت کا غلط مطلب لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کی حفاظت فرمائیں۔

دوسری دلیل

اس متواتر نماز کے خلاف غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولوی ثناء اللہ نے یہ لکھا ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایات بخاری، مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ ۱/۴۴۳۔ فتاویٰ علمائے حدیث ۳/۹۱) مگر افسوس کہ یہ ایسا ہی جھوٹ ہے جیسا مرزا قادیانی نے کہا تھا کہ بخاری میں حدیث ہے کہ آسمان سے آواز آئے گی یہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہے، نہ مرزا کی یہ بات بخاری میں ہے نہ مولوی ثناء اللہ کی بات بخاری و مسلم میں ہے مرزا نے صرف بخاری پر جھوٹ بولا اور ثناء اللہ نے بخاری و مسلم دونوں پر۔

تیسری دلیل

اس متواتر نماز کے خلاف قرآن پاک بخاری اور مسلم پر جھوٹ بولنے کے بعد ایک اور دلیل تلاش کی گئی۔ ابن ماجہ، ترمذی، دار قطنی اور مسند احمد میں دو جگہ ایک حدیث حضرت ھلب سے تھی۔ کہیں یہ الفاظ تھے کہ آپ ؐ نے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا، کسی میں تھا کہ ایک ہاتھ دوسرے پر رکھا، مسند احمد میں ایک جگہ ھذہ علی ھذہ میں کاتب کی غلطی سے یوں ہو گیا۔ یضع ھذہ علی صدرہ یہاں صدرہ کاتب کی غلطی تھی کیونکہ مجمع الزوائد کنز العمال اور جمع الجوامع میں یہ لفظ نہیں آیا جبکہ مسند احمد کی زیادات سب ان کتابوں میں درج ہیں، دوسرے ھذہ کو کاتب نے غلطی سے صدرہ کر دیا تھا، پہلے ھذہ کو مولوی ثناء اللہ نے یدہ سے بدل دیا (فتاویٰ ثنائیہ ۱/۴۵۸، مسند

احمد ۲۲۶/۵)اور اس طرح تحریف لفظی کر کے متواتر نماز کو غلط قرار دینے پر زور لگایا گیا۔

چوتھی دلیل

قرآن پاک کی تحریف معنوی، بخاری مسلم پر جھوٹ اور مسند احمد میں تحریف لفظی کرنے پر بھی مسئلہ ثابت نہ ہوا تو آخری سہارا صحیح ابن خزیمہ کو بنایا گیا۔ اس میں ایک حدیث حضرت وائلؓ سے ہے جس میں علیٰ صدرہ کا لفظ ہے مگر سند یوں تھی مؤمل بن اسماعیل، سفیان، عاصم بن کلیب، وائل۔ ان میں پہلا راوی انتہائی ضعیف اس کے بعد کے تینوں راوی کوفی تھے، ان کا عقیدہ ہے کہ عراقی ہزار حدیث بھی سنادے تو نوسو نوے تو چھوڑ ہی دے اور باقی دس میں بھی شک کر (حقیقت الفقہ ص ۱۰۱) نیز سفیان کو یہ لوگ آہستہ آمین کی حدیث میں غلط کار قرار دے چکے ہیں، اور عاصم کو ترک رفع یدین کی حدیث میں ضعیف کہہ چکے ہیں اور کلیب کو بھی ترک رفع یدین کی ایک روایت میں ضعیف کہہ چکے ہیں۔ ان چاروں راویوں میں سے ایک بھی کسی سند میں آجائے تو یہ اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں تو جس سند میں یہ چاروں اوپر نیچے آجائیں، وہ کیسے صحیح ہو سکتی تھی۔ آخر اس کا حل یہ تلاش کیا گیا کہ سند ہی بدل دی۔ اور حدیث سے ابن خزیمہ ۲۴۳/۱ کی سند اتار کر مسلم ۱۷۳/۱ کی سند لگادی۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱، ص ۴۴۴، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱، ص ۹۱) وہ سند یہ ہے کہ عفان عن همام عن محمد بن جحادہ عن عبدالجبار بن وائل عن علقمة بن وائل عن ابیه ایک متواتر نماز کو غلط قرار دینے اور مسلمانوں میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا کر انگریز کو خوش کرنے کے لیے کیسی کیسی حرکتیں کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام کو اپنی حفاظت میں رکھیں۔

پانچویں دلیل

مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس متواتر نماز کو غلط ثابت کرنے کے لیے قرآن پاک کی تحریف معنوی کی، بخاری مسلم پر جھوٹ بولا، مسند احمد کی حدیث میں تحریف لفظی کی، صحیح ابن خزیمہ کی سند تبدیل کی آخر تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ آخر گوجرانوالہ

کے مستری نور حسین میدان میں نکلے آپ نے اپنے رسالہ اثبات رفع یدین ۲۰/۱۹ پر حضرت وائل کی ایک حدیث لکھی جس میں علیٰ صدرہ کا لفظ لکھا اور صحیح مسلم ۱/۱۷۳، ابن ماجہ ص ۶۴، دارمی ص ۱۰۷، دار قطنی ص ۱۱۸، ابوداؤد ص ۱۹۳، بخاری ص ۱۴، مسند احمد ۱۴۷/۳، مشکوٰۃ آٹھ کتابوں کا حوالہ دیا، جبکہ ان میں یہ جملہ کسی ایک میں بھی موجود نہیں ہے، ایک ہی سانس میں حدیث کی آٹھ کتابوں پر جھوٹ بڑے حوصلے کی بات ہے، اگرچہ حدیث پاک میں جھوٹ بولنا منافق کی نشانی قرار دیا گیا ہے، مگر اہل حدیث نے وہ ریکارڈ توڑ ڈالا کیونکہ ہمیں کسی ایسے منافق کا نشان نہیں ملا جس نے ایک ہی سانس میں حدیث کی آٹھ کتابوں پر جھوٹ بول دیا ہو اگر کسی صاحب علم کو ایسا منافق معلوم ہو تو ہمارے علم میں ضرور اضافہ فرمائیں۔

فقہ پر جھوٹ

اب غیر مقلدین جب ہر طرف سے لاجواب ہو گئے تو بے چارے عوام کو گمراہ کرنے کے لیے یوں لکھ مارا۔ "ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے (ہدایہ ۱/۳۵۰) سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق آئمہ محدثین صحیح ہے (ہدایہ ۱/۳۵۰ شرح وقایہ ص ۹۳) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث مرفوع نہیں ہے (شرح وقایہ ص ۹۳) یہ چاروں حوالے محض جھوٹ ہیں۔ کوئی غیر مقلد ہدایہ اور شرح وقایہ کے متن کی اصلی عبارت پیش کر دے جس کا یہ ترجمہ ہو تو ہم دس ہزار روپے فی حوالہ انعام دیں گے۔ اور آخر میں آپ حیران ہوں گے یہ بھی لکھ دیا گیا کہ "مرزا مظہر جان جاناں مجددی حنفی سینہ پر باندھنے کی دلیل کو بسبب قوی ہونے کے ترجیح دیتے تھے اور خود سینے پر ہاتھ باندھتے تھے (ہدایہ ۱/۳۵۱" یہ بھی محض جھوٹ ہے کیا کوئی غیر مقلد ہے جو ہمت کر کے اس عبارت کی اصل عربی ہدایہ کے متن میں دکھا سکے اور دس ہزار روپے مزید انعام لے۔ اور یاد رہے کہ صاحب ہدایہ کا وصال ۵۹۳ھ میں ہو گیا تھا۔ اور حضرت مظہر جان جاناں ان کے وصال کے ۵۱۸ سال بعد ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ پھر ان کا قول اور عمل صدیوں

پہلے کی کتاب میں کیسے درج ہوگیا، یہ سارے جھوٹ حقیقت الفقہ ص ۱۹۳ پر ہیں۔

نوٹ: فتاویٰ علمائے حدیث (۹۳/۳) پر حضرت وائل کی ایک روایت السنن الکبریٰ کے حوالے سے مذکور ہے، علامہ ابن ترکمانی نے اس پر تحریر فرمایا تھا کہ اس میں محمد بن حجر کے بارے میں امام ذہبیؒ نے فرمایا اس کی احادیث منکر ہیں اور ام عبدالجبار مجہول ہے (الجوہر النقی ۳/۲) علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ اس سند کا راوی سعید بن عبدالجبار بھی ضعیف ہے۔ (کذا فی المیزان والتقریب، آثار السنن ۶۹/۱)

جھوٹ پر جھوٹ

فتاویٰ علمائے حدیث (۹۴/۳) پر ہے کہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اعتراف فرماتے ہیں کہ ہمارے علمائے حنفیہ ایسے دلائل سے حجت پکڑتے ہیں جو موثق نہیں ہیں۔ حالانکہ یہ عبارت عمدۃ القاری میں موجود نہیں ہے پھر ابن امیر الحاج کی شرح منیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں حضرت وائلؓ کی سینے والی حدیث کے علاوہ کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، یہ بات بھی شرح منیہ میں نہیں ملی پھر فتاویٰ علمائے حدیث (۹۵/۳) پر شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی شافعیؒ کی کتاب عوارف المعارف سے نقل کیا ہے کہ والنحر کا معنیٰ ہے ہاتھ سینے پر رکھو، عوارف المعارف عربی ص ۳۰۹ پر تحت الصدر اور مترجم اردو ص ۴۶۳ پر ہے کہ سینے کے نیچے رکھو، افسوس ہے کہ جھوٹ اور خیانت میں ان لوگوں نے سب کو مات کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے دین کا محافظ ہے تاہم (فتاویٰ علمائے حدیث ۹۲/۳) پر یہ تسلیم کرلیا کہ ”سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث نہ آئمہ اربعہ کو پہنچی نہ ہی صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں اس پر عمل تھا تاہم یہ عمل نہ ہونا تنسیخ کی دلیل نہیں“ حیرت ہے کہ باقی نماز تو بچوں تک کو پہنچ جائے مگر یہ نماز کی حدیث آئمہ اربعہ صحابہ اور تابعین کو خواب میں بھی نظر نہ آئے اس سے بڑھ کر شذوذ اور کیا ہوگا۔

(۱) ذکر الاثرم قال حدثنا ابو الولید الطیالسی قال حدثنا حماد بن سلمۃ عن عاصم الجحدری عن

عقبة بن صهبان سمع عليا يقول في قول الله عزوجل ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قال وضع اليمنیٰ علی اليسریٰ تحت السرة (التمهيد ج٢٠ ص٧٨)

حضرت عقبہ بن صہبانؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہوئے سنا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

(۲) عن وائل بن حجر قال رایت النبی ﷺ یضع یمینه علی شماله تحت السرة.

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۰ الشافعی استاد بخاری)

ترجمہ: حضرت وائل فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر زیر ناف رکھا۔ اس کی سند نہایت صحیح ہے۔

(آثار السنن ۱/۶۹)

مولوی محمد حنیف فرید کوٹی جھنگوی اس سنت رسول کا مذاق یوں اڑاتے ہیں "حنفیوں کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ یہ آلہ تناسل پر ہاتھ باندھتے ہیں" (قول حق ص ۲۱)

قیام حشر کیوں نہ ہو کہ اک کلچڑی کنچی
کرے ہے حضور بلبل بستاں نوا سنجی

(۳) عن علی قال سنة الصلوة وضع الایدی علی الایدی تحت السرة (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۰۱ مسند احمد ۱/۱۱۰)

ترجمہ: حضرت علی سے روایت ہے کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھے۔

(۴) سنت دائمی عمل کو کہتے ہیں غیر مقلد اگر ایک صحیح حدیث پیش کریں جس سے

حضورؐ کے سینے پر ہاتھ باندھنے کو کسی خلیفہ راشد نے دائمی عمل یعنی سنت قرار دیا ہو تو ہم ان کو مبلغ پچاس ہزار روپیہ نقد انعام دیں گے۔

(۵) عن انس قال ثلاث من اخلاق النبوة تعجيل الافطار وتاخير السحور ووضع اليد اليمنى على اليسرى فى الصلوة تحت السرة (۳۲/۲ بحوالہ ابن حزم ۱۱۳/۴)

ترجمہ: حضرت انسؓ نے فرمایا تین باتیں سب نبیوں کے اخلاق میں ہیں جلد افطار کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر زیر ناف رکھنا۔

کیا کوئی غیر مقلد انبیاء علیہم السلام کا دائمی عمل سحر وافطار کی طرح سینے پر ہاتھ باندھنا ثابت کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

(۶) عن ابی هريرةؓ قال وضع الكف على الكف فى الصلوة تحت السرة. (الجوہر بحوالہ ابن حزم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا ہاتھ کو ہاتھ پر نماز میں ناف کے نیچے رکھا جائے۔

غیر مقلدین میں جرأت ہے تو لاکھ سے زائد صحابہ کرام میں سے ایک صحابی کا قول پیش کریں کہ ہاتھ سینے پر باندھا کرو۔

(۷) عن ابراهيم النخعى قال يضع يمينه على شماله فى الصلوة تحت السرة. (ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۰)

ترجمہ: حضرت ابرہیم نخعی نے فرمایا کہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

قال محمد و به ناخذ (کتاب الآثار)

امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے۔

(۸) عن ابی مجلز یضع باطن کف یمینه علی ظاهر کف شماله و یجعلهما اسفل من السرة (ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۱)
ابومجلز (۱۰۰ھ) فرماتے ہیں دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے بیرونی حصہ پر رکھے اوران کوناف کے نیچے رکھے۔

تمام صحابہ تمام تابعین تمام تبع تابعین میں سے کسی ایک سے بھی سینہ پر ہاتھ باندھنا ثابت نہیں اور قیامت تک کوئی ثابت بھی نہیں کرسکتا۔ بلکہ فتاویٰ علمائے حدیث ۳/۹۳ پراس کا اعتراف کرلیا ہے کہ صحابہ وتابعین کا اس حدیث پر عمل نہیں تھا۔

(۹-۱۰) ابن حزم نے حضرت عائشہؓ سے تعلیقاً اور مسند الامام زید میں سند کے ساتھ حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ تین باتیں تمام انبیاء کرام کے اخلاق سے ہیں افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر ناف کے نیچے رکھنا۔

آئمہ اربعہ

جس طرح قرآن پاک سات قاریوں کی قرأت سے امت کو ملا ہے جو قرأت ان ساتوں قاریوں میں سے کسی سے ثابت نہ ہو وہ شاذ اور مردود ہے قرآن ہرگز نہیں۔ اسی طرح جس روایت پر آئمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی عمل نہ کیا ہو، وہ قطعاً اور یقیناً شاذ ہے، سینہ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا آئمہ اربعہ میں سے کسی کا مسلک نہیں (نووی شرح مسلم ۱/۱۷۳) اور امام ترمذی اختلافات کا ذکر کیا کرتے ہیں انہوں نے ترمذی شریف میں کسی کا مسلک سینہ پر ہاتھ باندھنا نہیں بتایا۔ فتاویٰ علمائے حدیث ۳-۹۳ پر اعتراف کرلیا ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث آئمہ اربعہ کو نہیں پہنچی۔

اجماع

مولانا عبدالحئی لکھنوی فرماتے ہیں۔

اما فی حق النساء فاتفقوا علی ان السنة لهن وضع الیدین علی الصدر. (العنایہ ۱۵۶/۳)

ترجمہ: بہر حال علماء کا اتفاق ہے کہ عورتوں کے حق میں یہ سنت ہے کہ وہ ہاتھ نماز میں سینہ پر رکھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے سینہ پر ہاتھ باندھنا اجماعی مسئلہ ہے اور اجماع کا مخالف قرآن وحدیث کے موافق دوزخی ہے۔

غیر مقلدین سنت کی دشمنی کے لیے اپنی مساجد میں اشتہار لگاتے ہیں ان میں ایک اشتہار ہے نماز میں سینہ پر ہاتھ اس میں دائیں کونے پر اطیعوا اللہ لکھا ہے اور پھر اللہ کے حکم ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ سے رافضیوں کی تقلید میں نماز عید کے بعد سینہ پر ہاتھ باندھنا لکھا ہے۔

حدیث اول کی سند بھی ضعیف ہے اس کا راوی سماک بن حرب ہے اور حدیث کے ترجمہ میں ہے کہ آپ دونوں طرف سلام پھیرتے اور وہ ہاتھوں کو سینہ پر رکھتے تھے۔ یہ ہاتھوں، خدا جانے کس لفظ کا ترجمہ ہے، پھر ابن خزیمہ والی روایت نقل کی ہے جس کا ضعیف ہونا بیان ہو چکا ہے، پھر طاؤس کی مرسل اور ضعیف سند جس کا راوی سلیمان بن موسیٰ ہے لکھی ہے، یہ نہایت ضعیف حدیث ہے، محمد بن حجر ضعیف، سعید بن عبد الجبار ضعیف اور ام یحییٰ مجہولہ ہیں پھر ابن عباس کا قول جو بالکل جھوٹا ہے نقل کیا ہے کیونکہ راوی روح بن المسیب جھوٹی احادیث بناتا تھا۔

یہ شاذ متروک ضعیف روایات بھی اس کے دعویٰ کی دلیل نہیں، کسی ضعیف حدیث میں بھی سنت یعنی دائمی عمل مذکور نہیں خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ کسی ایک صحابی ایک تابعی، ایک تبع تابعی آئمہ اربعہ میں سے کسی امام کا مذہب بھی وہ سینے پر ہاتھ باندھنے کا ثابت نہیں کر سکا ان شاذ روایات کو سنت کہنا ایسی ہی جہالت ہے جیسے کوئی جاہل ساتوں قرأتوں کے خلاف کسی شاذ اور متروک قرأۃ کا نام دے اور اس متواتر قرآن کے خلاف اشتہار بازی کرے۔ یہ حرکت پادری فانڈر، سوامی دیانند پنڈت رام چندر نے تو کی تھی اب اہل حدیث بھی ان کی تقلید میں ایسی حرکت پر اتر آئے ہیں۔

اہل سنت حضرات کو ان کے وساوس سے اپنے ایمان کی حفاظت کرنی

چاہیے اور سورت والناس پڑھ کر ان پر دم کر دینا چاہیے کہ یا اللہ ان کے وسوسے ان ہی کے پاس رہیں۔ ہمیں ان وسوسوں سے محفوظ رکھنا۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ بوقت اختلاف خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑنا ہم نے اس مسئلے میں ان احادیث پر عمل کیا جن پر عمل کو خلیفہ راشد حضرت علیؓ نے سنت کہا اور حضورؐ نے فرمایا تھا کہ جو حدیثیں میری سنت کے خلاف ہوں، وہ میری طرف سے نہیں (دار قطنی) اس لیے ہم نے اس روایت پر عمل نہیں کیا جو خلاف سنت ہے۔ ہاں اگر کوئی غیر مقلد سینے پر ہاتھ باندھنے کا سنت ہونا کسی خلیفہ راشد سے ثابت کر دے تو ہم اسے بھی سنت مان لیں گے۔

سنت کا مذاق

یہ فرقہ سنتوں کا دشمن ہے یہ سنت جو تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اس کے بارے میں غیر مقلد عالم فیض عالم صدیقی اپنی کتاب اختلاف امت کا المیہ ص ۸۷ پر لکھتے ہیں "مردوں کو ہاتھ ناف کے نیچے باندھنے چاہئیں (کتب فقہ) یہاں ایک لطیفہ یاد آیا ہے کہ خلفائے بنی عباس میں سے ہارون کا ایک نماز میں ازار بند کھل گیا۔ اور اس نے سینے سے ہاتھ نیچے کر کے ازار بند سنبھال لیا نماز سے فراغت کے بعد مقتدیوں نے حیرانی سے ہارون الرشید کے اس فعل کو دیکھا قاضی ابو یوسف صاحب نے فتویٰ دے دیا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی صحیح ہے"

بڑے سے بڑے منکر حدیث نے بھی حدیث کا ایسا مذاق نہ اڑایا ہوگا جیسا اس نام نہاد اہل حدیث نے سنت کا مذاق اڑایا ہے، فقہ کا نام آتے ہی یہ لوگ سراپا استہزاء بن جاتے ہیں ذرا فقہ کا تھوڑا سا تقابل دیکھیے۔

فقہ حنفی	فقہ غیر مقلدین
ا۔منی ناپاک ہے۔	منی پاک ہے۔(عرف الجاوی ص ۱۰، کنز الحقائق ص ۱۶)
۲۔دم مسفوح (خون) ناپاک ہے۔	حیض کے سوا سب خون پاک ہیں۔ (کنز الحقائق ۱۶)
۳۔خنزیر ناپاک ہے۔	خنزیر پاک ہے۔اسی طرح اس کی ہڈی، پٹھے وغیرہ پاک ہیں۔ (کنز الحقائق ص ۱۳)
۴۔خمر (شراب) ناپاک ہے۔	خمر (شراب) پاک ہے۔ (کنز الحقائق ص ۱۶)
۵۔مردار نجس ہے۔	مردار نجس نہیں (عرف الجاوی ص ۱۰)
۶۔کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔	کتے کا جھوٹا اور پیشاب اور پاخانہ پاک ہے۔حق یہی ہے۔حق یہی ہے۔ (نزل الابرار ص ۴۹۸)

افسوس ہے کہ سنتوں کا انکار اور گندے مسائل کی اشاعت حدیث کے نام پر کی جارہی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کے قبول اور عمل و استقامت کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

غیر مقلدین سے

مسائل قربانی

کے بارے میں

اکتالیس

سوالات

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمان الرحیم

اہل حدیث حضرات کا دعویٰ ہے کہ ہم خدا اور رسولؐ کے سوا کسی کی بات کو دین میں حجت نہیں سمجھتے۔ اس لیے گزارش ہے کہ وہ قربانی کے بارہ میں مندرجہ ذیل سوالات کا جواب صرف قرآن پاک کی صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث سے دیں، کسی امتی کا قول نقل کر کے مشرک نہ بنیں۔ اپنے قیاسات لکھ کر شیطان نہ بنیں، بے سند باتیں لکھ کر بے دین نہ بنیں۔ اور جواب سے سکوت کر کے گونگے شیطان نہ بنیں۔

(۱) قربانی فرض ہے یا واجب یا سنت یا نفل؟ صریح حکم قرآن و حدیث سے تحریر کریں۔

(۲) اگر نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ نفل تو یہ تحریر فرمائیں کہ جن آئمہ فقہاء یا آئمہ محدثین نے اسے واجب یا سنت وغیرہ کہا ہے وہ قرآن و حدیث کے مطابق کافر ہیں یا فاسق یا بدعتی؟

(۳) قربانی کرنے والے شخص میں کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ صریح آیت یا حدیث پیش فرمائیں؟

(۴) قربانی کے ضروری ہونے کے لیے کتنا نصاب ہونا ضروری ہے؟ نصاب کا نامی ہونا بھی شرط ہے یا نہیں؟

(۵) زمین، مکان، دکان، بس، ٹرک وغیرہ کی قیمت سے نصاب کا حساب ہوگا یا آمدن سے؟

(۶) ضرورت کے کون کون سے سامان ہیں جن کا حساب نصاب میں شامل نہیں کیا جائے گا؟

(۷) جو مسلمان وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے اس کو کتنا گناہ ہے اس گناہ کی حد کتنے کوڑے ہے؟

(۸) جو بکری، گائے وغیرہ چار، چھ، آٹھ دانت والی ہو ان کی قربانی کس حدیث کے مطابق جائز ہے؟

(۹) جذعہ کا کیا معنیٰ ہے جو دو دانت والا نہ ہو خواہ ایک دن یا ایک ہفتہ کا یا ایک ماہ کا ہو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

(۱۰) مسنہ کا مادہ کیا ہے یہ لفظ واحد ہے یا تثنیہ یا جمع؟

(۱۱) ثنی کا مادہ کیا ہے فقہا اور شارحین حدیث نے قربانی کی حدیث میں کیا معنیٰ کیا ہے اس معنیٰ پر اتفاق ہے یا اختلاف اور کیوں؟

(۱۲) بھینس کا گوشت، دودھ، گھی، مکھن، دہی، لسی، آپ ﷺ نے استعمال فرمائی یا حکم دیا۔

(۱۳) آنحضرت ﷺ نے کبھی بھینس، ہرن، گھوڑے کی قربانی کی تھی یا نہیں؟

(۱۴) بھینس، گائے میں قربانی کے کتنے حصے ہو سکتے ہیں؟ ان میں کوئی مرزائی حصہ ڈالے تو اہل حدیث کی قربانی پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

(۱۵) ایک گائے یا بھینس میں سات شخص شریک ہوئے ایک اہل حدیث، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، مرزائی، شیعہ نے مل کر قربانی کردی قربانی ہوگئی یا نہیں؟

(۱۶) ایک آدمی ۲۰ نصابوں کا مالک ہے وہ ایک ہی قربانی کرے یا نہیں؟

(۱۷) ہاتھی، خچر، گھوڑے کی قربانی میں کتنے حصے ہو سکتے ہیں؟

(۱۸) بجو، گوہ، کرلا، مینڈک، مرغ، مچھلی کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ صریح حدیث سے جواب دیں۔

(۱۹) مرغی، بطخ، چڑیا، کچھوے کے انڈے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ صریح حدیث پیش کریں۔

(۲۰) زید فوت ہوگیا اس نے بیوی لڑکا اور گائے چھوڑی دونوں نے اس کی قربانی کردی جائز ہے یا نہیں؟

(۲۱) قربانی کا گوشت تول کر تقسیم کرنا چاہیے یا اندازے سے بھی جائز ہے؟

حدیث میں کیا حکم ہے؟

(۲۲) قربانی کا گوشت کسی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، بریلوی کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲۳) قربانی کی گائے میں عقیقہ یا نذر کا حصہ شامل کرنا حدیث میں منع ہے یا جائز؟

(۲۴) قربانی کے جانور میں جماعت المسلمین یا قادیانی کا حصہ شامل کرنا حدیث کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

(۲۵) قربانی کا جانور کسی جماعت المسلمین والے سے ذبح کرانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲۶) قربانی کا جانور کوئی کافر بغیر بسم اللہ کہے ذبح کر دے تو قربانی جائز ہے یا نہیں؟

(۲۷) قربانی کی بجائے اس کی قیمت اپنے احباب میں تقسیم کر دے تو قربانی کا ثواب مل جائے گا یا نہیں؟

(۲۸) اہلحدیث نے حنفی کے پیچھے نماز پڑھ کر قربانی کر لی یہ قربانی جائز ہے یا نہیں؟

(۲۹) نماز عید پڑھ کر قربانیاں کر لیں بعد میں پتہ چلا کہ عید کا امام بے وضو یا بے غسل تھا تو یہ قربانیاں ہو گئیں یا دوبارہ کرنا پڑیں گی؟

(۳۰) ایک شخص نے سرے سے عید کی نماز ہی نہیں پڑھی لوگوں کے ساتھ قربانی کر لی یہ قربانی ہو گئی یا نہیں؟

(۳۱) ذبح میں کتنی رگیں کاٹنا شرط ہیں ان کی تعداد اور نام صحیح حدیث سے بیان فرمائیں۔؟

(۳۲) گائے کو قربانی کے لیے لٹانے لگے وہ ذبح سے پہلے گر کر لنگڑی ہو گئی یا کانی ہو گئی اب اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں۔؟

(۳۳) قربانی کی کھال یا قربانی کا گوشت امام مسجد کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳۴) قربانی کی کھال قصائی کو اجرت میں دے دی اب تلافی کی کیا صورت ہے؟

(۳۵) آنحضرت ﷺ قربانی عیدگاہ میں کیا کرتے تھے یا گھر اور گلی میں؟

(۳۶) آج کل لوگ گھر یا گلی میں قربانی کرتے ہیں اس کے جواز کی کوئی صریح

حدیث تحریر فرمائیں؟

(۳۷) آج کے غیر مقلد چوتھے دن قربانی کرنے کو زیادہ ثواب سمجھتے ہیں کیا کبھی آنحضرت ﷺ نے بھی زیادتی ثواب کی نیت سے چوتھے دن قربانی کی تھی؟

(۳۸) جو صحابہ تین دن قربانی کے قائل تھے وہ خلاف حدیث اپنی رائے پر جمے رہے یا ان کے پاس بھی کوئی صحیح حدیث تھی؟

(۳۹) رات کو قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴۰) قربانی کے دن گزر گئے، اب اس کی تلافی کی حدیث میں کیا صورت ہے؟

(۴۱) قربانی کا جانور گم ہو گیا۔ دوسرا خرید ا پھر پہلا بھی مل گیا۔ اب دونوں کی قربانی کرے یا کسی ایک کی؟

غیر مقلدین کی فقہ کے

دو سو مسائل

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم. اما بعد!

دین اسلام کی تکمیل بعض قرآن پاک آنحضرت ﷺ کے ذریعہ ہوئی اور اس دین کامل کو تمکین خلافت راشدہ اور جماعت صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم کے ذریعہ نصیب ہوئی اور باجماع امت اس کی تدوین کا سہرا سب سے پہلے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سر رہا۔ بقول امام شافعیؒ وہ اس باب میں (اب) اصل ہیں۔ اور قیامت تک آنے والے ان کی نسل ہیں۔ یہ فقہ خیر القرون میں ہی مرتب ہوئی اور خیر القرون میں ہی تمام عالم اسلام میں بحیثیت قانون اسلامی نافذ ہوگئی۔ ۱۷۰ھ میں قاضی ابو یوسفؒ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا گیا۔ ایک آواز بھی خیر القرون میں اس فقہ کے خلاف نہ اٹھی۔

جس طرح قرآن پاک کی تفسیریں ہر دور میں لکھی گئیں، کتب احادیث کی شروح ہر دور میں لکھی گئیں، اسی طرح فقہ حنفی کی کتابیں بھی ہر دور میں لکھی جاتی رہیں۔ ان میں سے ایک کتاب "درمختار" ہے۔ یہ کتاب آنحضرت ﷺ کی منامی اجازت "من رانی فقد رای الحق" سے لکھی گئی۔ مولف کو آنحضرت ﷺ خواب میں ملے۔ اپنی مبارک زبان جو ﴿مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ کی ترجمان تھی، چوسنے کا حکم دیا اور مؤلف نے یہ کتاب مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کے روضہ پاک پر بیٹھ کر تالیف فرمائی۔ یہی وہ مقام ہے جو روضۃ من ریاض الجنۃ ہے اس کا وہ خاص ٹکڑا مبارک جو آنحضرت ﷺ کے مواجہ شریف اور حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مواجہ شریف میں ہے، وہی رشک عرش ٹکڑا اس کتاب کی تالیف گاہ ہے۔

اس مبارک کتاب کو خدا تعالیٰ نے اہل حرمین اور تمام اہل عجم میں وہ

شرف قبولیت بخشا کہ ہر دار الافتاء کی زینت بنی، شام اور مصر کے عرب علماء نے اس کتاب پر شروح و حواشی لکھے۔ جو عرب و عجم کے علماء میں مقبول ہیں۔ اہل حرمین کی طرف سے آج تک اس کی تردید میں کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی۔

پاک و ہند میں جب انگریز کے منحوس قدم آئے تو اس کافر حکومت کے زیر سایہ ایک غیر مقلد عالم نے اس کے مقابلہ میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "نزل الابرار من فقه النبی المختار" رکھا۔ جس کا مطلب ہے کہ نبی مختار علیہ السلام کی فقہ سے نیک لوگوں کی مہمان نوازی۔

بس اب کیا تھا سب کو یہ دعوت دی جانے لگی کہ "در مختار" امتی کی فقہ ہے اور "نزل الابرار" نبی کی فقہ ہے۔ امتی معصوم نہیں ہوتا، اس لیے اس فقہ میں خطا کا احتمال ہے اور نبی معصوم ہوتا ہے اس کی فقہ میں غلط اور خطا کا احتمال نہیں مگر اس کتاب کو غیر مقلدین کے علاوہ کسی نے بھی قبول نہیں کیا۔ اسی کتاب کے دو سو مسائل نمونہ کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ خدا تعالیٰ جس شکل میں چاہے تجلی فرما سکتا ہے۔

۲۔ عرش خدا کا مکان ہے۔

۳۔ خدا کا چہرہ، آنکھ، کان، ناک کندھا، پسلی، ٹانگ، پاؤں، انگلیاں سب کچھ ہے۔

۴۔ ہم اہل حدیث اس کے قائل ہیں کہ مردے قبروں میں زندوں کی پکار سنتے ہیں۔ (۱، ۲، ۳، ۴۔ ج ۱ ص ۴)

۵۔ زندہ اور مردہ بزرگوں کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ خلافی کرنا عقلاً ممکن ہے گو امتناع بالغیر ہے۔

۷۔ آنحضرت ﷺ کی نظیر ممکن اور تحت قدرت ہے امتناع بالغیر ہے۔

۸۔ ہمارے بعض اصحاب خلف وعید کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

(۵، ۶، ۷، ۸۔ ج ۱ ص ۵)

۹۔ اب نئی شریعت والا نبی نہیں آئیگا۔ (ج۱ص۶)

۱۰۔ کرامات اولیا حق ہیں۔ (ج۱ص۶)

۱۱۔ خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا جائز ہے۔

۱۲۔ اہل حدیث شیعان علی ہیں۔

۱۳۔ نماز، روزہ، تلاوت، صدقہ وغیرہ کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔

۱۴۔ عامی کے لیے مجتہد یا مفتی کی تقلید لازمی ہے۔

۱۵۔ تمام مسائل میں خاص ایک امام کی تقلید بدعت مذمومہ ہے۔

(۱۱ سے ۱۵۔ ج۱ص۷)

۱۶۔ تقلید شخصی شرک فی العادت ہے۔ (ج۱ص۴)

۱۷۔ ہمارا ایک نام ہے اہل حدیث، ان کو وہابی کہنے والے بدعتی ہیں۔

(ج۱ص۸)

۱۸۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اگر نبی کی بات کو امام کی بات پر مقدم سمجھیں تو یہ لوگ مسلمان ہیں اور اہل سنت والجماعت میں شامل ہیں۔

۱۹۔ جسم پر مکھیوں کا پاخانہ لگا ہو تو دھونا ضروری نہیں۔ اس میں حرج ہے۔

(ج۱ص۱۲)

۲۰۔ اہل بیت سے متواتر روایات سے ثابت ہے کہ وضو میں پاؤں دھونے کی بجائے مسح کیا جائے۔

۲۱۔ اگر سر، موزہ، پٹی کو بے وضو آدمی نے برتن میں ڈال دیا تو مسح ہو گیا۔

۲۲۔ سر کی بجائے وضو میں پگڑی پر مسح جائز ہے۔

۲۳۔ پگڑی پر مسح کرنے کے بعد پگڑی اتار ڈالی تو اب سر پر مسح ضروری ہے۔ (۲۰ سے ۲۳۔ ج۱ص۱۳)

۲۴۔ کھڑے ہو کر کھانا پینا مسافر کے لیے مکروہ نہیں۔ نبی ﷺ اور صحابہؓ

سے اس کا ثبوت۔ (ج ۱ ص ۱۸)

۲۵۔ خون، پیپ اور قے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (ج ۱ ص ۱۸)

۲۶۔ صحیح یہ ہے کہ قے کے ناپاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔

۲۷۔ صحیح یہ ہے کہ (الخمر) شراب ناپاک نہیں ہے۔

۲۸۔ نماز میں بالغ آدمی قہقہہ لگا کر ہنسے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔

۲۹۔ عورت کو مساس کرنے یا بے ریش لڑکے کو مساس کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۳۰۔ مرد، عورت ننگے ہو کر شرم گاہیں ملائیں تو وضو نہیں ٹوٹتا۔

(۲۶ سے ۳۰۔ ج ۱ ص ۱۹)

۳۱۔ اگر انگلی پاخانہ کی جگہ داخل کی تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۳۲۔ اگر شرمگاہ میں لکڑی داخل کی اگر خشک نکل آئی تو وضو نہیں ٹوٹا۔

۳۳۔ اگر لوہے یا کسی اور چیز کا (ذکر بنا کر) داخل کیا، وہ خشک نکل آیا تو وضو نہیں ٹوٹا۔

۳۴۔ اگر لوہے اور لکڑی کا ذکر اندر ہی غائب ہو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۳۱ سے ۳۴۔ ج ۱ ص ۲۰)

۳۵۔ غیر مکلّف (نابالغ) نے بالغ سے صحبت کی یا کروائی تو نابالغ پر غسل فرض نہیں۔ (ج ۱ ص ۲۳)

۳۶۔ بواسیر کا موہکا باہر نکل کر خود بخود اندر چلا گیا تو وضو نہیں ٹوٹا۔ ہاتھ سے اندر کیا تو وضو ٹوٹ گیا۔ (ج ۱ ص ۲۰)

۳۷۔ کیڑا (چنونا) باہر نکلا پھر خود واپس دبر میں داخل ہو گیا تو وضو نہیں ٹوٹا۔

(ج ۱ ص ۲۰)

۳۸۔ اگر کوئی شخص اعضا وضو کو ہمیشہ ایک ایک بار ہی دھوتا رہے (دو بار اور تین بار اعضائے وضو دھونے کی احادیث کی ہمیشہ مخالفت کرتا رہے) تو بھی

کوئی گناہ نہیں۔ (ج ۱ ص ۱۶)

۳۹۔ عورت کی شرم گاہ کا بیرونی حصہ (فرج خارج) مثل انسان کے منہ کے ہے۔ (ج ۱ ص ۲۱)

۴۰۔ آنکھوں میں ناپاک سرمہ ڈالا تو آنکھوں کا دھونا غسل وضو میں فرض نہیں۔ (ج ۱ ص ۲۰)

۴۱۔ غسل فرض ہو اور پردہ کی جگہ نہ ہو تو مرد کو مردوں کے سامنے اور عورت کو عورتوں کے سامنے ننگے ہو کر غسل کرنا ضروری ہے۔ (ج ۱ ص ۲۲)

۴۲۔ عورت نے صحبت کے بعد غسل کر کے نماز پڑھ لی۔ پھر عورت کی باقی ماندہ منی باہر نکل آئی تو غسل اور نماز کا دہرانا نہیں ہے کیونکہ یہ منی بغیر شہوت کے خارج ہوئی ہے۔

۴۳۔ (ب) مرد نے منی نکلنے سے قبل عضو مخصوص کو زور سے پکڑ لیا۔ یہاں تک کہ شہوت ختم ہو گئی۔ اب چھوڑ دیا اور منی باہر نکل آئی تو غسل فرض نہیں ہوا۔

۴۴۔ غیر مکلّف (دیوانے) نے عاقل سے صحبت کی یا کروائی تو غیر مکلّف پر غسل فرض نہیں۔

۴۵۔ جن نے عورت سے صحبت کی عورت کو انزال نہیں ہوا۔ تو عورت پر غسل فرض نہیں۔

۴۶۔ جانور کی شرمگاہ میں جماع کیا تو غسل فرض نہیں۔

۴۷۔ جانور کی دبر میں جماع کیا تو غسل فرض نہیں۔

۴۸۔ آدمی کے پاخانہ کے مقام میں جماع کیا (لونڈے بازی کی) تو غسل فرض نہیں۔

۴۹۔ مردہ عورت سے جماع کیا تو غسل فرض نہیں۔

۵۰۔ قریب البلوغ لڑکے یا لڑکی نے صحبت کی یا کرائی تو غسل فرض نہیں۔

۵۱۔ امام بخاریؒ کے نزدیک عاقل مرد عورت جماع کریں، انزال نہ ہو تو غسل فرض نہیں۔

۵۲۔ کسی نے اپنا آلہ تناسل اپنی دبر میں داخل کر لیا تو غسل فرض نہیں۔

(۴۴ سے ۵۲۔ ج ۱ ص ۲۳)

۵۳۔ خنثی مشکل نے کسی سے جماع کیا تو دونوں میں سے کسی پر غسل فرض نہیں۔

۵۴۔ آلہ تناسل پر کپڑا لپیٹ کر جماع کیا۔ جماع کی لذت نہ آئی تو غسل فرض نہیں۔

۵۵۔ کسی عورت نے انگلی استعمال کی تو غسل فرض نہیں۔

۵۶۔ کسی عورت نے غیر آدمی کا آلہ تناسل اپنی شرم گاہ میں داخل کرایا، تو غسل فرض نہیں۔

۵۷۔ اگر کوئی عورت لکڑی (یا لوہے وغیرہ) کا ذکر بنا کر استعمال کرے، تو غسل فرض نہیں ہوتا۔

۵۸۔ مندرجہ بالا عورت اگر لکڑی، لوہے کا ذکر اس صفائی سے استعمال کرے کہ ذکر تو سارا اندر جاتا رہے مگر ہاتھ کی ہتھیلی اندام نہانی کو نہ لگے تو وضو بھی نہیں ٹوٹتا۔

۵۹۔ اگر وہ عورت کسی مردہ کا ذکر اپنی شرم گاہ میں داخل کرے تو بھی غسل فرض نہیں۔

۶۰۔ پیسوں کو جوڑ کر ذکر بنا لے اور عورت استعمال کرے تو غسل فرض نہیں۔

۶۱۔ اگر عورت نے لڑکے کا آلہ تناسل داخل کرایا جو بالغ نہ تھا تو کسی پر بھی غسل فرض نہیں۔

۶۲۔ عورت نے کسی خسرے سے جماع کرایا تو غسل فرض نہیں۔

۶۳۔ اگر کسی کنواری لڑکی سے جماع کیا اور کنوار پٹی نہ ٹوٹی تو غسل فرض نہیں۔

۶۴۔ (غیر مقلد) مرد بھی اپنی دبر میں لو ہے، لکڑی یا مردے یا جانور کا آلہ تناسل داخل کرے تو غسل فرض نہیں۔ (۵۳ سے ۶۴ ج ا ص ۲۴)

۶۵۔ حیض، نفاس والی عورت جنبی دعا اور ثناء کی نیت سے قرآن ایک ایک کلمہ کر کے پڑھیں تو جائز ہے۔ (ج ا ص ۲۶)

۶۶۔ ہمارے بعض اصحاب کے نزدیک بہ نیت تلاوت بھی حیض، نفاس والی اور جنبی کو قرآن پڑھنا جائز ہے۔ (ج ا ص ۲۵)

۶۷۔ آخر اہل حدیث کے نزدیک بے وضو شخص قرآن کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔

۶۸۔ قرآنی دعائیں پڑھنا حائضہ اور جنبی کے لیے مکروہ نہیں۔

۶۹۔ قرآن پڑھنے والے بچے، پڑھانے والا استاد بے وضو قرآن کو پکڑ سکتے ہیں۔ (۶۷ سے ۶۹ ج ا ص ۲۶)

۷۰۔ قرآن پر غلاف ہو تو سر کے نیچے (تکیہ کی جگہ) یا پیٹھ کے پیچھے رکھ لینا مکروہ نہیں۔

۷۱۔ فلسفہ منطق اور کلام (عقائد) کی کتابوں سے استنجاء کرنا جائز ہے۔

۷۲۔ پاخانہ کرتے یا استنجاء کرتے وقت دل میں قرآن پڑھتے رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۷۰ سے ۷۲۔ ج ا ص ۲۷)

۷۳۔ عرق گلاب سے وضو جائز ہے۔ (ج ا ص ۲۸)

۷۴۔ پانی خواہ کتنا تھوڑا ہو جب تک نجاست سے اس کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے وہ پاک رہتا ہے۔ (ج ا ص ۲۹)

۷۵۔ مستعمل اور غیر مستعمل پانی میں کوئی فرق نہیں۔ (ج ا ص ۲۹)

۷۶۔ انسان، خنزیر، کتے وغیرہ ہر جاندار کی کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ (ج ا ص ۲۹)

۷۷۔ خنزیر یا کتے، بلی، وغیرہ کے چمڑے کو دھوپ میں سکھائے تو بغیر رنگے پاک ہیں۔ (ج۱ص۳۰)

۷۸۔ (الف) جن جانوروں کی کھالیں رنگنے سے پاک ہو جاتی ہیں (مثلاً آدمی، خنزیر، کتا، بلا وغیرہ) ان کو اگر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر لیا جائے تو پھر بغیر رنگے بھی ان کی کھال پاک ہو جاتی ہے۔ (ج۱ص۳۲)

۷۸۔ (ب) حرام جانوروں کو ذبح کرنے سے سوائے خنزیر کے باقی سب کا گوشت اور چربی بھی پاک ہو جاتی ہے۔ (ج۱ص۳۰)

۷۹۔ مردار جانور اور خنزیر کے بال، ہڈیاں، پٹھے، کھر اور سینگ پاک ہیں۔

۸۰۔ کتا اور اس کا لعاب محققین اہل حدیث کے نزدیک پاک ہے۔

۸۱۔ کتے کو بیچا جا سکتا ہے۔ کرائے پر دیا جا سکتا ہے۔ کسی کا کتا مار ڈالا تو تاوان دینا پڑے گا۔

۸۲۔ (الف) کتے کی کھال کا ڈول بنانا جائز ہے۔

۸۲۔ (ب) کتے کی کھال کا جائے نماز بنانا جائز ہے۔

۸۳۔ کتا کنویں میں یا حوض یا پانی میں گر گیا۔ اگر چہ اسکا منہ پانی تک پہنچا تو بھی پانی پاک ہے۔

۸۴۔ بھیگے کتے کی چھینٹیں بدن یا کپڑوں پر پڑیں تو بدن اور کپڑا پاک ہے۔

۸۵۔ کتے نے کاٹا اگر چہ جسم یا بدن کو اس کا لعاب بھی لگ گیا تو بھی جسم اور کپڑا پاک ہے۔

۸۶۔ کتے اور خنزیر کا جھوٹا پانی، دودھ وغیرہ بھی پاک ہے۔

۸۷۔ کتے کو اٹھا کر نماز پڑھے تو نماز جائز ہے۔

۸۸۔ شراب کی میل آٹے میں گوندھ کر روٹی پکائی وہ پاک بھی ہے اور حلال بھی۔ (۷۹ سے ۸۸۔ ج۱ص۳۰)

۸۹۔ حرام دوا کا استعمال حالت اضطرار میں جائز ہے۔ (ج۱ص۳۱)

۹۰۔ گدھا اور خنزیر نمک کی کان میں گر کر نمک بن گیا تو وہ پاک ہے اور کھانا حلال ہے۔ (ج۱ص۵۰)

۹۱۔ کتے کا پیشاب اور پاخانہ بھی پاک ہے۔ (ج۱ص۵۰)

۹۲۔ ناپاک زمین خشک ہو جائے تو اس پر تیمم جائز ہے۔ (ج۱ص۳۱)

۹۳۔ ایک شخص کو نجاست لگی ہے، پانی تھوڑا ہے وہ نجاست دھوئے تو وضو کے لیے پانی نہیں بچے گا اور اگر وضو کرے تو نجاست نہیں دھلے گی تو وہ نجاست نہ دھوئے بلکہ وضو کرلے اور نجاست سے نماز پڑھے۔ (ج۱ص۳۲)

۹۴۔ حائضہ اور جنابت والے کو بسم اللہ اور قرآنی دعائیں، ان کا اٹھانا، چھونا سب جائز ہے۔ (ج۱ص۴۲)

۹۵۔ ٹوپی، برقع اور دستانوں پر مسح جائز نہیں۔ (ج۱ص۴۱)

۹۶۔ منی پاک ہے، خشک ہو یا تر، پتلی ہو یا گاڑھی۔ (ج۱ص۴۹)

۹۷۔ ہر حلال اور حرام جانور کا پیشاب پاک ہے۔ (ج۱ص۴۹)

۹۸۔ گندم، چنوں میں اتنا انسان کا پیشاب ڈالا کہ گندم اور چنے پھول گئے ان کو پانی میں ڈال کر نکال کر خشک کرلو تو پاک ہو گئے۔ (ج۱ص۵۰)

۹۹۔ شراب جب سرکہ بن گئی تو اس کا کھانا حلال ہے۔ (ج۱ص۵۰)

۱۰۰۔ اگر بغیر عذر کے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تو جائز مع الکراہت ہے۔ (ج۱ص۵۳)

۱۰۱۔ گندگی پر سو گیا۔ گندگی کپڑے یا جسم پر ظاہر نہیں ہوئی تو جسم اور کپڑا پاک ہے۔ (ج۱ص۵۴)

۱۰۲۔ چوہا شراب میں گرا، پھر وہ شراب سرکہ بن گئی تو پاک ہے۔ (ج۱ص۵۴)

۱۰۳۔ اہل ذمہ کافروں اور فاسقوں کے کپڑے پاک ہوتے ہیں۔ (ج۱ص۵۴)

۱۰۴۔ استنجاء کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنا مکروہ نہیں۔(ج۱ص۵۳)

۱۰۵۔ جانور کے گوبر مینگنی یا جگالی میں جو ہے تو دھو کر کھالو۔ (ج۱ص۵۴)

۱۰۶۔ بچے نے گندگی کھالی پھر پانی وغیرہ پی لیا تو باقی پانی وغیرہ ناپاک نہیں۔ (ج۱ص۵۵)

۱۰۷۔ کھانا حاضر ہو تو کھانا کھانے سے پہلے جو نماز پڑھی وہ نماز نہیں ہوئی۔ (ج۱ص۵۷)

۱۰۸۔ آج کل اذان پر اجرت لینا جائز ہے۔ (ج۱ص۶۲)

۱۰۹۔ نجاست لگے ہوئے کپڑے میں نماز پڑھی تو نماز صحیح ہے۔ (شوکانی، صدیق حسن)(ج۱ص۶۴)

۱۱۰۔ جسم پر نجاست لگی تھی۔ اسی طرح نماز پڑھ لی تو نماز صحیح ہے۔ (شوکانی، صدیق حسن)(ج۱ص۶۴)

۱۱۱۔ پلید مرد عورت (جنبی) کو اٹھا کر نماز پڑھی تو نماز صحیح ہے۔(ج۱ص۶۴)

۱۱۲۔ شوکانی، نواب صدیق حسن فرماتے ہیں: کپڑا ہوتے ہوئے ننگے نماز پڑھی تو بھی نماز صحیح ہے۔ (ج۱ص۶۵)

۱۱۳۔ عورت کی آواز کا پردہ نہیں۔ (ج۱ص۶۵)

۱۱۴۔ شرم گاہ کی رطوبت پاک ہے۔ (ج۱ص۴۹)

۱۱۵۔ جوتے پہن کر نماز پڑھنا سنت ہے۔ (ج۱ص۶۸)

۱۱۶۔ زبان سے نیت کرنا بدعت ہے۔ (ج۱ص۶۹)

۱۱۷۔ نماز کے تمام اذکار میں صرف تکبیر، فاتحہ، آخری تشہد اور سلام ہی ضروری ہے۔ (ج۱ص۸۴)

۱۱۸۔ عورت اپنے ہاتھ پستانوں تک اٹھائے اور سجدوں میں سمٹ کر اور مل کر سجدہ کرے۔ (ج۱ص۸۴)

۱۱۹۔ اذان اور خطبہ، عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں جائز ہے۔(ج ۱ ص ۸۲)

۱۲۰۔ اس طرح نماز میں قرآن پڑھنا جائز ہے۔ ال ح م د ل ل ہ رب ال ع ال م ی ن۔ (ج ۱ ص ۸۶)

۱۲۱۔ زمین پر کھڑا ہو کر سجدہ میز پر کرے تو درست ہے۔ (ج ۱ ص ۸۹)

۱۲۲۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب مسلمان ہیں ان کے پیچھے نماز جائز ہے۔ (ج ۱ ص ۹۸)

۱۲۳۔ نماز باجماعت میں مرد عورت ساتھ ساتھ ایک صف میں مل کر پڑھیں تو نماز فاسد نہیں۔ (ج ۱ ص ۱۰۰)

۱۲۴۔ امام نے نماز پڑھانے کے بعد کہا میں بے وضو تھا تو مقتدی نماز نہ دہرائیں ان کی نماز صحیح ہے۔ (ج ۱ ص ۱۰۱)

۱۲۵۔ امام نے نماز کے بعد کہا، میں کافر ہوں۔ مقتدیوں کی نماز صحیح ہے۔ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ (ج ۱ ص ۱۰۲)

۱۲۶۔ امام نے بعد نماز کہا، میں ناپاک ہوں، مقتدیوں کی نماز صحیح ہے۔(ج ۱ ص ۱۰۲)

۱۲۷۔ نماز پڑھتے ہوئے اشارہ سے پانی مانگا یا پانی خرید لیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ (ج ۱ ص ۱۰۷)

۱۲۸۔ نماز پڑھتے ہوئے ایک ہاتھ سے اگالدان اٹھا کر تھوک لیا تو نماز فاسد نہیں ہوئی۔ (ج ۱ ص ۱۰۷)

۱۲۹۔ عورت نماز پڑھ رہی تھی مرد نے شہوت سے اس کا بوسہ لیا اور چھوا تو نماز نہیں ٹوٹی۔ (ج ۱ ص ۱۱۰)

۱۳۰۔ مرد نماز میں تھا عورت نے اس کا بوسہ لے لیا تو نماز نہیں ٹوٹی۔(ج ۱ ص ۱۱۱)

۱۳۱۔ نماز میں چوپائے کو بھگا دیا یا چند قدم کھینچ لیا۔ اگر سینہ قبلہ سے نہ پھرا تو نماز نہیں ٹوٹی۔ (ج ۱ ص ۱۱۲)

۱۳۲۔ نمازی نے نماز پڑھتے ہوئے پتھر اٹھا کر پرندے یا آدمی کو دے مارا تو

نماز نہیں ٹوٹی۔ (ج۱ص۱۱۲)

۱۳۳۔ نمازی لکھے ہوئے کو دیکھ کر سمجھتا رہا تو نماز نہیں ٹوٹی۔ (ج۱ص۱۱۳)

۱۳۴۔ نماز میں لڑائی کے لیے لشکر کی تیاری کا منصوبہ بناتا رہا تو نماز نہیں ٹوٹی۔ (ج۱ص۱۱۳)

۱۳۵۔ نماز میں دینی مدرسہ کا نصاب وغیرہ سوچتا رہا تو نماز نہیں ٹوٹی۔ (ج۱ص۱۱۳)

۱۳۶۔ اگر نماز پڑھتے ہوئے سر سے ٹوپی گر جائے تو نماز میں ہی اٹھا کر سر پر رکھ لینا افضل ہے۔ (ج۱ص۱۱۴)

۱۳۷۔ اگر نماز میں کلائی سے گھڑی آنکھوں سے عینک گر جائے تو نماز میں ہی اٹھالینا جائز ہے۔ (ج۱ص۱۱۴)

۱۳۸۔ نماز میں جوئیں مارنا یا مکھیاں مارنا ناپسند ہے مگر نماز ہو جاتی ہے۔ (ج۱ص۱۱۶)

۱۳۹۔ نماز پڑھتے ہنڈیا ابل جائے تو نماز توڑ ڈالے۔ (ج۱ص۱۱۷)

۱۴۰۔ حقہ سگریٹ پینے والے کو مسجد سے نکال دینا مستحب ہے۔ (ج۱ص۱۱۷)

۱۴۱۔ مسجد کو کسی فرقے کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں جیسے مسجد احناف (مسجد اہل حدیث) (ج۱ص۱۱۹)

۱۴۲۔ مسجد کی دیواروں پر کچھ نہ لکھنا چاہیے۔ (ج۱ص۱۲۱)

۱۴۳۔ مسجد میں ریاکاری کا خوف نہ ہو تو ذکر جہر مکروہ نہیں۔ (ج۱ص۱۲۱)

۱۴۴۔ دو التحیات سے تین وتر پڑھنا منع ہیں۔ (ج۱ص۱۲۳)

۱۴۵۔ جو شخص موکدہ سنتیں ادا نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (ج۱ص۱۲۵)

۱۴۶۔ نماز تراویح کی رکعات کا کوئی خاص عدد معین نہیں۔ (ج۱ص۱۲۶)

۱۴۷۔ اگر ایک ہزار رکعت ایک سلام سے پڑھے تو جائز ہے۔ (ج۱ص۱۳۱)

۱۴۸۔ نماز فرض رہ جائے تو اس کو قضا پڑھنا جائز نہیں۔ (ج۱ص۱۳۱)

۱۴۹۔ ایک شخص نماز پڑھ کر مرتد ہو گیا پھر اسی وقت کے اندر مسلمان ہو گیا تو دوبارہ نماز نہ پڑھے۔ (ج ۱ ص ۱۳۶)

۱۵۰۔ بوقت نکاح باجے بجانے واجب ہیں۔ (ج ۲ ص ۳)

۱۵۱۔ کسی شخص نے ایک عورت سے زنا کیا۔ اس عورت کی ماں اور بیٹی اس مرد پر حلال ہیں۔ (ج ۱ ص ۲۱)

۱۵۲۔ بیٹے نے عورت سے زنا کیا، باپ کے لیے وہ عورت حلال ہے۔ (ج ۲ ص ۲۱)

۱۵۳۔ سات سال کے لڑکے نے کسی عورت سے صحبت کی تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔ (ج ۲ ص ۲۱)

۱۵۴۔ سات سال کی لڑکی نے جوان مرد سے صحبت کرائی تو بھی حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔ (ج ۲ ص ۲۱)

۱۵۵۔ کسی عورت کی شرم گاہ کو شہوت سے دیکھا، چھوا بلکہ شرمگاہیں ملائیں تو بھی حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔ (ج ۲ ص ۲۱)

۱۵۶۔ ساس کا بوسہ لیا، اس کو کاٹا، گلے لگایا۔ بلکہ اس سے صحبت بھی کی تو نکاح قائم رہا۔ (ج ۲ ص ۲۱)

۱۵۷۔ فقہاء حجاز کے ہاں متعہ کرنا جائز ہے۔ (ج ۲ ص ۳۵)

۱۵۸۔ فقہاء اہل مدینہ کے نزدیک عورتوں کا غیر فطری مقام استعمال کرنا جائز ہے۔ (ج ۲ ص ۳۵)

۱۵۹۔ نکاح میں خمر یا خنزیر کا مہر مقرر کیا تو نکاح صحیح ہے۔ (ج ۲ ص ۴۸)

۱۶۰۔ بیوی سے آلہ تناسل کے علاوہ کسی اور عضو سے جماع کیا یا پتھر، لوہے، لکڑی کا ذکر بنا کر جماع کیا اور اس طرح وہ مر گئی تو مہر پورا دینا ہوگا۔ (ج ۲ ص ۵۷)

۱۶۱۔ غیر عورت سے پتھر، لکڑی، لوہے کے آلہ تناسل سے جماع کیا وہ مر گئی تو کوئی مہر نہیں۔ (ج۲ص۵۷)

۱۶۲۔ بعض صحابہ فاسق تھے مثلاً ولید، معاویہ، عمرو، مغیرہ، سمرہ۔ (العیاذ باللہ) (ج۱ص۹۴)

۱۶۳۔ پیشاب کی چھینٹیں جو نظر نہ آئیں ناپاک نہیں۔ (ج۱ص۶۴)

۱۶۴۔ موزہ اور جوتا مٹی پر رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے نجاست تر ہو یا خشک، جسم والی ہو یا بغیر جسم۔ (ج۱ص۶۴)

۱۶۵۔ گوبر اور پاخانے کی راکھ پاک ہے۔ (ج۱ص۵۰)

۱۶۶۔ کپڑے کی کوئی ایک جانب ناپاک ہوگئی مگر یاد نہیں رہی کون سی تھی تو تحری سے ایک طرف دھولے۔ (ج۱ص۵۰)

۱۶۷۔ حائضہ عورت اور جنبی کو خانہ کعبہ کا غلاف پہننا جائز ہے۔ (ج۱ص۲۸۵)

۱۶۸۔ جنبی کو قرآن لکھنا مکروہ نہیں بشرطیکہ مکتوب نہ چھوا جائے۔ (ج۱ص۲۷)

۱۶۹۔ شراب پینے والے کا جھوٹا ہر حال میں پاک ہے چاہے شراب پیتے ہی فوراً جھوٹا کرے۔ (ج۱ص۳۱)

۱۷۰۔ اگر کیچڑ میں پانی غالب ہو تو اس سے تیمم جائز نہیں۔ (ج۱ص۳۴)

۱۷۱۔ اگر تیمم کی نیت سے زمین پر لوٹا جائے تو نماز ہو جائے گی کیونکہ حضورؐ نے عمارؓ پر انکار نہ فرمایا۔ (ج۱ص۳۳)

۱۷۲۔ اگر کسی نے ضاد کو ظا پڑھا تو نماز درست ہے کیونکہ دونوں صفات میں متشابہ ہیں۔ (ج۱ص۱۱۲)

۱۷۳۔ نماز جنازہ میں تیسرا رکن سورۃ الفاتحہ ہے۔ (ج۱ص۱۷۳)

۱۷۴۔ نماز میں سلام وغیرہ کے لیے اشارہ جائز ہے۔ (ج۱ص۱۱۳)

۱۷۵۔ اگر کسی کے درد کی وجہ سے نماز میں آہ یا اف کہا تو نماز مکروہ ہے (مفسد

نہیں) (ج ۱ ص ۱۰۸)

۱۷۶۔ اگر نمازی کی زبان سے ہاں یا البتہ یا نہیں نکل گیا تو نماز نہیں ٹوٹتی۔

(ج ۱ ص ۱۰۹)

۱۷۷۔ نماز میں صرف چہرہ (قبلہ) سے پھیر لیا تو نماز بالاتفاق فاسد نہ ہوگی۔

(ج ۱ ص ۱۱۱)

۱۷۸۔ بے وضو ہو جانے کے خیال میں قبلہ سے پھر کر چل دیا۔ مسجد سے نکلنے سے پہلے یاد آ گیا کہ میں بے وضو نہیں ہوا، تو واپس آ جائے نماز نہیں ٹوٹی۔

(ج ۱ ص ۱۱۱)

۱۷۹۔ قبلہ کی طرف منہ کر کے آگے یا پیچھے کی طرف چلتا رہا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔

(ج ۱ ص ۱۱۱)

۱۸۰۔ کسی نے نمازی سے پوچھا کتنی رکعتیں ہوئیں اس نے ہاتھ کے اشارہ سے بتا دیا تو نماز نہیں ٹوٹی۔ (ج ۱ ص ۱۱۵)

۱۸۱۔ جو شخص مر گیا اس کے ذمہ نمازیں رہ گئیں اس نے وصیت کی تو ہر نماز کے بدلے مثل صدقہ فطر کفارہ دے۔ (ج ۱ ص ۱۳۶)

۱۸۲۔ ایک شخص نے چار رکعت نماز ایک ایک رکعت چاروں طرف تحری سے پڑھی نماز ہوگئی۔ (ج ۱ ص ۷۰)

۱۸۳۔ فجر کی نماز میں کبھی کبھی قنوت پڑھ لیا کرے اکثر چھوڑ دیا کرے۔

(ج ۱ ص ۱۲۳)

۱۸۴۔ کسی خطیب نے بغیر وضو کے خطبہ پڑھ دیا تو جائز ہے مع الکراہت۔

(ج ۱ ص ۱۵۶)

۱۸۵۔ جو خطیب سے دور ہو اس پر خاموش رہنا واجب نہیں درود و ذکر کرنا مباح ہے۔

(ج ۱ ص ۱۵۶)

۱۸۶۔ ذمی سے شراب اور مردار کی کھال کی قیمت کا بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔ (ج۱ص۲۰۶)

۱۸۷۔ اگر عورت کی طرف دیکھا اور تفکر کیا جس سے منی خارج ہوگئی تو روزہ نہیں ٹوٹا۔ (ج۱ص۲۲۸)

۱۸۸۔ دبر میں لکڑی یا لوہا داخل کیا تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (ج۱ص۲۲۸)

۱۸۹۔ اگر مرد نے اپنی انگلی دبر میں داخل کر دی تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (ج۱ص۲۲۹)

۱۹۰۔ اگر عورت نے اپنی انگلی اپنی شرم گاہ میں داخل کر دی تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (ج۱ص۲۲۹)

۱۹۱۔ اگر عورت سے فرج کے علاوہ جماع کیا، انزال نہیں ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (ج۱ص۲۲۹)

۱۹۲۔ اگر عورت مرد نے قصداً جماع کیا تو مرد پر کفارہ قضا دونوں لازم ہیں عورت پر صرف قضا لازم ہے۔ (ج۱ص۲۳۱)

۱۹۳۔ اگر عورت سے زبردستی صحبت کی تو اس پر قضا بھی لازم نہیں۔ (گویا اس کا روزہ ٹوٹا ہی نہیں) (ج۱ص۲۳۱)

۱۹۴۔ دو عورتیں آپس میں چپٹی لڑائیں انزال نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (ج۱ص۲۲۸)

۱۹۵۔ مرد نے عورت کی دبر زنی کی انزال بھی ہوگیا تو مرد پر قضا لازم ہے کفارہ لازم نہیں۔ (ج۱ص۲۳۱)

۱۹۶۔ پہلے بھولے سے جماع کر لیا روزہ یاد نہ تھا پھر قصداً جماع کر لیا کہ اب روزہ نہیں تو کوئی کفارہ نہیں۔ (ج۱ص۲۳۰)

۱۹۷۔ حالت اعتکاف میں بغیر شہوت کے مباشرت کی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (ج۱ص۲۳۸)

۱۹۸۔ حرم مدینہ میں کسی نے درخت کاٹا یا شکار کیا تو اس کے جسم پر جو کچھ ہے وہ چھین لیا جائے گا اور وہ چھیننے والے کے لیے حلال ہے نہ جزا ہے نہ قیمت۔ (ج ۱ ص ۲۴۹)

۱۹۹۔ عورت کو سوگ میں سیاہ کپڑا پہننا جائز ہے۔ (ج ۲ ص ۱۸۵)

۲۰۰۔ جس نے جانور سے جماع کیا اس پر تعزیر ہے۔ (ج ۲ ص ۲۹۸)

حضرات آپ کے دیکھنے کے لیے یہ وحید الزمان صاحب غیر مقلد نے نبی کی فقہ مرتب فرمائی ہے۔ وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں اس کتاب کا مطالعہ کرنا نفل سے زیادہ ثواب ہے۔ (کنز الحقائق) غیر مقلدین سے درخواست ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد ایک دفعہ ان دو سو مسائل کی تلاوت کر لیا کریں اور یہ بھی بتائیں کہ کیا سکھوں نے اپنے گرو یا مرزائیوں نے اپنے نبی کی طرف بھی کبھی ایسی خرافات منسوب کیں یا یہ صرف لامذہبوں کا ہی حصہ ہے۔ حضرات غیر مقلدین اگر یقین رکھتے ہیں کہ ہمارے علماء قرآن وحدیث کے موافق مسائل بیان کرتے ہیں تو ان مسائل کے موافق ایک ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کر دیں اگر وہ ان مسائل کو حدیث کے خلاف سمجھتے ہیں تو یہ اعتراف کر لیں کہ اہل حدیث کہلانے والے علماء حدیث کے خلاف مسائل لکھتے ہیں پھر ہر مسئلہ کے خلاف ایک ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث لکھ کر ان مسائل کی تردید کر دیں اب تک تو یہ مسائل ان کو مسلم ہیں کیونکہ ابھی تک کسی غیر مقلد نے یہ کام نہیں کیا۔ اگر کوئی صاحب اس پمفلٹ کا جواب لکھنا چاہیں تو ضرور لکھیں مگر قرآن وحدیث سے جواب دیں جواب میں اپنا قیاس پیش نہ کریں کہ کار شیطان ہے نہ کسی امتی کا قول پیش کریں کہ شرک تقلیدی ہے نہ مخالفین کو گالیاں دیں کہ یہ شرمناک شکست ہے۔

غیر مقلدین سے

دو سو ایک

سوالات

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

آج کل ہر باطل فرقہ کی طرف سے اہل حق پر سوالات کی بھر مار رہتی ہے لیکن ان کے اکثر سوالات باطل ہوتے ہیں اسلئے صحیح اور غلط سوالات کی پہچان ضروری ہے اصول مناظرہ میں یہ وضاحت ہے کہ مناظرہ میں دو فریق ہوتے ہیں مدعی اور سائل۔ مدعی اس کو کہتے ہیں جو کسی حکم شرعی کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور سائل اس کو کہتے ہیں جو مدعی کے دعویٰ کا انکار کر رہا ہو اور مسائل کی صرف تین ہی قسمیں ہیں مانع، ناقض اور معارض، الغرض سائل کے سوالات مدعی کے دعویٰ سے ہوتا ہے جب مدعی کا دعویٰ سامنے نہ آئے سوالات ممکن ہی نہیں۔

مثال: انبیاء علیہم السلام دعویٰ نبوت کرتے تھے اب منکرین کو سوال کرنے کا حق تھا۔ مگر ان سوالات کا جو دعویٰ نبوت سے متعلق ہوں۔ لیکن کفار آپ ﷺ سے ایسے سوالات کرتے تھے جو دعویٰ نبوت کی بجائے دعویٰ الوہیت سے متعلق تھے کہ ہم پر آسمان گرادو ہمارے سامنے آسمان پر جا کر کتاب لاؤ وغیرہ۔ یہ سوالات غلط تھے کیونکہ آپ ﷺ کے دعویٰ کے مطابق نہیں تھے۔

مثال: ایک شخص کا دعویٰ ہے کہ میں صرف قرآن کو مانتا ہوں سنت کو نہیں مانتا تو ہم اس سے سوال اس طرح کریں گے کہ قرآن پاک سے گدھے کا حلال یا حرام ہونا دکھلاؤ۔ صرف قرآن پاک سے مکمل نماز کا طریقہ دکھاؤ۔ تو ہمارے یہ سوالات درست ہیں کیونکہ یہ اس کے دعویٰ کے مطابق ہیں لیکن اگر کوئی شخص یہ دعوی کرے کہ میں قرآن اور حدیث کو مانتا ہوں تو اس سے یہ سوال کرنا کہ مکمل نماز صرف قرآن سے دکھاؤ یہ سوال غلط ہے کیونکہ اس کے دعویٰ کے خلاف ہے ہاں اس سے صحیح سوال یوں ہوگا کہ اپنی نماز کا ہر ہر مسئلہ جو ہم پوچھیں اور وہ بات تمہارے عمل میں ہو اس کا جواب صرف قرآن یا حدیث سے دو۔ اگر آپ نے کسی ایک جزئی مسئلے میں اجماع یا قیاس

شرعی کا سہارا لیا اور امتی کے قول سے استدلال کیا تو آپ کا دعویٰ جھوٹا ہو جائے گا۔
اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے اکثر بلکہ تمام سوالات غلط ہوتے ہیں کیونکہ وہ فقہی مسائل میں یوں سوال کرتے ہیں کہ اس کا جواب قرآن یا حدیث سے دو حالانکہ جس نے اصول فقہ کی پہلی کتاب اصول الشاشی بھی پڑھی ہو وہ جانتا ہے کہ اصول فقہ چار ہیں۔(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجماع امت (۴) قیاس شرعی۔
اس لیے فقہی مسائل میں یہ سوال کرنا کہ صرف قرآن یا حدیث سے دکھاؤ ایسا ہی غلط ہے جیسے غیر مقلدین کا یہ سوال کرنا کہ تمام مسائل صرف قرآن یا حدیث سے دکھاؤ۔
اسلئے لامذہب غیر مقلدین کا فرض ہے کہ سوال ہمارے دعویٰ کے موافق اس طرح کیا کریں کہ اس فقہی مسئلہ کا ثبوت قرآن پاک یا سنت نبویہ یا اجماع امت یا قیاس شرعی سے دیں ورنہ ان کا سوال ہی غلط ہوگا۔ پہلے سوال کا حق کس کا ہے؟ اگر ایک شخص یہ کہتا ہے کہ صرف قرآن کافی ہے تو سوال کا حق سنت کے ماننے والے کو ہے اور یہ حق خود آنحضرت ﷺ نے دیا ہے اس لیے آپ نماز کے بارے میں بالترتیب سوالات کرتے جائیں اور وہ صرف قرآن پاک سے ان کا جواب دے اگر مکمل نماز کے سوالات کا جواب اس نے قرآن سے دے دیا تو وہ سچا ہو گیا، نہ دے سکا تو اس کا دعویٰ جھوٹا ہو گیا اسی طرح ایک شخص دعویٰ کرے کہ نماز اور دین کے تمام جزئی مسائل صراحۃً قرآن اور حدیث صحیح صریح غیر معارض سے ثابت ہیں ہم اس دعویٰ کے منکر ہیں کیونکہ بہت سے مسائل ہمارے نزدیک صراحۃً قرآن و حدیث سے ثابت نہیں بلکہ اجماع یا قیاس شرعی سے ثابت ہیں تو سوال کرنے کا حق ہمارا ہوگا ہم نماز کا اور دین کا ایک ایک مسئلہ ان سے پوچھتے جائیں کہ وہ ہر مسئلہ کا ثبوت صرف قرآن پاک یا حدیث صحیح صریح غیر معارض سے دیتے جائیں اگر ان سب سوالات کا جواب وہ اپنے دعویٰ کے موافق دے گا تو ان کا دعویٰ سچا ہوگا ورنہ جھوٹا۔
اس لیے ہم نے نماز کے بارہ میں زیادہ تر وہ سوالات لکھے ہیں جو اکثر

روزانہ ہر نمازی کو پیش آتے ہیں اہل سنت والجماعت سے درخواست ہے کہ اگر ان کا کسی منکر حدیث سے پالا پڑے تو یہی سوالات اس طرح کریں کہ ان کا جواب صرف قرآن سے دو۔ انشاء اللہ العزیز اس کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوگا اور وہ ہرگز ان سوالات کے جواب قرآن سے نہ دے سکے گا اور اگر آپ کا واسطہ کسی لامذہب غیر مقلد سے پڑے تو اس سے ترتیب وار یہ سوالات اس طرح پوچھیں کہ ہر سوال کا جواب صرف قرآن کی آیت یا حدیث صحیح صریح غیر معارض سے دے انشاء اللہ العزیز آپ مشاہدہ کرلیں گے کہ وہ لامذہب لاجواب اور جھوٹا ثابت ہوگا اور اس کی ساری شیخی کرکری ہو جائیگی اور اس کا دعویٰ عمل بالحدیث ایسا ہی باطل ہوگا جیسے منکر حدیث کا دعویٰ عمل بالقرآن باطل ہے۔ اس کے بعد ان کو حق ہوگا کہ ہم سے مکمل نماز کے بارہ میں سوالات کریں کہ فلاں فلاں مسئلہ قرآن یا سنت یا اجماع امت یا قیاس شرعی سے ثابت کریں ہم انشاء اللہ العزیز ان کی خدمت کے لیے حاضر ہیں زیادہ تر سوالات نماز کے بارے میں ہیں باقی دوسرے موضوعات سے متعلق ہیں۔

محمد امین صفدر

س ۱ کیا قرآن پاک میں نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ بالترتیب وبالتفصیل موجود ہے؟

نوٹ: بالتفصیل سے مراد شرائط، ارکان، واجبات، سنن مؤکدہ، مستحبات، مباحات، مکروہات اور مفسدات ہیں۔ ان میں ہر ایک کی تعداد، ہر ایک کی تعریف ہر ایک کے عمداً اور سہواً چھوٹ جانے کا حکم صراحۃً موجود ہونا۔

(۲/۱) کیا صحیح بخاری شریف میں نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ بالتفصیل و بالترتیب موجود ہے؟

(۲/۲) کیا صحیح مسلم شریف میں نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ بالتفصیل و بالترتیب موجود ہے؟

(۲/۳) کیا سنن نسائی میں نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ بالتفصیل وبالترتیب موجود ہے؟

(۲/۴) کیا جامع ترمذی میں نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ بالتفصیل وبالترتیب موجود ہے؟

(۲/۵) کیا سنن ابی داؤد میں نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ بالتفصیل وبالترتیب موجود ہے؟

(۲/۶) کیا سنن ابن ماجہ میں نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ بالتفصیل وبالترتیب موجود ہے؟

نوٹ: جب صحاح ستہ میں سے کسی ایک کتاب میں بھی نماز کے مکمل مسائل بالتفصیل وبالترتیب موجود نہیں ہیں تو یہ چھ محدثین نماز کس طرح پڑھا کرتے تھے؟

س ۳: کیا کسی مسلمہ محدث نے کوئی نماز کی ایسی جامع کتاب مرتب فرمائی ہے جس میں نماز کا طریقہ مکمل بالتفصیل وبالترتیب ہو اس میں ہر ہر مسئلہ صحیح صریح غیر معارض احادیث سے پیش فرمایا ہو۔ اور اس کتاب کی صحت پر کوئی آیت یا حدیث صریح دلیل ہو؟

س ۴: کیا آنحضرت ﷺ نے اپنی زیر نگرانی کوئی ایسی کتاب مرتب کروائی جس میں نماز کا مکمل طریقہ بالتفصیل وبالترتیب درج ہو اور وہ کتاب آج تک امت میں متداول ہو؟

س۵: کیا خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ راشد نے اپنی زیر نگرانی کوئی نماز کی ایسی جامع کتاب مرتب کروائی جس کو آج تک امت میں تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو؟

س۶: اس امت میں سب سے پہلے کس نے نماز کو بالتفصیل و بالترتیب مرتب کروایا جن کی مرتب نماز آج تک امت میں متداول ہے؟

نوٹ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کو فرائض کا حساب ہوگا؟ اور ان میں اگر کمی ہوئی تو نوافل سے پوری کی جائے گی حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں فرائض اور سنتوں کا بیان فرمایا ہے؟

نماز پڑھنے سے پہلے جو باتیں ضروری ہیں ان کو ائمہ مجتہدین شرائط نماز کہتے ہیں ائمہ اربعہ کی فقہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ امت کا اجماع ہے کہ نماز کی کچھ شرائط ہیں۔

س۷: آپ بتائیں کہ نماز کی شرائط قرآن وحدیث میں کتنی مذکور ہیں اور کیا کیا ہیں؟

س۸: آپ یہ بیان فرمادیں کہ نماز کے ارکان کون کون سے ہیں۔ رکن کی تعریف کیا ہے؟

س۹: آپ یہ بیان فرمائیں کہ نماز میں واجبات کتنے ہیں۔ نیز واجب کی تعریف بھی بیان فرمائیں؟

س۱۰: آپ یہ بیان فرمائیں کہ نماز میں کتنی چیزیں سنت مؤکدہ ہیں اور سنت مؤکدہ کی تعریف بھی بیان فرمائیں؟

س (۱/۱۱) آپ کے نزدیک نماز میں کتنے کام مستحب ہیں اور مستحب کی تعریف بھی بیان ہو۔

(۲/۱۱) آپ کے نزدیک نماز میں کتنے کام مباح ہیں اور مباح کی تعریف بھی بیان فرمائیں؟

(۱/۱۲) آپ کے نزدیک کتنی چیزوں سے نماز مکروہ ہوتی ہے اور مکروہ کی تعریف بھی بیان کریں؟

(۲/۱۲) آپ کے ہاں نماز میں کتنی باتیں نماز کو فاسد کرتی ہیں۔ باطل اور فاسد کی تعریف بھی بیان فرمائیں؟

(۱/۱۳) آپ کے ہاں فجر کی نماز کی کتنی رکعات ہیں سنت اور فرض کا لفظ صراحۃً حدیث میں ہو؟

(۲/۱۳) آپ کے ہاں نماز ظہر کی کتنی رکعات ہیں، سنت، فرض یا نفل کا لفظ صراحۃً حدیث میں ہو؟

(۳/۱۳) آپ کے ہاں نماز عصر کی کتنی رکعات ہیں سنت فرض کی صراحت حدیث میں ہو؟

(۴/۱۳) آپ کے ہاں نماز مغرب کی کتنی رکعات ہیں۔ فرض سنت کی تفصیل صراحۃً حدیث میں ہو؟

(۵/۱۳) آپ کے ہاں نماز عشاء کی کتنی رکعات ہیں فرض، سنت، نفل کی تفصیل صراحۃً حدیث میں ہو؟

س ۱۴: آپ کے ہاں جو مجتہدین، محدثین اور دیگر مسلمان نماز کی شرائط ارکان، واجبات سنن، مکروہات، مفسدات کے قائل ہیں وہ مسلمان ہیں یا کافر؟

س ۱۵: تکبیر تحریمہ فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب؟ حکم صراحۃً آیت یا حدیث میں مذکور ہو۔

س ۱۶: آپ کے ہاں تکبیر تحریمہ امام کے لیے بلند آواز سے کہنا سنت ہے اور مقتدی کے لیے آہستہ آواز سے۔ یہ حدیث میں دکھائیں۔

س ۱۷: اکیلے نمازی کے لیے تکبیر تحریمہ بلند آواز سے سنت ہے یا آہستہ آواز سے۔

س ۱۸: تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین فرض ہے یا سنت موکدہ۔

س ۱۹: تکبیر تحریمہ کے ساتھ اگر رفع یدین نہ کرے تو نماز باطل ہوگی یا مکروہ۔

س ۲۰: تکبیر تحریمہ کے بعد سینہ پر ہاتھ باندھنا فرض ہے یا سنت موکدہ۔

س ۲۱: جو لوگ ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں ان کی نماز باطل ہے یا مکروہ۔

س ۲۲: ہاتھ باندھنے کے بعد ثناء پڑھنا آپ کے ہاں فرض ہے یا واجب یا سنت؟ صریح حدیث لائیں۔

س ۲۳: (امام کے لیے) ثناء بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے یا آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے۔

س ۲۴: کیا کسی حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کسی مقتدی نے دعائے استفتاح بلند آواز سے پڑھی تو آپ نے اسے خوش خبری سنائی کہ بارہ فرشتے تیری دعا کو لے جا رہے تھے آخر غیر مقلد مقتدی اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے اور ثناء بلند آواز سے کیوں نہیں پڑھتے۔

س ۲۵: کیا کسی صحیح صریح غیر معارض حدیث میں مقتدیوں کو یہ حکم موجود ہے کہ وہ ثناء آہستہ پڑھیں۔

س ۲۶: کیا کسی حدیث میں آتا ہے کہ صحابی نے آنحضرت ﷺ کو ثناء پڑھتے سنا جس سے امام کا یا منفرد کا بلند آواز سے ثناء پڑھنا ثابت ہو۔

س ۲۷: آنحضرت ﷺ سے ثناء کے بارہ صیغے ثابت ہیں یہ سب دعائیں یاد کرنی ضروری یا ایک آدھ یاد کر لینا کافی ہے آنحضرت ﷺ نے اس بارہ میں کیا فرمایا ہے۔

س ۲۸: ان دعاؤں میں سے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ کے پڑھنے کا تو آپ نے حکم دیا کیا کسی اور دعا کا بھی حکم دیا ہے۔

س ۲۹: آپؐ اور آپؐ کے خلفائے راشدین نے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ کے سوا کسی اور دعا پر مواظبت فرمائی ہو تو اس کی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش فرمائیں۔

س ۳۰: اگر کوئی شخص ثناء نہ پڑھے تو اس کی نماز باطل ہوگی یا مکروہ۔

س ۳۱: اگر کوئی شخص ثناء کی جگہ بھول کر التحیات پڑھ لے تو نماز دوبارہ پڑھے یا

سجدہ سہو کرے۔

س ۳۲: کیا کسی صحیح صریح غیر معارض حدیث میں یہ صراحت ہے کہ آنحضرت ﷺ ثناء کے متصلاً بعد اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھتے تھے۔

س ۳۳: یہ تعوذ پڑھنا فرض ہے یا واجب یا سنت حکم صریح حدیث سے دکھائیں۔

س ۳۴: یہ تعوذ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو نماز سے پہلے سکھایا یا صحابہ نے نماز میں آپ ﷺ کو پڑھتے سنا تو نماز میں تعوذ کا بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے یا آہستہ آواز سے صریح حدیث لائیں۔

س ۳۵: کیا دوسری تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے تعوذ پڑھنے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾ سے کیا ثابت ہوتا ہے۔

س ۳۶: کیا کسی حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جماعت کرائی اور تعوذ بلند آواز سے پڑھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور آپ کے مقتدیوں کی یہ نماز صحیح ہوئی یا مکروہ؟ حدیث صریح سے حکم بتائیں۔

س ۳۷: بعض غیر مقلدین کو جماعت کراتے دیکھا گیا ان کا امام تو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بلند آواز سے پڑھتا ہے اور مقتدی آہستہ آواز سے، کیا کسی صریح حدیث میں یہ فرق موجود ہے کہ امام کے لیے تسمیہ بلند آواز سے سنت ہے اور مقتدی کے لیے آہستہ آواز سے سنت ہے۔

س ۳۸: آنحضرت ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین نے جہر تسمیہ پر مواظبت فرمائی یا سر تسمیہ پر۔

س ۳۹: کیا کسی حدیث میں ہے کہ بسم اللہ بالجہر بدعت ہے اور صحابہ کو بدعت سے بہت بغض تھا کیا فعل رسول کو بدعت کہنے والے اور فعل رسول سے بغض رکھنے والے صحابہ کامل الایمان تھے۔

س ۴۰: کیا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بسم اللہ بالجہر کو جنگلیوں کا فعل قرار دیا؟

س ۴۱: کیا سورت فاتحہ قرآن اور قرأت میں شامل ہے یا نہیں۔ جو غیر مقلد سورت فاتحہ کے قرآن یا قرأت سے انکار کرے وہ مسلمان ہے یا کافر جواب صریح حدیث سے دیں۔

س ۴۲: جس طرح قرآن پاک میں ﴿ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ ٥ وَارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا... ﴾ سے قیام، رکوع، سجود کی فرضیت ثابت ہے کیا کسی آیت میں صراحۃً نماز میں سورت فاتحہ کے فرض ہونے کا ثبوت ہے۔

س ۴۳: کیا قرآن پاک میں کوئی ایسی صریح آیت موجود ہے کہ امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنا فرض ہے جو نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی اور باقی ۱۱۳ سورتیں امام کے پیچھے پڑھنا منع اور حرام ہیں۔

س ۴۴: کیا بخاری اور مسلم میں کوئی ایک ہی صریح حدیث موجود ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ اور باقی قرآن منع اور حرام ہے۔ فاتحہ نہ پڑھنے والے مقتدی کی نماز باطل اور بے کار ہے۔

س ۴۵: آیت واذا قریٔ القرآن کی تشریح حدیث واذا قراء فانصتوا سے ہوتی ہے یا نہیں، کیا کسی حدیث میں یہ ہے کہ آیت واذا قریٔ القرآن نماز کے بارہ میں نازل نہیں ہوئی۔

س ۴۶: کیا کسی محدث نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ ﴿وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْآنُ...﴾ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

س ۴۷: کیا کسی صحیح صریح حدیث میں آیا ہے کہ آیت وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْآنُ کافروں کے لیے نازل ہوئی ہے مسلمان عمل نہ کریں۔

س ۴۸: کیا کسی صحیح صریح حدیث میں آیا ہے کہ جن گیارہ رکعتوں میں امام قرأت آہستہ کرتا ہے ان میں امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنا فرض اور باقی قرآن مقتدی کو پڑھنا حرام ہے۔

س ۴۹: کیا کسی صحیح صریح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی کی

آخری نمازیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے ادا فرمائیں ان میں آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھی تھی۔

س۵۰: کیا جو شخص آنحضرت ﷺ کے پیچھے رکوع میں شریک ہوا جس نے اس رکعت میں نہ خود سورۃ فاتحہ پڑھی نہ امام کی سنی۔ کیا آنحضرت ﷺ نے اس کو وہ رکعت دہرانے کا حکم دیا۔

س۵۱: جس طرح حدیث میں ہے لَا جُمُعَةَ اِلَّا بِخُطْبَةٍ کہ خطبہ کے بغیر جمعہ نہیں ہوتا پھر بھی ہر شخص اپنا علیحدہ خطبہ نہیں پڑھتا۔ بلکہ خطیب کا خطبہ ہی سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے خواہ کسی کو خطیب کی آواز سنے یا نہ سنے خواہ آنے والا خطبہ ختم ہونے کے بعد آکر جماعت میں شریک ہوا ہو اس کی طرف سے خطبہ ادا ہو گیا۔ اسی طرح نماز باجماعت میں امام کی قرأت سب کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے۔ خواہ امام کی آواز سنے یا نہ سنے یا بعد میں آکر رکوع میں ہی شامل ہوا ہو۔

س۵۲: ایک ہی حدیث صحیح صریح غیر معارض ایسی پیش فرمائیں کہ اکیلے نمازی کے لیے آمین آہستہ آواز سے کہنا سنت موکدہ ہے۔

س۵۳: ایک ہی حدیث صحیح صریح غیر معارض ایسی پیش فرمائیں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے چھ رکعتوں میں بلند آواز سے آمین کہنا سنت موکدہ ہے گیارہ رکعتوں میں آہستہ آواز سے آمین کہنے کا حکم دیا ہو۔

س۵۴: ایک حدیث صحیح صریح غیر معارض ایسی پیش فرمائیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے مقتدیوں کو چھ رکعتوں میں بلند سے اور گیارہ رکعتوں میں آہستہ آواز سے آمین کہنا سنت ہے۔

س۵۵: ایک ہی حدیث صحیح صریح غیر معارض ایسی پیش فرمائیں کہ پورے تیئس سالہ دور نبوت میں آنحضرت ﷺ کے کسی صحابی نے صرف ایک دن آپ کے پیچھے چھ رکعتوں میں بلند آواز سے اور گیارہ رکعتوں میں آہستہ

آواز سے آمین کہی ہو۔

س۵۶: ایک ہی صحیح صریح غیر معارض ایسی حدیث پیش کریں کہ پورے تیس سالہ دور خلافت راشدہ میں کسی ایک خلیفہ راشد یا ان کے ہزاروں مقتدیوں میں سے کسی ایک مقتدی نے صرف ایک ہی دن چھ رکعتوں میں بلند آواز سے اور گیارہ رکعتوں میں آہستہ آواز سے آمین کہی ہو۔

س۵۷: ایک ہی حدیث صحیح صریح غیر معارض ایسی پیش کریں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ امام کے لیے ہمیشہ چھ رکعتوں میں بلند آواز سے اور گیارہ رکعتوں میں آہستہ آواز سے آمین کہنا سنت ہے۔

س۵۸: ایک ہی صحیح صریح غیر معارض حدیث ایسی پیش فرمائیں کہ کسی خلیفہ راشد نے امام بن کر ایک ہی دن چھ رکعتوں میں بلند آواز سے اور گیارہ رکعتوں میں آہستہ آواز سے آمین کہی ہو۔

س۵۹: ایک ہی حدیث صحیح صریح غیر معارض ایسی پیش فرمائیں کہ جو مقتدی اس وقت جماعت میں شریک ہو جب امام نصف سے زائد فاتحہ پڑھ چکا ہو اس کے لیے دو دفعہ آمین کہنا سنت موکدہ ہے ایک دفعہ اپنی فاتحہ کے درمیان بلند آواز سے اور ایک دفعہ اپنی فاتحہ کے بعد آہستہ آواز سے۔

س۶۰: ایک صریح حدیث لائیں کہ امام کے سلام کے بعد مقتدی جو رکعتیں پڑھے ان میں آمین آہستہ سنت ہے۔

س۶۱: آپ (لامذہبوں) کے مشہور مناظر مستری نور حسین گھر جاکھی (گوجرانوالہ) اپنے رسالہ آمین بالجہر ص ۱۸ پر لکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہمیشہ آمین بالجہر کہا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی یہی کہا کرتے تھے کہ آمین بلند آواز سے کہا کرو بخاری ص ۱۰۸ ج اول۔ حالانکہ یہ سفید جھوٹ ہے بخاری کی اس روایت میں جہر کا کوئی لفظ نہیں (آپ ثبوت پیش کریں)

س۶۲: یہی مولوی صاحب ص ۲۲ و ص ۲۳ پر حضرت ابن عباسؓ، حضرت انسؓ،

حضرت عائشہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے احادیث نقل کرتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودی مسلمانوں سے آمین بالجہر ربنا لک الحمد اور سلام پر حسد کرتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے نہ تو کوئی حدیث صحیح ہے اور نہ ہی ان میں سے کسی میں آمین کے ساتھ جہر کا لفظ موجود ہے یہ اللہ کے نبی اور صحابہ پر جھوٹ ہے۔ (موجودہ غیر مقلدین ثبوت پیش کریں)

س ۶۳: نماز مغرب، نماز عشاء، نماز فجر، کے وقت یہودی بازار میں نہیں ہوتے ظہر، عصر میں وہ بازار میں ہوتے ہیں مگر ان دونوں نمازوں میں غیر مقلد آمین بلند آواز سے نہیں کہتے کہ یہودی ناراض نہ ہو جائیں۔

س ۶۴: لامذہب عورتیں گھروں میں بلند آواز سے آمین نہیں کہتیں آخر وہ یہود کو کیوں ناراض کرنا نہیں چاہتیں۔

س ۶۵: حافظ عبداللہ روپڑی مشہور غیر مقلد مناظر اپنی کتاب ''اہل حدیث کے امتیازی مسائل'' ص ۷۶ پر لکھتے ہیں۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ پڑھتے تو آمین کہتے یہاں تک کہ پہلی صف میں جو آپ کے نزدیک ہوتے سن لیتے روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور ابن ماجہ نے اور ابن ماجہ نے کہا کہ پہلی صف سن لیتی یہاں تک بہت آوازوں کے ملنے سے مسجد میں ہر جلہ ہو جاتا۔ نیل الاوطار میں ہے اس حدیث کو دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد اچھی ہیں اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور اس کو حسن کہا ہے؟ شوکانی اور حافظ عبداللہ روپڑی نے اس روایت کے نقل کرنے میں تین دھوکے دیئے ہیں اور تین جھوٹ بولے ہیں۔

۱۔ ابن ماجہ میں اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں فترک الناس التامین جس سے معلوم ہوتا تھا کہ صحابہ تابعین کا اجماع تھا کہ وہ آمین بالجہر نہیں کہتے تھے یہ فقرہ حدیث کا نقل نہیں کیا۔

۲۔ یہ نہیں بتایا کہ اس کی سند کا راوی بشیر بن رافع نہایت ضعیف ہے۔

۳۔ یہ نہیں بتایا کہ اس سند کا ایک راوی مجہول و مستور ہے۔ یہ تین دھوکے تھے اور تین جھوٹ یہ ہیں۔

(۱) دار قطنی میں سرے سے یہ ہر جلے والی حدیث ہی نہیں چہ جائیکہ اس کی سند کو اچھا کہا ہو۔

(۲) مستدرک حاکم میں سرے سے یہ حدیث ہی نہیں چہ جائیکہ اسے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہو۔

(۳) بیہقی میں سرے سے یہ حدیث ہی نہیں چہ جائیکہ اسے حسن صحیح کہا ہو۔

س۶۶: پاک و ہند میں بارہ سو سال سے اسلام آیا ہوا ہے یہاں کے سب بادشاہ قاضی، مفتی، محدث، مفسر، علماء عوام آہستہ آواز سے آمین کہتے تھے کیا ان بارہ سو سال کے مسلمانوں کی نمازیں باطل ہیں یا مکروہ۔

س۶۷: غیر مقلدوں کے مشہور مورخ امام خاں نوشہری لکھتے ہیں۔

''مولانا شاہ فاخر الہ آبادی نے پہلی دفعہ جامع مسجد دہلی میں آمین بالجہر کہہ کر تقلید کی بکارت زائل کی'' (نقوش ابوالوفاص ۴۴) اس سے معلوم ہوا کہ پہلی دفعہ آمین بالجہر انگریز کے دور میں ہوئی۔

س۶۸: انگریز کے دور میں دوسری آمین بالجہر حافظ محمد یوسف پنشنر (انگریز ملازم) نے کہی (نقوش ابوالوفاص ۴۲) یہ آمین ۱۸۶۰ء میں کہی گئی پھر یہ حافظ محمد یوسف مرزائی ہو کر مرا۔ (اشاعت السنہ ص ۱۱۴ ج ۲۱)

س۶۹: مسئلہ آمین پر چیلنج بازی کی ابتداء مولوی محمد حسین بٹالوی نے کی اور یہ بزرگ

مرزا غلام احمد قادیانی کی بہت امداد کیا کرتے تھے اور ان سے دعا کرایا کرتے تھے۔ (اخبار اہل حدیث امرتسر ص۹ کالم ۱، ۳۱ جنوری ۱۹۰۸)

س ۷۰: پھر اس مسئلہ پر ملک بھر میں فتنہ مولوی ثناء اللہ نے اٹھایا۔ جس کا مذہب یہ تھا کہ میرا مذہب اور عمل ہے کہ ہر کلمہ گو کے پیچھے نماز جائز ہے چاہے وہ شیعہ ہو یا مرزائی۔ (اخبار اہلحدیث ص۶، ۱۲ اپریل ۱۹۱۵ء)

س ۷۱: پھر اس مسئلہ پر حافظ عبداللہ روپڑی نے زور مارا جن کے بارہ میں میاں شرف الدین صاحب فرماتے ہیں کہ وہ لاعلم حاسد، خودغرض، کافر گر، صراط مستقیم سے منحرف تھا۔ (فتاویٰ ثنائیہ ص۲۱۱، ۲۱۲ ج ا ملخصا)

س ۷۲: اگر امام ظہر یا عصر میں سورہ فاتحہ اور سورت بلند آواز سے پڑھ لے تو اس کی نماز فاسد ہو گئی یا مکروہ۔

س ۷۳: اگر فجر، مغرب، عشاء میں امام آہستہ پڑھ لے تو نماز باطل یا مکروہ حدیث لائیں۔

س ۷۴: اگر بھول کر پہلے قل ھو اللہ بعد میں سورت فاتحہ پڑھ لی تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں۔

س ۷۵: سورت فاتحہ کے بعد سورت ملانا فرض ہے یا واجب یا سنت یا نفل حکم صریح حدیث میں ہو۔

س ۷۶: قرأت کی کیا تعریف ہے۔ اور جہر اور سر کی کیا تعریف ہے حدیث صحیح صریح غیر معارض سے بتائیں۔

س ۷۷: فجر کی سنتوں میں قرأت بلند آواز سے سنت ہے یا آہستہ آواز سے حدیث صریح ہو۔

س ۷۸: فجر کے فرائض اگر اکیلا پڑھے تو قرأت بلند آواز سے سنت ہے یا آہستہ آواز سے۔

س۷۹: (ا) آنحضرت ﷺ سے بعض اوقات میں بعض خاص سورتیں پڑھنا ثابت ہے (ب) وہ سورتیں ان نمازوں میں پڑھنا سنت ہے یا نہیں اور اگر ان کے علاوہ کوئی اور سورت پڑھ لی تو یہ نماز خلاف سنت ہوگی یا نہیں جواب صحیح صریح حدیث سے عنایت فرمائیں۔

س۸۰: نماز میں امام پر تین سکتات ایک فاتحہ سے پہلے ایک فاتحہ کے بعد ایک سورت کے بعد واجب ہیں یا نہیں۔ جو امام سکتات نہ کرے اس کے پیچھے نماز خلاف سنت ہے یا نہیں۔

س۸۱: رکوع جانے سے پہلے رفع یدین کرنا سنت مؤکدہ ہے یا سنت غیر مؤکدہ حدیث میں کیا حکم ہے۔

س۸۲: جو شخص یہ رفع یدین نہ کرے اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں صریح حدیث سے حکم بیان کریں۔

س۸۳: غیر مقلدین کہتے ہیں کہ رفع یدین کی چار سو احادیث و آثار ہیں ان چار سو صحابہ کے نام بتائے جائیں۔

س۸۴: جو غیر مقلدین کہتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ آخر عمر تک یہ رفع یدین کرتے رہے۔ عشرہ مبشرہ کی یہ روایت صحیح سند سے بتوثیق روایت پیش فرمائیں۔

س۸۵: ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش فرمائیں کہ امام کے لیے رکوع کی تکبیر بلند آواز سے سنت ہے اور مقتدی اور منفرد کے لیے آہستہ آواز سے سنت ہے۔

س۸۶: ایک حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش فرمائیں کہ رکوع کی تسبیحات آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

س۸۷: آنحضرت ﷺ سے رکوع میں سات اذکار مروی ہیں ان میں سے

مواظبت کس پر فرمائی۔

س۸۸: کیا آیت ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾ کے نازل ہونے کے بعد آپ نے سبحان ربی الاعلی کے علاوہ کچھ پڑھا۔

س۸۹: اگر کوئی شخص بھول کر رکوع میں سبحان ربی الاعلی پڑھ لے تو سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں۔

س۹۰: اگر کوئی شخص رکوع کی تسبیح بلند آواز سے پڑھ لے تو اس کی نماز باطل ہوگی یا مکروہ۔

س۹۱: رکوع سے کھڑے ہو کر قومہ میں ہاتھ باندھنا سنت ہے یا ہاتھ لٹکانا؟ صحیح صریح حدیث پیش فرمائیں۔

س۹۲: ایک حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش فرمائیں کہ منفرد اور مقتدی کے لیے قومہ کا ذکر آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

س۹۳: اگر کوئی مقتدی قومہ کا ذکر بلند آواز سے پڑھے تو اس کی نماز سنت کے موافق ہوگی یا خلاف سنت۔

س۹۴: اگر کوئی شخص رکوع یا قومہ میں کچھ نہ پڑھے تو اس کی نماز باطل ہوگی یا مکروہ صریح حدیث پیش فرمائیں۔

س۹۵: وتر میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھنا اور منہ پر ہاتھ پھیر کر سجدہ میں جانا کس حدیث میں ہے۔

س۹۶: ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کریں کہ سجدہ کی تکبیر امام کے لیے جہراً اور مقتدی اور منفرد کے لیے آہستہ سنت ہے۔

س۹۷: ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش فرمائیں کہ سجدہ میں جاتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا منع اور حرام ہے۔

س۹۸: ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش فرمائیں کہ سجدہ کی تسبیحات آہستہ

پڑھنا سنت موکدہ ہے۔

س۹۹: ایک حدیث لائیں کہ اگر سجدہ کی تسبیحات بلند آواز سے پڑھی جائیں تو نماز باطل ہوگی یا مکروہ۔

س۱۰۰: دونوں سجدوں کے درمیان جو دعا پڑھتے ہیں ایک حدیث صحیح صریح غیر معارض سے دکھائیں کہ اس دعا کا آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

س۱۰۱: ایک حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش فرمائیں کہ یہ دعا فرض ہے یا سنت واجب یا نفل۔

س۱۰۲: ایک حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش فرمائیں اگر کوئی شخص یہ دعا جان بوجھ کر نہ پڑھے تو اس کی نماز باطل ہوگی یا مکروہ۔

س۱۰۳: ایک حدیث صحیح صریح غیر معارض ایسی پیش فرمائیں کہ اگر کوئی شخص بھول کر نہ پڑھے تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں۔

س۱۰۴: کیا کسی حدیث میں ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان انگلی سے اشارہ کرنا منع ہے مسند احمد کی جس حدیث میں اشارہ کا ذکر ہے اس کے موافق آپ اس کو سنت موکدہ سمجھ کر عمل کیوں نہیں کرتے۔

س۱۰۵: کیا کسی صحیح حدیث میں ہے کہ جلسہ استراحت سنت موکدہ ہے۔

س۱۰۶: کیا کسی صحیح صریح غیر معارض حدیث میں ہے کہ جلسہ استراحت کی حدیث صحیح ہے اور نہ کرنے کی ضعیف ہے۔

س۱۰۷: امام شعبیؒ تابعی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے (ابن ابی شیبہ) کیا ان خلفائے راشدین کی نماز خلاف سنت تھی۔

س۱۰۸: حضرت نعمان بن ابی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے صحابہ کو نماز پڑھتے دیکھا وہ جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے (ابن ابی شیبہ) کیا یہ سب

صحابہ خلاف سنت نماز پڑھتے تھے۔

س۱۰۹: ابو قلابہ کا بیان ہے کہ عمرو بن سلمہ کے سوا میں نے کبھی کسی کو جلسہ استراحت کر کے نماز پڑھتے نہیں دیکھا یہ عمرو بن سلمہ بوڑھے تھے (بخاری) تو کیا سب صحابہ تابعین تبع تابعین خلاف سنت نماز پڑھا کرتے تھے۔

س۱۱۰: کیا کسی صحیح صریح غیر معارض حدیث میں ہے کہ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت امام کے لیے بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت مؤکدہ ہے۔اور مقتدی اور منفرد کے لیے آہستہ کہنا سنت ہے۔

س۱۱۱: کیا کسی صحیح صریح غیر معارض حدیث میں ہے کہ دوسری رکعت کے شروع میں رفع یدین منع وحرام ہے۔

س۱۱۲: کیا احادیث میں یہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر اونچ نیچ پر رفع یدین کرتے تھے۔ان پر آپ کا عمل کیوں نہیں؟ کیا آنحضرت ﷺ نے ان احادیث کو ضعیف اور ناقابل عمل قرار دیا ہے؟

س۱۱۳: کیا دوسری رکعت کے شروع میں ثناء پڑھنا منع ہے اگر کوئی پڑھ لے تو نماز باطل ہوگی یا مکروہ۔

س۱۱۴: دو رکعت کے بعد قعدہ کرنا فرض ہے یا واجب۔سنت ہے یا نفل؟

س۱۱۵: اس قعدہ میں تشہد پڑھنا فرض ہے یا واجب۔سنت ہے یا نفل۔

س۱۱۶: اگر قعدہ میں بھول کر تشہد کی جگہ الحمد شریف پڑھ لی تو نماز ٹوٹ جائے گی یا نہیں۔

س۱۱۷: اگر کوئی شخص تشہد بلند آواز سے پڑھ لے تو نماز ٹوٹ جائے گی یا نہیں۔

س۱۱۸: فتاویٰ ثنائیہ میں دو متضاد فتوے ہیں ایک فتویٰ ہے کہ درمیانی تشہد کے بعد بھی درود پڑھنا سنت ہے دوسرا فتویٰ ہے کہ سنت نہیں صریح حدیث سے فیصلہ بتائیں۔

س ۱۱۹: تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت امام کے لیے تکبیر بلند آواز سے کہنا سنت مؤکدہ ہے اور مقتدی اور منفرد کے لیے آہستہ آواز سے سنت مؤکدہ ہے ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث لائیں۔

س ۱۲۰: اگر کوئی شخص تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین نہ کرے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے یا نہیں۔

س ۱۲۱: تیسری رکعت کے شروع میں ثناء پڑھ لینے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے یا نہیں۔

س ۱۲۲: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تیسری، چوتھی رکعت میں اکیلے بھی فاتحہ اور سورت نہیں پڑھتے تھے (رواہ احمد) کیا ان کی نماز باطل ہوتی تھی یا مکروہ۔

س ۱۲۳: حضرت علیؓ فرماتے تھے پہلی دو رکعتوں میں قرآن پڑھو پچھلی دو رکعتوں میں صرف تسبیح پڑھو (ابن ابی شیبہ) اس طرح نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔

س ۱۲۴: فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورت ملانے سے نماز ٹوٹ جائے گی یا نہیں۔

س ۱۲۵: سنن اور نوافل کی تیسری چوتھی رکعت میں سورت ملانا جائز ہے یا نہیں صریح حدیث لائیں۔

س ۱۲۶: چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین کے منع اور حرام ہونے کی حدیث پیش فرمائیں۔

س ۱۲۷۔ چوتھی رکعت کے بعد قعدہ فرض ہے یا واجب، سنت ہے یا نفل صریح حدیث پیش فرمائیں۔

س ۱۲۸: چوتھی رکعت کے بعد اگر بغیر قعدہ کیے پانچویں رکعت میں کھڑا ہو جائے تو یاد آنے پر بیٹھ جائے یا نہیں اور سجدہ سہو واجب ہوگا یا نماز باطل ہوگی۔

س ۱۲۹: چوتھی رکعت کے بعد قعدہ کیا اور تشہد پڑھنے کے بعد پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا اور یاد آنے پر بیٹھ گیا تو کس طرح نماز پوری کرے؟ طریقہ

صحیح حدیث سے بتائیں۔

س۱۳۰: چوتھی رکعت کے بعد قعدہ کیا پھر بھول کر پانچویں رکعت میں کھڑا ہو گیا اور رکعت پوری کرنے کے بعد یاد آیا تو اپنی نماز کس طرح پوری کرے۔

س۱۳۱: آخری تشہد میں درود پڑھنا سنت ہے یا فرض حدیث صریح سے حکم دکھائیں۔

س۱۳۲: درود شریف آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے یا بلند آواز سے صحیح صریح حدیث لائیں۔

س۱۳۳: درود ابراہیمی پڑھنا بھول گیا اور سلام پھیر دیا تو اب کیا کرے نماز دوبارہ پڑھے یا کیا کرے۔

س۱۳۴: درود کے بعد دعا پڑھنا فرض ہے یا واجب یا سنت حکم صریح حدیث سے دکھائیں۔

س۱۳۵: درود کے بعد والی دعا آہستہ پڑھنا سنت ہے یا بلند آواز سے صحیح حدیث لائیں۔

س۱۳۶: یہ دعا ہاتھ اٹھا کر اور منہ پر ہاتھ پھیرے یا اس میں ہاتھ اٹھانا منع ہیں۔

س۱۳۷: کیا آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو فرمایا تھا کہ جب تشہد ختم ہو جائے تو نماز پوری ہو گئی چاہے بیٹھے چاہے اٹھ کھڑا ہو۔ کیا واقعی آپ اس حدیث پر عمل کر کے درود دعا اور سلام کے بغیر اٹھ جاتے ہیں۔ یا حضور اقدس ﷺ نے اس حدیث پر عمل کرنے سے روک دیا تھا۔

س۱۳۸: کیا حدیث کی کتابوں میں کوئی ایسی حدیث موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ نے فرمایا ہو کہ التحیات کے بعد اگر حدث (پاد مارے یا آہستہ آواز سے ہوا خارج کر دے یا ٹٹی پیشاب) کر دے تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔

س۱۳۹: نماز کے آخر میں سلام فرض ہے یا واجب یا سنت یا نفل صریح حدیث پیش

کریں۔

س ۱۴۰: ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش فرمائیں کہ امام کے لیے سلام بلند آواز سے سنت موکدہ ہے اور مقتدی اور منفرد کے لیے آہستہ آواز سے سنت ہے۔

س ۱۴۱: کیا آنحضرت ﷺ نماز کے بعد ذکر جہر کیا کرتے تھے تو اب کس نے منسوخ کیا۔

س ۱۴۲: کیا آنحضرت ﷺ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا سے منع کیا کرتے تھے۔

س ۱۴۳: کیا آنحضرت ﷺ فرائض کے بعد کی سنتیں مسجد میں پڑھا کرتے تھے یا گھر جا کر۔

س ۱۴۴: آج کل جن لوگوں نے سنتیں پڑھنے کا مستقل معمول مسجد میں بنالیا ہے یہ جائز ہے یا ناجائز۔

س ۱۴۵: آنحضرت ﷺ فجر کی نماز کے بعد روزانہ درس قرآن دیا کرتے تھے تو اس کا ثبوت حدیث سے دیں ورنہ بتائیں کہ یہ طریقہ حضورؐ سے کتنا عرصہ بعد شروع ہوا اور جائز ہے یا بدعت۔

س ۱۴۶: جب مسجد یا گھر میں لوگ نماز پڑھ رہے ہوں تو لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کرنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو اس کے جواز کی صحیح صریح حدیث پیش فرمائیں۔

س ۱۴۷: زید نے ایک مرد پر زنا کی تہمت لگائی تو اس کو کتنے کوڑے حد لگے گی، صرف مرد پر تہمت کا حکم ہو۔ عورت پر قیاس نہ کیا جائے۔

س ۱۴۸: کلب معلم کے ساتھ شکار کرنے کا حکم قرآن و حدیث میں مذکور ہے اگر کوئی شخص شیر، چیتے، بھیڑیے اور خنزیر کو تعلیم دے یا بندر کو شکار کا طریقہ سکھائے تو ان جانوروں کا مارا ہوا شکار حلال ہوگا یا حرام؟ یہ حلال حرام کا صاف حکم

اور ان درندوں کا نام حدیث شریف میں ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر جواب ناکمل ہوگا۔

س ۱۴۹: چوہا گھی میں گر جائے تو اس کا حکم حدیث شریف میں مذکور ہے۔ لیکن اگر بلی کا بچہ، کتے کا بچہ، بندر کا بچہ، چھپکلی، سانپ، بیچوا، چیونٹی، بھڑ، جھینگر، ٹڈی، آک کا ٹنڈا گھی میں گر کر مرجائیں تو گھی کا کیا حکم ہے؟ پاک ہے یا ناپاک؟ صحیح صریح حدیث پیش کریں۔

س ۱۵۰: اگر تیل، دودھ، شربت، سرکے، شیرے، لسی اور عرق میں چوہا گر کر مرجائے تو اس کا حکم حدیث صریح وصحیح سے دکھلائیں۔ گھی پر قیاس نہ فرمائیں۔

س ۱۵۱: کیا بیع العنب بالزبیب جائز ہے یا ناجائز؟ صحیح صریح حدیث سے جواب دیا جائے۔ بیع الرطب بالتمر پر قیاس نہ کیا جائے۔

س ۱۵۲: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا حرام ہے۔ کیا سونے چاندی کے برتن میں پانی لے کر وضو کرنا، غسل کرنا، اس میں سے تیل لگانا، اس کے قلم سے لکھنا، اس کی سلائی سے آنکھوں میں سرمہ ڈالنا، اس کی عطردانی سے عطر چھڑکنا، سونے چاندی کے ورق کھانا یہ سب جائز ہیں یا ناجائز؟ صحیح صریح حدیث پیش کریں قیاس سے کام نہ لیں۔

س ۱۵۳: آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے کہ جب تم رفع حاجت کے لیے جاؤ تو ساتھ تین پتھر لے جاؤ۔ اب اگر کوئی شخص پتھر کی بجائے، پکی مٹی، کپڑے، روئی، اون، ریشم کے چیتھڑے، گھاس اور درخت کے پتوں وغیرہ سے استنجا کرلے تو کیا اس شخص کا استنجا ہوجائے گا یا نہیں؟ جواز وعدم جواز اور ان اشیاء کے نام صریح احادیث سے دکھلائیں، پتھر پر قیاس نہ کریں۔

س ۱۵۴: لونڈیوں کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر وہ بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان پر نصف عذاب ہے۔ اگر غلام بے حیائی کا ارتکاب کرے تو

اس کے لیے سزا کا حکم صریح آیت یا صریح حدیث سے بتائیں۔عورت پر مرد کو قیاس نہ کریں۔

س۱۵۵: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تم حالت جنابت میں ہو اور پانی نہ ملے تو تیمّم کر لو، اگر کوئی عورت حیض یا نفاس سے فارغ ہوئی ہو تو اسے تیمّم کی اجازت ہے یا نہیں صریح حدیث لائیں۔

س۱۵۶: حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر کوئی شخص پاخانہ سے فارغ ہو اور پانی نہ ملے تو تیمّم کر لے، اب اگر پیشاب یا خروج ریح یا آپ کے مذہب پر مس ذکر یا عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جائے تو پانی نہ ملنے کی صورت میں وہ تیمّم کر سکتا ہے یا نہیں؟ صریح حدیث سے جواب دیں پاخانہ پر قیاس نہ کریں۔

س۱۵۷: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پانی نہ ملے تو تیمّم کر لو۔ اگر پانی پاس موجود ہے لیکن وضو کر لے تو راستہ میں پینے کے لیے پانی نہ ملے گا یا جانور پیاسا رہے گا۔ یا آٹا نہیں گندھے گا۔ یا پانی کے استعمال سے بیمار ہو جائے گا، تو ایسے شخص کے لیے ان حالتوں میں تیمّم کرنا جائز ہے یا نہیں جواب صحیح صریح حدیث سے ہونا چاہیے۔

س۱۵۸: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"﴾ اب یہ سوال ہے کہ اگر کاتب بھی ہو تو رہن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر سفر میں نہ ہوں تو گھر میں یعنی وطن میں رہن رکھنا جائز ہے یا نہیں صحیح صریح حدیث سے جواب دیں جو اس آیت کے بعد کی ہو تا کہ "نسخ الحدیث بالایة" کا خدشہ نہ رہے۔

س۱۵۹: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر مکھی پینے کی چیز میں گر پڑے تو اسے غوطہ دے کر باہر پھینک دو اب علمائے غیر مقلدین فرمائیں اور بتلائیں کہ اگر چیونٹی، مچھر، بھڑ، جگنو، پتنگا، چھپکلی، کیچوا، سانپ وغیرہ پانی میں گر

جائیں تو کیا پانی پاک رہے گا یا ناپاک، ان جانوروں کے نام صراحۃً حدیث پاک میں دکھائیں۔ مکھی پر قیاس نہ فرمائیں۔

س ۱۶۰: حضور ﷺ نے بغلوں کے بالوں کے اکھاڑنے کا حکم دیا ہے۔ آج کل سو فیصد غیر مقلد استرے سے بغلیں صاف کراتے ہیں اور سو فیصد غیر مقلد عورتیں بال صفا پاؤڈر سے بغلیں صاف کرتی ہیں اے غیر مقلدین آپ حضرات صحیح صریح حدیث کی مخالفت پر کیوں ڈٹے ہوئے ہیں، استرہ اور بال صفا پاؤڈر سے بغلوں کے بال صفا کرنے کی کوئی صحیح صریح حدیث پیش فرمائیں۔ ورنہ اپنے اس فعل پر شرمائیں۔

س ۱۶۱: آنحضرت ﷺ نے عورت کے موئے زیرناف کی صفائی کے لیے استرہ کا ذکر فرمایا ہے لیکن آج کل سو فیصد غیر مقلد عورتیں پاؤڈر یا کریم استعمال کرتی ہیں۔ اس بارے میں صحیح صریح حدیث پیش فرمائیں۔

س ۱۶۲: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص حالت احرام میں کسی جانور کو قتل کردے یا شکار کرلے ﴿مَنْ قَتَلَهُ مِنكُمْ مُّتَعَمِّدًا...﴾ تو اس پر دم ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر قتل صید خطاء ہو، تو کیا حکم ہے، صریح صحیح حدیث پیش کریں۔ عمد پر خطا کو قیاس نہ کریں۔

س ۱۶۳: آج کل سب غیر مقلدین بھینس کا دودھ پیتے ہیں۔ گھی کھاتے ہیں، دہی اور لسی استعمال کرتے ہیں۔ اس کے لیے کوئی صریح آیت یا صحیح، صریح حدیث پیش فرمائیں، اونٹ، گائے وغیرہ پر قیاس نہ کریں۔

س ۱۶۴: حق تعالیٰ نے قرض کے بارے میں نصاب شہادت یہ بیان فرمایا ہے کہ دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں۔ اب سوال یہ ہے کہ میراث، وصیت امانت، غصب اور دیگر مالی معاملات کے لیے نصاب شہادت بھی یہی ہے یا کچھ اور ہے؟ جواب صحیح صریح حدیث سے دیں، ان تمام معاملات کو قرض پر

قیاس نہ فرمائیں۔

س۱۶۵: آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ کتا برتن میں منہ ڈال دے تو سات مرتبہ دھولو، اب سوال یہ ہے کہ اگر کتا برتن میں پیشاب کر دے یا پاخانہ کر دے یا قے کر دے یا خون برتن کو لگ جائے تو کتنی مرتبہ دھوئے۔ حدیث صریح ہونی چاہیے۔ لعاب پر قیاس نہ کیا جائے۔

س۱۶۶: آنحضرت ﷺ نے دعائیں مانگ کر سات حرفوں پر قرآن پاک کی تلاوت کی اجازت حاصل کی۔ پھر عہد عثمانیؓ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالاتفاق ایک حرف پر پڑھنے پر اجماع کر لیا۔ کیا کسی آیت کریمہ یا صحیح صریح حدیث میں آیا ہے کہ عہد فاروقی تک تو قرآن کریم سات حرفوں پر پڑھنا اور پھر تا قیام قیامت ایک حرف پر پڑھنا، چھ پر پڑھنا منسوخ ہو جائے گا۔

س۱۶۷: آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں شراب کی کوئی ایک حد مقرر نہ تھی۔ کبھی تھپڑ مارے جاتے، کوئی کپڑا مارتا، کوئی چھڑی اور کوئی کوڑے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے اپنا قیاس بیان فرمایا کہ جب شرابی شراب پیتا ہے تو اس کی عقل زائل ہو جاتی ہے اور پھر وہ افتراء کرتا ہے اور ایک خاص افتراء کی حد (قذف) اسی (۸۰) کوڑے ہے لہذا اس کو بھی اسی کوڑے کی حد لگنی چاہیے۔ سب صحابہ کرامؓ نے اس پر اتفاق فرمایا، کیا کوئی صحیح صریح حدیث ہے کہ عہد صدیقی تک تو تم میری حدیث پر عمل کرنا لیکن فاروقی عہد میں شراب کی حد کے بارے میں حضرت علیؓ کے قیاس سے میری احادیث کو منسوخ قرار دینا۔ اور قیامت تک حضرت علیؓ کے قیاس کو قانون بنا لینا۔

س۱۶۸: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے مسئلہ پوچھا کہ

ایک عورت فوت ہوگئی ہے اس کا خاوند اور ماں باپ زندہ ہیں تو وراثت کیسے تقسیم ہوگی، انہوں نے جواباً فرمایا نصف خاوند کو، باقی کا ثلث ماں کو اور باقی باپ کو۔ حضرت سے پوچھا گیا کہ یہ مسئلہ کتاب اللہ سے ماخوذ ہے، حضرت زیدؓ نے فرمایا نہیں یہ میری رائے ہے، اس مسئلہ کو صحیح صریح غیر معارض سے پیش فرمائیں۔

س۱۶۹: زید نے بکر کی دو داڑھیں توڑ دیں، زید پر کتنی دیت آئے گی؟ جواب حدیث صحیح صریح غیر معارض سے دیں۔

س۱۷۰: حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ اور رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو (بخاری) اب اگر کوئی پاکستانی کہے کہ حدیث بخاری سے پتہ چلتا ہے کہ قبلہ مغرب کی طرف نہیں اور اہل جغرافیہ کہتے ہیں کہ قبلہ مغرب کی طرف ہے، میں اہل جغرافیہ کی بات حدیث بخاری کے مقابلہ میں نہیں مانتا، مجھے صحیح بخاری سے ہی صریح حدیث دکھاؤ کہ اہل ہندو پاک کا قبلہ مغرب کی طرف ہے۔

س۱۷۱: اللہ تعالیٰ والدین کے بارے میں فرماتے ہیں ﴿فلا تقل لهما أف..﴾ اہل قیاس نے آیت کریمہ سے علت اذیت تلاش کی ہے، مقصد یہ ہے کہ والدین کو اذیت نہ پہنچاؤ، اب اگر کوئی شخص اپنے ماں باپ کے منہ پر تھوکے یا پیشاب ڈال دے تو یہ بھی حرام ہے کیونکہ اس سے والدین کو تکلیف ہوگی۔ آپ لوگ چونکہ قیاس کو کار ابلیس کہتے ہیں اس لیے ماں باپ کے منہ پر تھوکنے یا پیشاب کرنے کے منع ہونے کی صحیح صریح حدیث پیش فرمائیں۔

س۱۷۲: قرآن پاک کی سورہ نور میں لا اور الا کلمہ حصر کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر ہے

جن سے پردہ فرض نہیں اور ان کے سامنے منہ کھولنا جائز ہے مگر ان میں نہ ماموں کا ذکر ہے نہ چچا اور نہ تایا کا، ظاہر قرآن سے تو یہ سمجھ آتا ہے کہ ماموں، چچا اور تایا کہ سامنے منہ کھولنا نا جائز ہے لیکن اہل قیاس نے مذکورہ افراد میں علت محرمیت کا سراغ لگا لیا اور کہا چونکہ ماموں، چچا اور تایا بھی محرم ہیں اس لیے ان کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے، حضرات غیر مقلدین سے سوال ہے کہ آپ قیاس کو تو کار ابلیس کہتے ہیں اس لیے صریح آیت یا صحیح صریح حدیث میں دکھائیں کہ حقیقی چچا، حقیقی تایا اور حقیقی ماموں کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے۔

س ۱۷۳: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی عورت کو سزا کے لیے بلایا۔ اس عورت کا خوف سے حمل ساقط ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ان سے مشورہ فرمایا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا آپ تو محض تادیب چاہتے تھے۔ اس لیے جس طرح کسی کی بیوی یا بیٹا خوف سے مر جائے تو کوئی سزا نہیں آپ بری ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آپ کو گناہ تو نہیں ہوگا۔ مگر یہ واقعہ قتل خطا سے ملتا جلتا ہے۔ اس لیے آپ پر دیت آئے گی۔ حضرت عمرؓ نے احتیاطاً حضرت علیؓ کے قیاس کی اتباع فرمائی۔ حضرات غیر مقلدین سے سوال یہ ہے کہ آپ حضرات تو قیاس کو کار شیطان قرار دیا کرتے ہیں اس لیے قیاس کی بجائے حدیث صحیح صریح پیش فرمائیں کہ اگر کسی کی ڈانٹ ڈپٹ سے اس کی بیوی یا غلام یا لڑکا فوت ہو جائے یا کسی کا حمل ساقط ہو جائے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ خود قیاس کرنا یا کسی امتی کا قول پیش کرنا غیر مقلدیت کے مفہوم و معنی کو بھول جانا ہے۔

س ۱۷۴: آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں لا یقضی القاضی بین اثنین وھو غضبان اہل قیاس یہ کہتے ہیں کہ غصے سے چونکہ دل و دماغ متاثر ہوتے

ہیں اور سوچ صحیح نہیں رہتی اس لیے اگر کسی کو ایسا غم لگا ہو جو عقل وفکر اور ذہن وذکاء پر اثر انداز ہو یا ایسا خوف سوار ہو جائے یا سخت بھوک و پیاس میں اس کا دل مشغول ہو جائے تو ان موانع کی موجودگی میں قاضی فیصلہ نہ کرے۔ آپ حضرات چونکہ قیاس کے منکر ہیں اس لیے ایسے غم خوف اور ایسی شدید بھوک اور پیاس کے وقت قاضی کے لیے فیصلہ کرنے کی اجازت یا ممانعت کسی صحیح صریح حدیث سے ثابت فرمائیں۔

س۱۷۵: ایک آدمی نے قسم کھائی کہ مجھ پر تیرے گھر کا ایک لقمہ اور ایک گھونٹ بھی حرام ہے۔ اس کے بعد اس نے اس گھر سے نہ کوئی لقمہ کھایا نہ گھونٹ پیا۔ ہاں ان سے روپے لیے سونا، چاندی لیا، مال مویشی لیے۔ اہل قیاس کہتے ہیں کہ اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے۔ آپ حضرات چونکہ قیاس کو نہیں مانتے اس لیے کسی صحیح صریح حدیث سے ثابت کریں کہ ایسی قسم کے بعد سونا، چاندی وغیرہ لینے سے کفارہ لازم ہے یا نہیں۔

س۱۷۶: ایک شخص نے قسم کھائی کہ خدا کی قسم میں زید سے بات نہیں کروں گا، اس کے بعد اس نے زید سے بات تو نہیں کی مگر اس کے ساتھ کھانے، پینے، شادی بیاہ میں شریک رہا، اہل قیاس کہتے ہیں کہ قسم کا کفارہ لازم ہے۔ آپ صحیح حدیث سے بتائیں کہ کفارہ لازم ہے یا نہیں۔

س۱۷۷: اگر کوئی عورت خون استحاضہ کی وجہ سے معذور ہو، اس کا حکم تو حدیث شریف میں موجود ہے لیکن اگر کوئی مرد نکسیر، ریاح، بواسیر، سلسل بول یا کسی ناسور کے بہتے رہنے سے معذور ہو اس کا حکم اہل قیاس تو استحاضہ پر قیاس کر کے معلوم کر لیتے ہیں آپ کے نزدیک چونکہ قیاس کار ابلیس ہے اس لیے ان معذوروں کے لیے حدیث صحیح صریح مرفوع غیر مقطوع پیش فرمائیں۔

س۱۷۸: زید نے زینب کو تین شرعی طلاقیں دیں۔ اس نے بکر سے نکاح کر لیا بکر فوت ہو گیا یا زینب نے بکر سے خلع کر لیا یا عدالت کے ذریعہ بکر سے نکاح

فسخ کرالیا تو عدت گزرنے کے بعد وہ پھر زید سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں، طلاق پر قیاس نہ کریں صریح حدیث پیش کریں۔

س ۱۷۹: غلام ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے یا دو سے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ کا اس پر اجماع ہو گیا تھا کہ غلام دو سے زیادہ عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتا کیا یہ حکم قرآنی ہے یا حدیث صحیح صریح یا لونڈی کی مد پر قیاس۔

س ۱۸۰: غلام تین طلاقوں کا مختار ہے یا دو کا یا ڈیڑھ کا جواب صحیح صریح حدیث سے ہونا چاہئے۔

س ۱۸۱: لونڈی کی طلاق کی عدت تین حیض ہے یا دو حیض یا ڈیڑھ حیض جواب صحیح صریح حدیث سے دیں۔

س ۱۸۲: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا...﴾ اس آیت کریمہ سے مومنہ عورت کا حکم تو معلوم ہو گیا۔ اب اگر کوئی شخص کسی یہودن یا عیسائی سے نکاح کرے اور رخصتی سے قبل طلاق دے دے تو اس عورت پر عدت ہے یا نہیں، صحیح صریح حدیث پیش کریں کافرہ کو مومنہ پر قیاس نہ کریں۔

س ۱۸۳: ایک عورت کو طلاق بتہ دی گئی تھی وہ ابھی عدت میں تھی کہ اس کا خاوند فوت ہو گیا، حضرت عثمان نے اس کو وراثت کا حصہ دلایا اور تمام صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ کے اس فتویٰ سے اتفاق کیا۔ (اعلام الموقعین ص ۲۱۰ ج اول)

حضرت عثمانؓ کا یہ فتویٰ کس آیت یا حدیث صحیح صریح سے ماخوذ ہے۔

س ۱۸۴: ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور ان کی تقلید میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ قسم ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت فرماتے ہیں کہ یہ تین طلاقیں ہیں اور حضرت عبداللہ

بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ ایک طلاق ہے۔

سب نے یہ مسئلہ اپنی رائے سے بتلایا ہے، آپ حضرات رائے کو کفر وشرک قرار دیتے ہیں اس لیے کوئی صحیح یا صریح حدیث پیش فرمائیں تا کہ ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ...﴾ کے قانون پر مسئلہ کا فیصلہ ہو سکے۔

س۱۸۵: مسواک کرنا وضو میں سنت ہے یا وضو کے بعد، نماز کے وقت یا دونوں وقت۔ صحیح صریح حدیث پیش فرمائیں۔

س۱۸۶: مسواک کے بغیر وضو کر کے نماز پڑھ لی تو اس سنت کے رہ جانے سے وضو ہو گیا یا نہیں۔

س۱۸۷: وضو میں کل کتنی چیزیں سنت ہیں جن کے رہ جانے سے وضو ہو جاتا ہے، صریح حدیث لائیں۔

س۱۸۸: کیا موجودہ برش (ٹوتھ پیسٹ) کر لینے سے مسواک کی سنت کا ثواب مل جاتا ہے یا نہیں، صریح حدیث لائیں۔

س۱۸۹: اگر کسی نے ایک ہی چلو سے تین بار ناک میں پانی چڑھالیا تو سنت تثلیث ادا ہو گئی یا نہیں؟

س۱۹۰: ایک شخص کے انگلی یا مسواک کے استعمال سے مسوڑھوں سے خون بہنے لگا۔ اگر وہ خون بند ہونے تک بیٹھے تو جماعت نکل جاتی ہے، وہ مسواک چھوڑے یا جماعت؟ صریح حدیث پیش کریں۔

س۱۹۱: آپ کے نزدیک منی پاک ہے۔ کیا اس کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ جو حکم بھی ہو صحیح صریح حدیث سے پیش فرمائیں۔

س۱۹۲: خنزیر کا جوٹھا اور خنزیر پاک ہے یا ناپاک؟ صریح حدیث لائیں۔

س۱۹۳: کتے کا پیشاب پاخانہ پاک ہے یا ناپاک؟ صریح صحیح حدیث سے جواب دیں۔

س۱۹۴: ایک گاؤں میں ایک ہی کنواں ہے اس میں کتا مرا پڑا ہے، گندگی پڑی ہے۔

حیض کے چیتھڑے پڑے ہیں کیا اس کنویں سے پانی پینا، وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟ صحیح صریح حدیث درکار ہے۔

س ۱۹۵: کنواں کسی چیز سے ناپاک بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ناپاک ہوجاتا ہے تو صحیح صریح حدیث سے اس کے پاک کرنے کا طریقہ بیان فرمائیں۔

س ۱۹۶: دودھ میں دیوانے نے پیشاب کر دیا جس سے دودھ کا نہ رنگ بدلا نہ مزہ نہ بو، وہ دودھ پاک ہے یا ناپاک؟ صحیح صریح حدیث سے جواب دیں۔ جو اس کو پاک کہے اس کے بارے میں حدیث کا کیا حکم ہے۔

س ۱۹۷: ایک گلاس شربت میں دودھ پیتے بچے نے پیشاب کر دیا، شربت کا نہ رنگ بدلا نہ مزہ نہ بو۔ کیا اس کا پینا جائز ہے یا حرام؟ حدیث صحیح سے جواب دیں۔

س ۱۹۸: عورت کے فرج کی رطوبت پاک ہے یا ناپاک؟ اس کے بارے میں صحیح حدیث کا حکم بیان فرمائیں۔

س ۱۹۹: شراب (خمر حقیقی) پاک ہے یا ناپاک؟ حدیث صحیح صریح سے جواب دیں۔ جو اسے پاک کہے اس کا حدیث میں کیا حکم ہے۔

س ۲۰۰: خون پاک ہے یا ناپاک؟ حدیث پاک سے صراحت دکھائیں۔

س ۲۰۱: زید نے زینب سے زنا کیا اس زنا کے نطفہ سے سیمہ نامی لڑکی پیدا ہوئی کیا زید کا نکاح سیمہ سے حلال ہے؟ کیا زمانہ رسالت میں ایسا کوئی نکاح ہوا۔

یہ سوالات کی پہلی قسط ہے۔ دوسری اقساط بھی یکے بعد دیگرے اشاعت پذیر ہوکر منظر عام پر آتی رہیں گی۔

ناظرین کرام! دعاؤں میں یاد رکھیں اور موانع کے ارتفاع کے لیے قلبی دعائیں فرماتے رہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

نوٹ: دوسری قسط مجموعہ رسائل جلد نمبر ۲ میں بعنوان ''غیر مقلد علماء سے چار سو سوالات'' شائع ہوچکی ہے۔

مولوی محمد جوناگڑھی
غیر مقلد کی کتاب

درایت محمدی پر ایک نظر

تالیف
مناظر اسلام حضرت مولانا
محمد امین صفدر
اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

درایت محمدی

مولوی محمد جوناگڑھی نے دور برطانیہ میں ایک متعصب کینہ پرور اور حاسد فرقہ کی بنیاد رکھی اور اپنے نام پر اس فرقہ کا نام محمدی فرقہ رکھا۔ اپنے اخبار کا نام محمدی رکھا اپنی کتابوں کے ساتھ محمدی کا لیبل لگایا اس کی کتابوں میں فقہاء کے خلاف جو بدزبانی ہے اس پر حدیث کلبہ اور لعن آخر هذه الامة اولها کی تصدیق ہوتی ہے۔ بدگمانی سے بدزبانی۔ حسد و تعصب کی فراوانی سے جب وہ گالیوں پر اترتا ہے تو اذا خاصم فجر کا سماں باندھ دیتا ہے جھوٹ بولتا ہے تو اذا حدث کذب پر عمل کرتا ہے حوالہ نقل کرتا ہے تو اذا ائتمن خان کو بالکل نہیں بھولتا۔ اور جب فقہ کے خلاف رائے زنی کرتا ہے تو ولا یستحی فیه من الحلیم کی تصدیق ہو جاتی ہے ان احادیث پر ان کا عمل ہے اس نے ہدایہ شریف کے خلاف قلم اٹھایا ہے اس میں وہی طرز اختیار کیا ہے جو پادری فانڈر نے قرآن پاک کے خلاف اور سوامی دیانند اور پرویزیوں نے حدیث کے خلاف اختیار کیا ہے۔

موضوع احادیث: دلیل اول، ہدایہ نا قابل اعتبار ہے کیونکہ اس میں بعض ایسی احادیث ہیں جن کو محدثین نے موضوع کہا ہے۔

جواب: اگر بالفرض اس میں بعض احادیث ایسی ہوں بھی تو اس سے اس کے فقہی مسائل کا غلط ہونا کیسے لازم آیا۔ کیونکہ صاحب ہدایہ نے از خود مسائل کا استنباط نہیں فرمایا۔ بلکہ مسائل مستنبط کے دلائل ذکر کئے ہیں وہ مسائل صاحب ہدایہ سے پہلے بھی امت میں معمول بہا تھے اس کو مثال سے سمجھئے۔

(ا) امام غزالیؒ کی احیاء العلوم اسلام میں ایک مایہ ناز کتاب ہے اس کے مسائل تصوف اور فلسفی احکام امت میں معمول بہا ہیں لیکن اس میں بہت سی ایسی احادیث ہیں جو موضوع ہیں علامہ عراقیؒ کی تخریج ملاحظہ فرمالیں تاہم ان احادیث کی وجہ سے پوری کتاب کو کسی نے نا قابل اعتبار قرار نہیں دیا اور امت میں ایک بھی بے دین،

حاسد، متعصب اور کینہ پرور ایسا نہیں گزرا جس نے احیاء العلوم کے خلاف اس طرح بدگمانی اور بدزبانی کی ہو۔

(راجع میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۳۱ ترجمہ حارث بن اسد پہلا حارث نمبر ۱۶۰۶)

یہی حال شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب غنیۃ الطالبین کا ہے اس میں بھی موضوعات ہیں (میزان ج ۱ ص ۴۳۰) یہی حال فصوص الحکم۔ الفتوحات المکیہ وغیرہ کا ہے مگر فرقہ محمدی کا بانی محمد جونا گڑھی ان کتابوں خصوصاً غنیۃ الطالبین سے رات دن استدلال کرتا ہے اسی طرح تفسیر کبیر امام رازی۔ تفسیر کشاف زمخشری۔ بیضاوی وغیرہ میں ایسی احادیث موجود ہیں۔ جن کے بارے میں محدثین نے ناقابل اعتبار ہونے کا حکم بیان کیا ہے لیکن ہمیشہ سے امت ان تفاسیر کے صحیح مضامین سے استدلال کرتی آرہی ہے خود غیر مقلدین آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ کی تفسیر میں صحابہؓ وتابعین اور اجماع امت کے خلاف رازی کے قول کی اندھا دھند تقلید کر رہے ہیں۔ الغرض ہدایہ کا اصل موضوع فقہ ہے۔ احیاء العلوم۔ غنیۃ الطالبین کا موضوع تصوف ہے تفسیر کبیر۔ بیضاوی کا موضوع تفسیر ہے اگر موضوع فن کے اعتبار سے ان میں کوئی نقص نہیں تو یہ ان کا کمال ہے اگر دوسرے فن کے اعتبار سے بھی ان میں نقص نہ ہو تو یہ نورٌ علیٰ نور ہے ہاں اگر دوسرے فن کے اعتبار سے نقص ہو تو بھی اصل فن کے اعتبار سے کتاب میں کوئی نقص نہیں ہے مثلاً دیکھیے امام بخاریؒ کے محدث ہونے میں شبہ نہیں مگر بعض الناس ۔۸۔۹۔۱۰۔۱۱۔۱۲۔۱۳۔۱۴۔۱۵۔۱۶۔۱۷ امام صاحبؒ کے مذہب کے نقل کرنے یا اس کی تفصیل بیان کرنے میں غلطی ہوگئی ہے تو کیا ان کی وجہ سے صحیح بخاری شریف کی صحیح احادیث کی صحت سے بھی انکار کر دیا جائے گا۔

۲۔ یہ کتابیں تو دوسرے فن سے متعلق ہیں۔ خود محدثین جن کی عمریں اس فن میں صرف ہوئی ہیں ان سے بھی ایسے تسامحات ہوئے ہیں۔ سہو ونسیان سے کون بچ

سکتا ہے فنسی آدم فنسیت ذریتہ (بخاری) بعض محدثین نے بعض صحیح احادیث کو موضوع کہہ دیا دیکھو (موضوعات ابن جوزی) بعض نے موضوعات کو صحیح کہہ دیا۔ دیکھو تعقبات سیوطی۔ بعض جگہ کے وہم ونسیان سے کون بچا ہے۔

(دیکھو میزان لاعتدال میں ترجمہ علی بن عبداللہ المدینی)

سنن ابن ماجہ

امام ابن ماجہ الحافظ الکبیر، ثقة متفق علیہ محتج معرفتہ وحفظہ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۸۹) سنن ابی عبداللہ کتاب حسن لولا ما کدرہ احادیث واھیۃ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۸۹) علامہ ذہبی تاریخ الاسلام میں فرماتے ہیں انما غمن رتبة سننه لمافی الکتاب من المناکیر وقلیل من الموضوعات (غیث الغمام ج ۱ ص ۵۶)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں وفی الجملة ففیه احادیث کثیرة منکرة (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۵۳۱) امام ابوالحجاج مزی شافعی فرماتے ہیں کل ماانفرد به ابن ماجة فهو ضعیف یعنی بذلک ماانفرد به من الحدیث عن الآئمة الخمسة (تہذیب) امام سیوطیؒ فرماتے ہیں فانه تفرد باخراج احادیث عن رجال متهمین بالکذب وسرقة الاحادیث (زہر الربی ص ۸) نواب صدیق حسن فرماتے ہیں وله حدیث فی فضل قزوین منکر بل موضوع ولهذا طعنوا فیه وفی کتابه (الحطہ ص ۱۱۰) ابن الجوزی نے اس کی ۳۴ احادیث کو موضوع کہا ہے۔ (موضوعات ابن الجوزی)

۴۔ مستدرک حاکم

امام ابوعبداللہ الحاکم الحافظ الکبیر امام المحدثین۔ امام اہل الحدیث فی عصرہ العارف بہ حق معرفتہ (تذکرہ ج ۳ ص ۲۳۱ احسن الکلام ص) ولاریب ان فی المستدرک احادیث کثیرة لیست علی شرط الصحة بل فیه احادیث موضوعة شان المستدرک باخراجها فیه (تذکرۃ الحفاظ) حافظ

ذہبی ہی کا ارشاد ہے مستدرک کی ایک چوتھائی حدیثیں موضوعات اور واہیات کے قبیل سے ہیں (بستان المحدثین ص ۴۳) حالانکہ امام حاکمؒ کا دعویٰ یہ ہے اجمع کتابا یشتمل علی الاحادیث المرویۃ باسانید محمد بن اسماعیل و مسلم بن الحجاج بمثلھا اور وانا استعین اللہ علی اخراج احادیث رواتھا ثقات قداحتج بمثلھا الشیخان اواحدھما (مستدرک ج ۱ ص ۳) شوکانی غیر مقلد الفوائد المجموعہ فی الاحادیث المجموعہ میں لکھتے ہیں قال الحاکم ھذا حدیث الاسنادالخ (نورالصباح ص ۱۱۳) فرقہ محمدی کا بانی محمد جوناگڑھی رات دن ابن ماجہ اور حاکم سے استدلال کرتا ہے لیکن اس نے نہ ابن ماجہ کے خلاف کوئی کتاب لکھی ہے نہ مستدرک حاکم کے خلاف علامہ ذہبی کی جرح دیکھو مستدرک ج ۱ ص ۲۳۴، ج ۱ ص ۶۱۷ ج ۳ ص ۶۰ ج ۳ ص ۱۲۹ اصحابی ج ۳ ص ۱۶۰ ابن حجر اور ابن وحید نے بھی تصریح کی ہے کہ حاکم کی تصنیفات ضعیف اور موضوع احادیث پر مشتمل ہیں۔

(غیث الغمام ص ۵۶)

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے مستدرک حاکم کو طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا ہے اس طبقہ کا حال یوں لکھا ہے کہ اس میں موضوع حدیثیں پائی جاتی ہیں اور اس طبقہ کی اکثر حدیثیں فقہاء کے نزدیک قابل عمل نہیں ہیں بلکہ ان کے خلاف پر مسلمانوں کا اجماع ہوگیا ہے۔ (عجالہ نافعہ ص ۷)

سنن الدار قطنی

ذہبی فرماتے ہیں الامام شیخ الاسلام حافظ الزمان۔ امام طبری ابوطیب فرماتے ہیں امیر المؤمنین فی الحدیث۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں وہ زمانہ میں فرد اور امام وقت تھے حدیث اور اس کی علتوں کی معرفت ان پر ختم ہوگئی ہے (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۸۶) لیکن ان کی سنن منکرات سے پر ہے۔ خود مولوی شمس الحق ڈیانوی نے اس کے حاشیہ التعلیق المغنی میں جابجا اس کو بیان کیا ہے۔ (۱) اس کی سند

میں خالد بن ایاس موضوع روایات بیان کرتا تھا ص ۱۱۵، ۸ موضوع حدیثیں بیان کرتا ہے عیسیٰ بن عبداللہ ص ۱۱۴ عمرو بن شمر کثیر الموضوعات۔ اب سوال یہ ہے کہ دار قطنی نے ایسے کذاب اور وضاع راویوں کی حدیثیں کیوں بیان کیں کیا وہ ان کے جھوٹے ہونے سے ناواقف تھے اگر جواب اثبات میں ہے تو ان کی علمیت کو بٹہ لگتا ہے اور اگر جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو من روی عنی حدیثا یری انه کذب فهو احد الکاذبین او کما قال. (مسلم ص) یہ کتاب بھی طبقہ ثالثہ کی ہے۔

بیہقی حافظ ذہبی فرماتے ہیں الامام الحافظ العلامۃ شیخ خراسان (تذکرہ ج ۳ ص ۳۰۹ احسن الکلام ص) امام ابن تیمیہ نے صراحۃً لکھا ہے کہ ان کی تصنیفات میں موضوع حدیثیں ہیں (غیث الغمام ص ۵۶) علامہ ابن قیم نے سنن بیہقی سے چند حدیثیں نقل کر کے لکھا ہے فانها کلها آثار باطلة موضوعة علی رسول اللہ ﷺ (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۱۹۶) یہ بھی طبقہ ثالثہ کی کتاب ہے یہی حال خطیب ابو نعیم وغیرہ کی کتابوں کا ہے (ابن الجوزی) علامہ سخاوی فتح المغیث میں فرماتے ہیں ربما ادرج ابن الجوزی فی الموضوعات الحسن والصحیح مما هو فی احد الصحیحین (اجوبہ فاضلہ ص ۵۲) امام ابن تیمیہ حنبلی کے بارہ میں بھی ہے فانه جعل بعض الاحادیث الحسنة مکذوبة وکثیرا من الاخبار الصحیحة موضوعة (اجوبۂ فاضلہ ص ۵۳) ابن تیمیہ کی اس عادت کا ذکر ابن حجر نے الدرر الکامنہ اور لسان المیزان میں بھی کیا ہے۔

امید ہے کہ غیر مقلدین اب حقیقۃ المحدثین اور روایت محمدی کے نام سے کتابیں شائع کر کے کتب حدیث کی عیب گیری کریں گے۔

صاحب مشکوٰۃ (۱) مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۸ پر ہے بحوالہ مسلم کہ آنحضرت ﷺ نماز کے بعد بصوته الاعلی لا اله الخ پڑھتے مسلم ج ۱ ص ۲۱۸ پر یہ الفاظ نہیں۔

(۲) ج ۲ ص ۵۴۴ معجزات استقبله داعی امرأته بحوالہ ابوداؤد بیہقی۔ حالانکہ

ابوداؤد ج اص ۱۱۷، السنن الکبریٰ ج ۲ص ۹۷ پر داعی امراۃ ہے۔

(۳) باب النهی عنها من البیوع حدیث ابن عمر یہ لکھتے ہیں لو احده فی الصحیحین حالانکہ بخاری ج اص ۲۸۹ مسلم ج ۲ ص ۵ پر حدیث موجود ہے اس لئے میں نے لکھا ہے کہ صاحب مشکوۃ کی تحقیق کمزور ہے۔

(۴) باب الصداق ص ۲۷۷ عبداللہ بن جحش لکھا ہے حالانکہ صحیح عبیداللہ بن جحش ہے۔(ابوداؤد)

(۵) مشکوۃ ص ۳۸۹ پر ایک حدیث ہے عن عبداللہ بن عمر حالانکہ صحیح عمرو ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد میں ہے۔

(۶) مشکوۃ باب القتال فی الجہاد میں عن ثوبان بن یزید ہے حالانکہ صحیح ثور بن یزید ہے (ترمذی) کیونکہ ثوبان بن یزید نامی کوئی صحابی نہیں ہے۔ مشکوۃ ص ۳۵۰ فصل ثانی میں عن یزید بن خالد ہے حالانکہ صحیح زید بن خالد ہے کیونکہ یزید بن خالد کوئی صحابی نہیں۔

التعلیقات

محدثین بعض اوقات اپنی کتابوں میں تعلیقات ذکر کرتے ہیں جیسے موطا کی بلاغات۔ بخاری کی تعلیقات ترمذی کے فی الباب ان میں بعض کی سندیں تو دوسری کتب میں مل جاتی ہیں اور بعض کے متعلق محدثین ماوجدنا کہہ دیتے ہیں منکرین حدیث بھی شاید ان تعلیقات پر افتراء اور باطل طوفان وغیرہ کا عنوان نہیں دیتے۔ محمدی فرقہ کا بانی محمد جونا گڑھی صاحب ہدایہ کی تعلیقات پر لاپتہ باطل۔ باطل۔ افتراء۔ جھوٹ کے عنوانات دیئے ہیں حالانکہ اس دعویٰ پر اس کا فرض تھا کہ عقلی نقلی دلائل پیش کرتا مگر وہ اپنے فرض کو بالکل نباہ نہیں سکا اگر ماوجدنا سے باطل طوفان کا مفہوم نکلتا ہے تو وہی ابن حجر بخاری کی بعض تعلیقات پر ماوجدنا کہتے ہیں اور ترمذی کے فی الباب پر بھی یہی عنوان دے گا کیا انہوں نے بخاری۔ ترمذی۔ موطاً کے بارہ میں بھی

کوئی کتاب شائع کی ہے۔ اصول حدیث میں تعلیقات اور موضوعات کی تعریفیں اور احکام الگ الگ ہیں۔ تعلیق کی تعریف مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۲ ان لفظ التعليق وجدته مستعملا فيما حذف من مبدا اسناده واحداو كثر حتى ان بعضهم استعمله في حذ ف كل الاسناد اور ص ۳۳ پر ہے کہ محدثین اس سے استشہاد کرتے ہیں۔

ادراج

مقدمہ ابن الصلاح ص ۴۵ ص ۲۰ بعض اوقات محدث حدیث رسول اللہ کی وضاحت میں کوئی جملہ کہتا ہے شاگرد اس کو بھی کلام نبوی سمجھ کر اکٹھا بیان کر دیتا ہے اس کو ادراج کہتے ہیں کبھی ادراج کی صورت یہ ہوتی ہے کہ محدث ایک سند سے حدیث بیان کرتا ہے لیکن دوسری سند سے کوئی لفظ زیادہ ہوتا ہے تو محدث دوسری سند بیان کئے بغیر وہ لفظ ساتھ ملا دیتا ہے بعض لوگ اس کو ادراج سمجھ لیتے ہیں اس کو روایت محمدی ص ۱۰ پر حدیثوں میں زیادتی کا عنوان دیا ہے اور اس کی ۲۴ مثالیں ص ۱۸ تک پیش کی ہیں محدثین میں تو یہ اتنا عام ہے کہ خطیب بغدادی نے ایک ضخیم کتاب جمع فرمائی ہے الفصل للوصل المدرج في النقل (مقدمہ ابن الصلاح ص ۴۷) دیکھئے محمد جونا گڑھی یہاں کیا کہتا ہے۔

درایت محمدی ۱۹۲۷ء میں پہلی دفعہ یہ رسالہ شائع ہوا حضرت مولانا عبدالجبار صاحب ابوہریؒ نے فوراً بذریعہ اخبار العدل ۱۷ ستمبر ۱۹۲۷ء ص ۱۰ کالم نمبر ۱ محمد جونا گڑھی کو لکھا کہ ہدایہ کی غلطیاں نکالنا تو بڑی بات ہے مولوی محمد صاحب کو سرے سے ہدایہ آتا ہی نہیں اور انہوں نے کسی سمجھدار عالم سے ہدایہ خود پڑھا ہی نہیں اور نہ ہی سمجھا ہے اگر ان میں ہدایہ سمجھنے اور سمجھانے کی قابلیت ہے تو میں ڈنکے کی چوٹ اعلان کرتا ہوں کہ وہ ایک مشترکہ مجلس میں بیٹھ کر جس میں کم از کم دو عالم غیر مقلد ہوں اور دو عالم حنفی ہدایہ کا ایک سبق پڑھا دیں یا جہاں سے ہم کہیں کم از کم ایک ورق کا مطلب بیان کر دیں۔

گاؤں میں

نماز جمعہ کی

تحقیق

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نماز جمعہ میں بعض شرائط ایسی ہیں جو عام نمازوں میں نہیں ہیں ان میں سے احناف کے نزدیک ایک شرط یہ ہے کہ جمعہ وہاں پڑھا جائے جو حقیقۃً یا حکماً شہر ہو۔ عام (چھوٹے) گاؤں میں نماز جمعہ ادا نہیں ہوتی۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوْا الْبَیْعَ...﴾ الآیہ پ۲۸

اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کو مخاطب کر کے جمعہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جن کا عام کاروبار بیع یعنی تجارت ہو اور اصل پیشہ تجارت اہل شہر کا ہوتا ہے نہ کہ دیہات والوں کا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا خطاب اہل شہر کو ہوتا ہے۔

(۲) قرآن پاک کو سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ سمجھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے (جمعہ فرض ہوا تو) آپ نے اہل مدینہ کو جمعہ پڑھنے کا حکم بھیجا (رواہ دارقطنی۔ التلخیص الحبیر ج۱ ص۱۳۳) آنحضرت ﷺ نے خود مکہ میں نماز جمعہ ادا نہیں فرمائی کیونکہ وہاں اذن عام نہ تھا۔ پھر آپ نے مکہ سے ہجرت فرمائی اور مدینہ کے راستہ میں قبا نامی گاؤں میں پندرہ دن قیام فرمایا اس دوران دو جمعے آئے مگر آنحضرت ﷺ نے نہ خود جمعہ پڑھا اور نہ اہل قباء کو جمعہ پڑھنے کا حکم دیا۔ اگر گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہوتا تو حضرت علیہ السلام خود بھی وہاں جمعہ ادا فرماتے اور اہل قباء کو بھی جمعہ پڑھنے کا حکم فرماتے۔ آپ نے اپنے فعل اور تقریر سے ثابت فرما دیا کہ اہل دیہہ پر جمعہ نہیں۔

(۳) صحیح بخاری شریف ج۱ ص۱۱ باب زیادۃ الایمان ونقصانہ میں ہے کہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے دن نازل ہوئی اس دن جمعہ کا دن تھا۔ اور صحیح مسلم ج۱ ص۳۹۷ باب حجۃ النبی ﷺ میں ہے ثُمَّ اَذَّنَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّی الظُّھْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّی الْعَصْرَ وَلَمْ یُصَلِّ بَیْنَھُمَا شَیْئًا۔ ظاہر ہے کہ جمعہ کے دن آپ نے نماز ظہر ادا فرمائی نماز جمعہ ادا نہیں فرمائی آپ کے ساتھ حج میں

اہل مکہ اور قرب وجوار کے لوگ بھی تھے جو مسافر نہیں تھے آپ نے انہیں بھی نماز جمعہ کی ادائیگی کا حکم نہیں دیا اگر آیت میں ہر جگہ جمعہ ادا کرنے کا حکم ہوتا تو آپ علیہ السلام حکم خداوندی کے خلاف کیوں کرتے۔ اور ایک لاکھ سے زائد حاضرین میں سے کسی ایک کو بھی یہ شبہ نہیں ہوا کہ آیت جب ہر جگہ کے لئے عام ہے تو آج یہاں نماز جمعہ کیوں نہیں ادا کی گئی۔ معلوم ہوا کہ آیت سے ہر جگہ کے مراد لینے کا تصور تک آنحضرت ﷺ کو نہ آیا ہوگا اور نہ صحابہ کرام کو خیال تک آیا۔

(۴) حضرت ابوہریرہؓ حضور علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں۔ خَمْسَةٌ لَا جُمُعَةَ عَلَيْهِمِ الْمَرْأَةُ وَالْمُسَافِرُ وَالْعَبْدُ وَالصَّبِيُّ وَاَهْلُ الْبَادِيَةِ

(ترجمہ) پانچ قسم کے لوگوں پر جمعہ نہیں عورت، مسافر، غلام، بچہ، اہل دیہہ (رواہ الطبرانی فی الاوسط) الحاصل آنحضرت ﷺ کے قول، فعل اور تقریر سے ثابت ہوا کہ اہل دیہات پر جمعہ نہیں۔

(۵) عن علیؓ قَالَ لَاجُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيْقَ اِلَّافِيْ مِصْرٍ جَامِعٍ اخرجه ابوعبيد باسناد صحيح . فتح البارى ج ۲ ص ۳۸۰ واخرجه عبد الرزاق واسناده صحيح. الدرايه ص ۱۳۱ واخرجه ابن ابى شيبه واسناده صحيح. عمدة القارى شرح بخارى ج ۳ ص ۲۶۴ وذكر الامام خواهر زاده في مبسوطه ان ابايوسف ذكره في الاملاء مسندًا مرفوعاً الى النبی ﷺ وابو يوسف امام الحديث حجة البنايه شرح هدايه ج۱ص ۹۸۳)

اس اثر علیؓ کو فتاوی علمائے حدیث ج ۴ ص ۱۴۱۔۱۴۲۔۱۴۳ پر بار بار صحیح تسلیم کیا گیا ہے اور اس کے ایک ایک راوی کا ثقہ ہونا اور اپنے استاد سے سماع ثابت کر کے مفصلاً اس کی صحت ثابت کی ہے امام ابو یوسفؒ ثقہ ہیں اس لئے ان کا مرفوع نقل کرنا زیادت ثقہ ہے پھر وہ مجتہد ہیں اور مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کر لینا اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے۔

پس اس طرح یہ مرفوع حقیقی ہوئی اور دو طرح سے یہ مرفوع حکمی ہے ایک اس لئے کہ یہ خلیفہ راشدؓ کا قول ہے اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين الحديث (ترمذی) دوسرے یہ کہ عام صحابی کا ایسا قول جس

میں اجتہاد کا دخل نہ ہو وہ باتفاق محدثین حکماً مرفوع ہوتا ہے۔ پس یہ مرفوع حقیقی بھی ہے اور حکمی بھی۔ اس صحیح صریح روایت سے مخالفین بہت پریشان ہیں۔ اس لئے:

(ا) کبھی تو نوویؒ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے حالانکہ اس کی تین سندیں ہیں۔۔ زبید ایامی والی۔ طلحہ والی حجاج بن ارطاۃ والی۔ نووی کا قول صرف حجاج بن ارطاۃ والی سند سے متعلق ہے اور وہ بھی بلا دلیل۔ کیونکہ یہ راوی مختلف فیہ ہے جس کی حدیث حسن ہوتی ہے اور پہلی دو سندیں صحیح ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ علماء حدیث والے کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔

(ب) کبھی کہتے ہیں یہ ان کا اجتہاد ہے جو نص قطعی اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ نصوص قطعی کے خلاف قیاس کرنا یا تو کفار و مشرکین کا طریق تھا یا یہود کے احبار کا وطیرہ یا شیطان کے کرتوت۔ اس قیاس کے بعد ان کو خلیفہ راشد کیسے مانو گے۔

(ج) اس سے لاجواب ہونے کے بعد ایک جواب یہ تراشا ہے کہ ”حضرت علیؓ کی عمر کا آخری حصہ دور فسادات اور ہنگاموں کا دور تھا ممکن ہے عراق کی دیہاتی آبادی کے لئے یہ حکم اس لئے دیا گیا ہو کہ وہ مفسدانہ اجتماعات سے بچے رہیں۔ اموی مبلغین کی آتش بیانی دیہاتی ذہن کو ماؤف نہ کر سکے ان حالات میں لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع وقتی مصالح کے مطابق ہو سکتا ہے (فتاویٰ علماء حدیث ج ۴ ص ۳۵) دیکھئے جمعہ کے اجتماع کو مفسدانہ اجتماع کا نام دے کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کو بچانے کے لئے ایک فرض عین پر پابندی لگا دی۔ اس عقل کے کورے سے کون پوچھے کہ خلافت کو صرف گاؤں کے اجتماعات سے کیوں خطرہ تھا اور شہروں کے اجتماعات کیوں خطرہ سے خالی تھے حالانکہ انقلاب حکومت شہروں کے اجتماعات سے متاثر ہوتا ہے نہ کہ دیہات کے اجتماعات سے شاید اتنا بڑا الزام حضرت علیؓ پر خارجیوں نے بھی نہ لگایا ہو۔

(د) پھر کہتے ہیں کہ اس میں نفی کمال ہے۔ اولاً تو نفی کمال معنی مجازی ہے اس کیلئے قرینہ چاہیئے۔ جو یہاں موجود نہیں۔ جس آیت کو قرینہ سمجھا گیا ہے

وہ قرینہ صحیح نہیں مثلاً حدیث لا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَصَاعِدًا میں ہم نفی کمال مراد لیتے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے خود دوسری حدیث میں خداج غیر تمام کہہ کر یہ معنی متعین فرمادیا نیز حدیث میں اِنَّہٗ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِقَرَاءَۃٍ وَلَوْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَمَا زَادَ میں وَلَوْ لا کر نفی کمال کو متعین کردیا۔ تو گویا گاؤں میں جمعہ ادا کرنے کا حکم ایسا ہی ہوا جیسے بغیر فاتحہ کے کوئی اکیلا آدمی نماز پڑھے۔ ہم جو نفی کمال کہتے ہیں ہمارے نزدیک بھی ترک واجب کی وجہ سے وہ نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے تو کیا آپ نے جو حدیث لا جُمُعَۃَ وَلَا تَشْرِیْقَ اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ میں لا سے نفی کمال مراد لیا ہے تو آپ کے نزدیک بھی گاؤں والوں کو دوبارہ شہر میں جا کر جمعہ پڑھنا واجب ہے جیسے ہم کہتے ہیں جس اکیلے نمازی نے فاتحہ کے بغیر نماز پڑھی اسے دوبارہ فاتحہ کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے۔ نفی کمال سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ تو یہ ہے کہ گاؤں والے ایک دفعہ گاؤں میں جمعہ پڑھیں پھر فوراً شہر میں جا کر ادا کریں یہ واجب ہے اور یہ قول دین میں بدعت اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ الغرض یہ صریح حدیث ایسی ہے کہ اس کو تسلیم کیے بغیر چارۂ کار نہیں۔

جواثی میں جمعہ

(۲) جب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں کسی گاؤں میں حضور علیہ السلام کے حکم سے جمعہ شروع نہیں ہوا کسی ایک ہی گاؤں کا نام تو بتاؤ تو کہتے ہیں کہ جواثی نامی گاؤں میں جمعہ پڑھا گیا۔ اس کے علاوہ کسی اور گاؤں کا نام نہیں لیتے۔

عن ابن عباسؓ قال اَوَّلُ جُمُعَۃٍ جُمِعَتْ بَعْدَ جُمُعَۃٍ فِیْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْ مَسْجِدِ عَبْدِ الْقَیْسِ بِجَوَاثٰی مِنَ الْبَحْرَیْنِ.

(بخاری ج ۱ ص ۱۲۲ باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن)

عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں قریۃ من قری البحرین (ابوداؤد) بالفرض اگر یہ جواثی گاؤں ہی ہوتا تو پھر بھی اس حدیث سے استدلال درست نہیں تھا کیونکہ نہ تو اس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ جواثی میں جمعہ پڑھو کہ اس حدیث کو قولی کہا جائے اور نہ ہی یہ ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ جواثی میں خود جمعہ پڑھا کہ اس کو حدیث فعلی کہا جائے اور نہ یہ ہے کہ ان کے جمعہ پڑھنے کی حضور علیہ السلام کو اطلاع پہنچی اور آپ علیہ السلام سن کر خاموش رہے کہ اس کو حدیث تقریری کہا جائے تو یہ مرفوع حدیث کی کوئی بھی قسم نہیں۔ قولی نہ فعلی اور نہ تقریری نہ حکمی کہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے جمعہ کی نماز کو عام نمازوں پر قیاس کر لیا ہو تو ان کا فعل غیر مدرک بالقیاس نہ رہا۔ اگر ذرا غور سے دیکھیں اور غور کریں تو یہ ہماری دلیل ہے۔ اس کو سمجھنے سے قبل چند چیزوں کی تحقیق ضروری ہے۔

(ا) وفد عبدالقیس حضور علیہ السلام کی خدمت میں کب حاضر ہوا۔ بیہقی نے السنن الکبریٰ میں حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وفد عبدالقیس کو نماز، زکوٰۃ، روزہ کے علاوہ بیت اللہ شریف کے حج کا بھی حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ وفد حج کی فرضیت کے بعد آیا اور حج ۶ھ میں فرض ہوا جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں حج کے باب میں لکھا ہے تو گویا یہ وفد یقیناً ۶ھ کے بعد آیا اب کس سال آیا اس میں اختلاف ہے مورخ واقدی ۸ھ بتاتے ہیں اور محمد بن اسحاق ۹ھ (ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۶) اب پہلا جمعہ تو مدینہ منورہ میں پڑھا جاتا تھا اس کے بعد ۸ھ یا ۹ھ میں اسلام عرب کے کئی علاقوں میں پھیل چکا تھا۔ وہ قرآن بھی پڑھتے تھے لیکن کسی گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ نہ کسی نے آیت جمعہ سے گاؤں میں جمعہ پر استدلال کیا نہ حضور علیہ السلام نے ان کو جمعہ ادا کرنے کا حکم دیا آخر ۸ھ یا ۹ھ میں جواثی میں جمعہ پڑھا گیا۔ اگر جواثی گاؤں تھا تو اس کو دوسرے بہت سے گاؤں کے مقابلہ میں کیا فضیلت تھی کہ ان (دوسرے گاؤں) میں جمعہ نہ پڑھا گیا اور یہاں (جواثی میں) جمعہ پڑھا گیا۔

(ب) تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے قبل بھی تجارتی منڈی

تھی جیسا کہ امرؤالقیس نے شعر میں ذکر کیا ہے۔ (آثار السنن ج ۲ص ۸۰) آنحضرتؐ کے صحابہؓ خلافت صدیقؓ میں جواثی کے قلعہ میں محصور ہوئے (آثار السنن ج ۲ص ۸۰) بحوالہ معجم البلدان۔ ابن اثیر نے روایت کیا ہے کہ جواثی شہر ہے جوہری۔ زمخشری اور ابن اثیر نے کہا ہے کہ جواثی قلعہ ہے (حاشیہ بخاری ج ۱ص ۱۲۲ نمبر ۸۔ فتاویٰ علمائے اہلحدیث ج ۴ص ۱۲۳ ج ۴ص ۱۳۹) معلوم ہوا کہ وہ شہر تھا اب مسجد نبوی کے بعد دور نبوت میں کسی گاؤں میں جمعہ نہ پڑھا جانا اور جواثی میں پڑھا جانا واضح دلیل ہے کہ جمعہ صرف شہر میں ادا ہوتا تھا اور پورے دور نبوت میں کسی ایک شخص نے بھی آیت جمعہ یا کسی مرفوع حدیث سے گاؤں میں جمعہ پڑھنے پر نہ استدلال کیا اور نہ گاؤں میں جمعہ پڑھا۔ رہا فتاویٰ علماء حدیث کا یہ فریب کہ حدیث میں آیا ہے کہ جواثی گاؤں تھا تو یہ بالکل جھوٹ ہے۔ نہ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جواثی گاؤں ہے نہ ابن عباسؓ نے نہ کسی تابعی اور تبع تابعی نے کہا کہ جواثی گاؤں ہے۔ یہ قول عثمان بن ابی شیبہ کا ہے جو خود ضعیف راوی ہے (دیکھو میزان الاعتدال ص) پھر اس نے بھی قریہ کا لفظ بولا ہے جو شہر پر بھی بولا جاتا ہے قرآن پاک میں مکہ مکرمہ، طائف، مدینہ منورہ، مصر وغیرہ جیسے شہروں کو قریہ کہا گیا ہے ملاحظہ ہوں آیات ربانیہ۔ ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ پ۲۵ قریتین سے مراد مکہ وطائف ہے۔ ﴿رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا...﴾ پ۵ قریہ سے مراد مکہ ہے۔ ﴿وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا﴾ پ ۱۳ ﴿وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ...﴾ پ ا۔ اس سے مراد شہر مصر ہے۔ قریۃ کے معنی جہاں بستی وآبادی کے ہیں وہاں اس کا اطلاق شہر پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ قریۃ بمعنی شہر۔ بستی گاؤں۔ قریتان مراد مکہ وطائف وقریہ من الانصار مراد مدینہ منورہ (مفتاح اللغات ص ۶۵۸) اس حدیث سے تو بات صاف ہوگئی کہ پورے دور نبوت میں کسی گاؤں میں نماز جمعہ ادا نہیں ہوئی۔ وھو المطلوب۔ نیز قریۃ کے اطلاق سے جواثی کا گاؤں و بستی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اہل عوالی (۷) عن عائشة رضی الله عنها قالت

كَانَ النَّاس يَتَنَابُوْنَ (يوم) الجمعة من منازلهم والعوالى (بخاری ج ۱ ص ۱۲۳) وفي روايته يتناوبون ۔ فتح الباری ج ۲ ص ۳۲۱ عوالی عالیہ کی جمع ہے ان سے مراد وہ گاؤں ہیں جو مدینہ کے مشرق کی طرف دو میل سے لے کر آٹھ میل کی حدود میں آباد تھے (حاشیہ بخاری ص ۱۲۳ نمبر ۱۲) یتنابون کے معنی باری باری آنے کے ہیں۔ عینی حاشیہ بخاری ص ۱۲۳ نمبر ۱۱۔ اب یہ گاؤں والے لوگ باری باری جمعہ پڑھنے آتے تھے ایک جمعہ کو ایک آیا دوسرے جمعہ دوسرا آ گیا اور جو گاؤں میں رہتے تھے وہ ہاں جمعہ نہیں پڑھتے تھے کیونکہ بخاری کی حدیث سے گذر چکا ہے کہ مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ جواثی میں پڑھا گیا اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ۔

نہ گاؤں میں جمعہ فرض ہے نہ شہر میں جا کر پڑھنا فرض ہے ہاں اگر کوئی شہر میں جا کر پڑھ لے تو جمعہ ہو جائے گا۔ دیکھئے نہ تو اہل عوالی خود آیت جمعہ سے یہ سمجھے کہ ہر گاؤں میں جمعہ فرض ہے اور نہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کے مطابق تم پر گاؤں میں جمعہ پڑھنا فرض ہے نہ حضرت عائشہؓ بھی ان کے فعل کو خلاف قرآن فرماتی ہیں صاف ظاہر ہوا کہ اس دور میں کوئی بھی اس آیت سے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنے پر استدلال نہیں کرتا تھا۔ (۸) خلافت صدیق اکبرؓ میں بھی ایک گاؤں کا نام نہیں بتایا جا سکتا۔ جس میں حضرت صدیق اکبرؓ کے حکم سے جمعہ شروع ہوا ہو یا صحابہؓ نے گاؤں میں نماز جمعہ ادا کی ہو۔ خدا جانے اس دور میں قرآن کی آیت کا یہ معنی کسی کو کیوں سمجھ نہیں آیا۔ (۹) دور فاروقی میں بھی کسی ایک گاؤں کا نام نہیں لیا جا سکتا جس میں حضرت عمرؓ نے جمعہ پڑھنے کا حکم دیا ہو۔

(۱۰۔۱) عن عمرؓ قال كُنْتُ اَنَا وَجَاءٌ مِنَ الا نُصَارِفِي بَنِي اُمَيَّةَ بن زيدوهي مِنْ عَوَالِي الْمَدِينَةِ وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُوْلَ عَلٰى رَسول اللهِ ﷺ يَنْزِلُ يَوْمًا وَاَنْزِلُ يَوْمًا اِذَا نَزَلْتُهٗ جِئْتُ بِخَبَرِ ذَالِكَ الْيَوْمَ مِنَ الْوَحْيِ وَغيره وَاِذَا نَزَلَ فِعْلَ مِثْلَ ذٰلِكَ (بخاری ج ۱ ص ۱۹ باب التناوب فی العلم)

اس سے ایک تو باری باری آنے کا مطلب اور مقصد معلوم ہوا۔ پھر یہ حدیث عام ہے ہفتہ کے سب دنوں کو شامل ہے جس میں جمعہ بھی شامل ہے یعنی ایک جمعہ حضرت عمرؓ آتے اور دوسرے جمعہ کو انصاری آتا۔ جس جمعہ کو حضرت عمرؓ تشریف نہ لاتے وہ وہاں بھی جمعہ نہیں پڑھا کرتے تھے کیونکہ مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ جواثی میں پڑھا گیا۔

(۱۰۔ب)قال البیهقی فی المعرفة وحکی اللیث بن سعد ان اهل الاسکندریة و مدائن سواحلها کانوایجمعون الجمعة علی عهد عمرؓ بن الخطاب و عثمان بنؓ عفان بامرهما (التعلیق الحسن ج ۲ص۸۴)

نہ تو امام بیہقی نے لیث بن سعد تک اس کی سند بیان کی ہے اور نہ ہی لیث بن سعد نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا زمانہ پایا ہے اور پھر اس میں ذکر بھی مدائن یعنی شہروں کا ہے گاؤں کا ذکر نہیں کہ شہروں میں ان کے حکم سے جمعہ شروع ہوا۔ کیا شہروں کے علاوہ باقی گاؤں والے آیتِ جمعہ کا یہ معنی نہیں جانتے تھے یا معاذ اللہ وہ مومن نہیں تھے۔

(۱۰۔ج) کہتے ہیں امام بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عمرؓ کو بحرین سے خط لکھا اور جمعہ کے بارہ میں سوال کیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کو لکھا جمعوا حیث ما کنتم۔ اس میں پہلی بات تو سوچنے کی یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ بحرین میں حضرت عمرؓ کی طرف سے حاکم تھے۔ علاء بن الحضرمی کے بعد (آثار السنن ج ۲ ص ۸۳ بحوالہ معجم البلدان) اور حاکم دارالحکومت میں رہتا ہے اور دارالحکومت شہر ہوتا ہے نہ کہ گاؤں...... دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ احادیث کے بھی حافظ تھے۔ اور قرآن پاک بھی پڑھے ہوئے تھے ان کو بحرین میں جمعہ پڑھنے میں تردد کیوں ہوا۔ اور حضرت عمرؓ کو لکھ کر پوچھنا پڑا۔ پھر حضرت عمرؓ نے بھی یہ نہیں لکھا کہ قرآن کی آیت ہوتے ہوئے مجھے لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ معلوم ہوا نہ تو حضرت ابوہریرہؓ ہر ہر جگہ جمعہ کے جواز کے قائل تھے نہ

حضرت عمرؓ حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنی قیامگاہ میں بھی تردد تھا یعنی جمعہ کے بارہ میں۔ تو جواب دیا حضرت تم جہاں حاکم ہو۔ وہاں جمعہ پڑھ لیا کرو۔ اس سے نہ بعبارۃ النص گاؤں میں جمعہ ثابت ہوتا ہے نہ قیاس سے (پتہ نہیں غیر مقلد مسئلہ تراویح اور تین طلاق میں حضرت عمرؓ کو کیوں نہیں مانتے اور یہاں مان رہے ہیں)

(۱۱) حضرت عثمانؓ کے پورے دور خلافت میں ایک گاؤں کا نام بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا جس میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہو۔

(۱۲) حضرت ابو عبیدہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں عید الاضحیٰ جمعہ کے دن آ گئی تو حضرت عثمانؓ نے عید کے بعد اعلان فرما دیا **ان هذا يوم قد اجتمع لكم عيدان فمن احب ان ينتظر الجمعة من اهل العوالي فلينتظر ومن احب ان يرجع فقد اذنت له** (بخاری ج ۲ ص ۸۳۵) ظاہر ہے کہ اہل عوالی اپنے گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھتے تھے: اگر گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہوتا تو حضرت عثمانؓ ان کو کبھی رخصت نہ دیتے۔ یہ اعلان حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کی موجودگی میں عید کے عظیم اجتماع میں کیا کسی ایک صحابیؓ نے بھی اٹھ کر یہ نہیں کہا کہ حضرت آپ ہی تو جامع القرآن ہیں ساری دنیا میں قرآن پھیلا دیا مگر خود آپ کو آیت جمعہ کیوں یاد نہیں رہی۔ (اب یہ مولوی عبدالستار صاحب ہی بتائیں کہ تمہارے نزدیک تو اہل عوالی پر بھی جمعہ فرض ہے تو کیا حضرت عثمانؓ نے فرض ترک کرنے کی اجازت دی تھی اور کیا آپ لوگ انہیں اس اجازت کے مجاز مانتے ہیں۔ تو کس نص صریح سے) اسی طرح جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا **لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع** تو کسی صحابی یا تابعی نے نہیں کہا کہ حضرت آپ تو باب مدینۃ العلم ہیں آپ کا یہ اعلان قرآن اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ خارجی آپ کے سخت مخالف تھے جو آپ کی عیب جوئی کرتے تھے مگر انہوں نے بھی حضرت علیؓ پر اس اعلان کی بناء پر نہ منکر قرآن ہونے کا حکم لگایا نہ منکر فرض ہونے کا۔ ان حقائق کی موجودگی میں ہر آدمی جان سکتا ہے کہ زمانہ نبوت اور زمانہ خلافت راشدہ میں کسی

گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھا گیا۔

(۱۳) عن حذیفۃؓ قال لیس علی اھل القری جمعۃ انما الجمع علیٰ اھل الامصار مثل المدائن (ابن ابی شیبہ) آثار السنن ج ۲ ص ۸۷

حضرت حذیفہؓ کا یہ فرمان حکماً مرفوع ہے کیونکہ اس میں اجتہاد کو دخل نہیں سمجھتے تھے اور نہ کسی اور نے حضرت حذیفہؓ کو یہ آیت سنائی کیونکہ عہد صحابہؓ وتابعین میں کوئی شخص اس آیت کا یہ مطلب نہیں لیتا تھا جو آج کل غیر مقلدین لے رہے ہیں......

(۱۴) امام بخاریؒ بغیر سند کے روایت لائے ہیں کہ حضرت انسؓ زاویہ میں رہتے تھے۔ کبھی جمعہ پڑھتے اور کبھی نہ پڑھتے تھے۔ ج ۱ ص ۱۲۳۔ اگر وہ زاویہ میں جمعہ کو فرض سمجھتے تھے تو چھوڑتے کیوں تھے کیا کوئی ایسی روایت بھی ہے کہ حضرت انسؓ زاویہ میں کبھی فجر کی نماز پڑھتے اور کبھی نہیں پڑھتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے اس کو مفصلاً روایت کیا ہے عن انسؓ انہ کان یشھد الجمعۃ من الزاویۃ وھی علی فرسخین من البصرۃ. فتح الباری ج ۲ ص ۳۲۰ تو اصل بات یہ ہوئی کہ حضرت انسؓ زاویہ نامی گاؤں میں رہتے تھے مگر نہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا فرض سمجھتے تھے اور نہ گاؤں والوں کو شہر میں جا کر جمعہ پڑھنا فرض جانتے تھے۔ جب وہ زاویہ میں رہتے جمعہ کے دن تو جمعہ نہ پڑھتے اور جب جمعہ کے دن بصرہ تشریف لے جاتے تو شہر میں جمعہ پڑھ لیتے۔ یہ ہماری دلیل ہے وہ آیت جمعہ اور احادیث کو جانتے تھے مگر اس آیت سے فرضیت بر اہل گاؤں نہیں سمجھتے۔

(۱۵) عن الحسن ومحمد (بن سیرین) انھما قالا الجمعۃ فی اھل الامصار . رواہ ابن ابی شیبہ واسنادہ صحیح۔ آثار السنن ج ۲ ص ۹۷

دیکھئے امام حسن بصریؒ اور محمد بن سیرین جو دور تابعین میں بصرہ کے مفتی تھے وہ آیت جمعہ پڑھنے اور احادیث کے حافظ ہونے کے باوجود صحابہؓ وتابعین کی موجودگی میں یہی فتویٰ دیا کرتے تھے کہ جمعہ شہروں میں پڑھا جائے گا............

(۱۶) حضرت عطاء بن ابی رباح (صحابہؓ تابعین تبع تابعین کے سامنے) یہی فتویٰ

دیا کرتے تھے کہ جمعہ ایسی جامع بستی میں پڑھنا واجب ہے جہاں امیر اور جماعت اور کئی محلے ہوں (عبدالرزاق) یہ بھی آیت کو عام نہیں لیتے......

(۱۷) کوفہ میں حضرت امام ابراہیم نخعیؒ بھی یہی فتویٰ دیا کرتے تھے (کتاب الآثار امام محمد) الغرض خیر القرون میں تمام مراکز اسلام مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ۔ بصرہ۔ کوفہ کا اس فتویٰ پر اتفاق تھا کہ جمعہ گاؤں والوں پر واجب نہیں۔ شہر والوں پر واجب ہے............

کیا مدینہ منورہ شہر تھا

گاؤں میں نماز جمعہ کو فرض قرار دینے والوں کا دامن دلائل سے بالکل خالی ہے جب وہ دلائل سے عاجز آ جاتے ہیں تو بڑی عجیب وغریب قسم کی باتیں ان کی زبان وقلم پر آتی ہیں چنانچہ ابن حزم کی اندھی تقلید میں کہتے ہیں کہ مدینہ شریف شہر نہیں تھا وہ ایک گاؤں تھا اس لئے گاؤں میں جمعہ ثابت ہو گیا۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ مدینہ کا معنی ہی شہر ہے۔ مدینہ بمعنی شہر۔ (جواہر للغات ص۳۶۲ مفتاح اللغات ص۷۵۴)

اللہ تعالیٰ قرآن میں اس کو مدینہ یعنی شہر فرماتے ہیں حضور علیہ السلام اس کو مدینہ یعنی شہر فرمایا کرتے تھے تمام صحابہؓ۔ تابعین تبع تابعین اور پوری ملت اسلامیہ اس کو مدینۃ الرسول مدینۃ النبیؐ یعنی رسول کا شہر نبی کا شہر کہتی ہے لیکن ایک غیر مقلد کہتا ہے کہ نہ مدینہ شہر تھا اور نہ شہر سلطان شہر ہے (مدینہ کو گاؤں تسلیم کرنے میں اور شہر نہ ماننے میں غیر مقلد اکیلا یعنی اقلیت میں۔ ملائکہ سربسجود ہوئے اور سجدہ نہ کرنے میں شیطان اکیلا اقلیت میں) خدا جانے اس نے یہ کس سے پڑھا ہے کہ نہ مدینہ شہر اور نہ شہر سلطان شہر ہے۔ حضور علیہ السلام مکہ سے ہجرت فرما کر قباء میں تقریباً چودہ پندرہ دن قیام پذیر ہوئے۔ اہل قباء نے درخواست کی کہ آپ ہمارے پاس رہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا میں مدینہ جا رہا ہوں۔ جب آپ مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ کے ہر محلہ و خاندان کے سردار نے حضور علیہ السلام کی میزبانی کی خواہش کا اظہار کیا کہ

حضور علیہ السلام ہمارے پاس قیام فرمائیں چنانچہ بنی سالم۔ بنی ساعدہ۔ بنی حارث، بنی بیاضہ، بنی عدی۔ بنی نجار۔ بنی مازن سب نے آپ کی اونٹنی کو روکنا چاہا مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا چھوڑ دو۔ انما مامورۃ (ابن ھشام) یہاں یہ نہیں فرمایا کہ یہ مدینہ نہیں میں مدینہ جا رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ المدنی فرماتے ہیں ہمارے گھر دور سلع کے پاس تھے ہم نے (مسجد کے) قریب آباد ہونے کی کوشش کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تمہارے قدموں کے نشانات پر بھی ثواب ملتا ہے اور یہ سلع مسجد نبوی سے ایک میل پر ہے جس کی آبادی ایک میل تک پھیلی ہو اس کو بھی غیر مقلد شہر ماننے کے لئے تیار نہیں۔ پھر حضور علیہ السلام نے اہل مدینہ کو حکم فرمایا کہ اپنے اپنے محلوں میں مساجد تعمیر کرو (ابوداؤد) تو اہل مدینہ نے نو مسجدیں تعمیر کیں۔ مسجد بنی عمرو۔ مسجد بنی نجار۔ مسجد بنی ساعدہ۔ مسجد بنی عبید۔ مسجد بنی سلمہ۔ مسجد بنی راجح۔ مسجد بنی زریق۔ مسجد بنی غفار۔ مسجد جہینہ۔ مراسیل ابوداؤد۔ مولوی عبدالستار نے شہر سلطان کو بھی شہر ماننے سے انکار کیا ہے حالانکہ اس شہر میں بھی کئی محلے اور مساجد موجود ہیں۔ شہر سلطان کی مشہور مساجد یہ ہیں مسجد مہاجرین والی۔ مسجد لوہاراں والی۔ مسجد درکھاناں والی۔ مسجد قاضیاں والی۔ مسجد عالم پیر بخاری والی۔ مسجد مولوی مشتاق والی۔ مسجد تبلیغی جماعت والی۔ مسجد تھانہ والی۔ مسجد عیدگاہ اڈہ والی۔ یہ سب مسجدیں احناف کی ہیں غیر مقلدین کی ایک مسجد بھی نہیں شاید اس لئے مولوی صاحب نے شہر سلطان کو شہر ماننے سے انکار کیا ہے۔ الغرض جس مدینہ میں اتنے محلے اور مساجد ہوں اگر اس کو شہر نہ کہا جائے تو اور کس کو شہر کہا جائے گا۔ ہاں وہاں مدینہ منورہ میں روپڑ اور امرتسر کی طرح سکھوں کے گوردوارے نہیں تھے شاید غیر مقلدین کے نزدیک شہر کے لئے یہ بھی شرط ہو۔ جو مدینۃ النبی علیہ السلام میں واقعی مفقود ہے۔

ایک اور بہانہ

جب اور کوئی بات نہیں بنتی تو کہتے ہیں کہ احناف میں شہر کی تعریف میں اختلاف ہے اس لئے ہم یہ شرط نہیں مانتے......

یہ دلیل غیر مقلدین نے بڑے بھائیوں سے چرائی ہے ایک فریق کہتا ہے قرآن کی قرأتوں میں اختلاف ہے اس لئے ہم قرآن کو نہیں مانتے۔ خدا کی صفات کے بارہ میں اختلاف ہے کہ عین ذات ہیں یا غیر اس لئے ہم خدا کو نہیں مانتے کوئی کہتا ہے صحابہؓ میں اختلاف ہے اس لئے ہم صحابہؓ کو نہیں مانتے۔ کوئی کہتا ہے۔ مسائل نماز میں اختلاف ہے اس لئے ہم نماز نہیں پڑھتے۔ کوئی کہتا ہے حدیث اور اہل حدیث میں اختلاف ہے اس لئے ہم حدیث اور اہل حدیث کو نہیں مانتے۔ مرزا کہتا ہے مسیح کے بارہ میں اختلاف ہے کہ جب وہ آسمان پر اٹھائے گئے وہ بیدار تھے یا نیند میں یا حالت موت میں۔ اس لئے پہلے یہ فیصلہ کر لو ورنہ ہم مسئلہ حیات مسیح کو نہیں مانتے۔ حالانکہ غیر مقلدین کا دعویٰ یہ ہے کہ اختلاف کے وقت ہم قرآن وحدیث سے فیصلہ لیتے ہیں تو ان کا فرض تھا کہ وہ قرآن یا حدیث سے جامع مصر کی جامع مانع تعریف بیان کر دیتے ہم ان کے علم و تحقیق کی داد دیتے مگر غیر مقلد کا کام ہی بلا دلیل دعوے کرتے جانا ہے اور بس جب قرآن وحدیث میں مصر کی تعریف مذکور نہیں تو اس کا مدار عرف پر ہے۔ عرف میں اختلاف مکان۔ زمان کے اعتبار سے ہو جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شہر وہ ہے جس کو عرف میں شہر کہا جائے۔ اب ہر زمانے اور علاقے والوں نے اپنے اپنے عرف کا بیان فرما دیا۔ یہ اختلاف عنوان ہے۔ اختلاف معنون نہیں۔ مولوی صاحب حدیث صحیح کی تعریف میں پندرہ اختلاف ہیں وہاں کیا حکم ہے کہ حدیث صحیح کو ہی چھوڑ دیا جائے گا۔ خدا ایسی جہالت سے محفوظ رکھے..... مولوی عبدالستار صاحب غیر مقلد نے اپنی جہالت کو مزید واضح کرنے کے لئے علم اصول کا بھی غلط استعمال کیا ہے۔ مولوی صاحب آپ اصول فقہ کو سمجھتے ہی نہیں اس لئے خواہ

مخواہ معقولات میں دخل نہ دیا کریں۔ جس کا کام اسی کو ساجھے اور کرے تو ٹھینگا باجے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ حنفیہ کا اصول ہے کہ عام آیت قطعی کو خبر واحد سے مخصوص نہیں کیا جاسکتا۔ اس بے چارے کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ حنفیہ کے نزدیک یہ آیت مطلق ہے ہی نہیں چنانچہ برہان شرح مواہب الرحمٰن میں ہے ان قولہ تعالیٰ ﴿فاسعوا الی ذکر اللہ...﴾ لیس علی اطلاقہ اتفاقابین الآئمۃ اذ لایجوز اقامتھا فی البوادی اجماعا۔ تو یہ آیت باجماع امت عام نہیں ہے۔ جب اس کی تخصیص ہو چکی تو اب خبر واحد سے تخصیص بالکل جائز ہے لیکن مولوی صاحب کو اصول کی کیا خبر ہے۔

وائے فرقہ کہ ہمت شاں

جملہ کیا دی و دغا باشد

مولوی صاحب آپ نے آیت جمعہ کو عام بھی کہا پھر ابوداؤد کی حدیث سے غلام۔ عورت۔ مریض اور بچے کو مخصوص بھی کر لیا۔ کیا یہ تخصیص آپ نے خبر واحد سے کی ہے یا حدیث متواتر سے۔ اور آپ نے ابوداؤد سے حدیث تو نقل کر دی مگر ابوداؤد نے جو اس کے بعد طارق بن شہاب کے بارہ میں لکھا ہے کہ طارق بن شہاب نے حضور اکرم ﷺ سے کوئی حدیث نہیں سنی، یہ آپ نے نقل نہیں کی۔ کیا لا ایمان لمن لا امانۃ لہ یاد نہیں رہی اسی لئے اذا اؤتمن خان پر عمل کر لیا...... اس کے بعد ایک یہ اصول لکھا ہے کہ موقوف مرفوع کے مقابلے میں حجت نہیں۔ یہاں بھی دھوکا ہی دیا ہے یہ موقوف تو حکما مرفوع ہے اور اس کے مقابل مرفوع تو کجا کوئی صحیح السند موقوف بھی نہیں۔ یہ فریب کی عادت آپ چھوڑنے کے لئے کیوں تیار نہیں ہیں۔

جمعہ بعد عید

ہماری طرف سے دو مسائل تھے دوسرا عنوان دلائل نماز جمعہ نمبر ا پر اثر علیؓ نمبر ۲ پر اعلان عثمانؓ درج تھا۔ مگر مولوی صاحب نے اپنی جہالت سے اس کو تیسرا مسئلہ

بنالیا۔ کہ جمعہ کے دن عید آ جائے تو عید ہی پڑھ لے جمعہ پڑھنے کی ضرورت نہیں آپ تو آیت جمعہ کو نص قطعی اور عام کہہ رہے تھے اور ہم سے ناراض ہو رہے تھے کہ خبر واحد سے تخصیص کیوں کی۔ جو آپ کی بے سمجھی تھی۔ مگر عید کے دن کے جمعہ کی فرضیت آپ نے جس حدیث سے ساقط کی ہے کیا وہ متواتر ہے یا مشہور۔ وہ تو خبر واحد بھی صحیح نہیں۔ ہم تو غیر مقلد کا معنیٰ سمجھتے تھے جو کسی کی نہ مانے اور مولوی عبدالستار کی تحقیق تحریر پڑھ کر پتہ چلا کہ غیر مقلد وہ ہوتا ہے جو اپنی بات پر بھی قائم نہ رہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ کی جو حدیث نقل کی ہے اس کی سند میں ایاس بن رملہ مجہول راوی ہے (تقریب) اور آپ کے نزدیک مجہول روایت مردود ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت جو نقل کی ہے اس کو امام احمد اور دار قطنی مرسل کہتے ہیں۔ التلخیص الحبیر ج ا ص ۱۴۶ جو آپ کے نزدیک حجت نہیں۔ تراویح کی بحث میں تو آپ مرسل معتضد کو بھی حجت نہیں مانتے اور یہاں اپنی مطلب براری کے لئے مرسل (وہ بھی) غیر معتضد بھی حجت بن گئی ہے۔ تیسرے نمبر پر حضرت ابن زبیرؓ کا فعل نقل کیا ہے مگر جملہ عاب ذالک علیہ الناس نقل ہی نہیں کیا۔ مستدرک حاکم ج ا ص ۲۹۶: اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ و تابعین عید کے بعد جمعہ پڑھنا ضروری جانتے تھے اگر آپ کی پیش کردہ حدیثیں صحیح بھی ہوتیں تو بھی ان احادیث کا وہ مطلب صحیح ہوگا جو دوسری حدیث کے مخالف نہ ہو۔ عن عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ قال اجتمع عیدان علیٰ عهد النبی ﷺ فقال من احب ان یجلس من اهل العالیة فلیجلس فی غیر حرج۔ مسند امام شافعی ص ۴۴۔ یہ مرسل ہے اور حضرت عثمانؓ کے اعلان سے معتضد ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ رخصت نبی علیہ السلام نے اور بعد میں حضرت عثمانؓ نے سب کے سامنے صرف گاؤں والوں کو دی تھی کیونکہ ان پر جمعہ فرض نہیں تھا۔

تمت بالخیر

..........واللہ یهدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم..........

حضرت پیرانِ پیر

اور

غیر مقلدین

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ اور غیر مقلدین

حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانیؒ اہل السنت والجماعت بزرگ تھے

فرماتے ہیں۔

(۱) ہر ایک مومن کو سنت و جماعت کی پیروی کرنی واجب ہے پس سنت اس طریقہ کو کہتے ہیں جس پر رسول خدا ﷺ چلے اور جماعت وہ بات ہے جس پر چاروں اصحابوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اتفاق کیا ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۱۲۱)

(۲) آنحضرت ﷺ نے فرمایا اخیر زمانہ میں ایسا گروہ پیدا ہوگا کہ وہ صحابہؓ کے رتبوں کو کم کرے گا خبردار تم نے ان کے ساتھ ہرگز کھانا پینا نہیں ہرگز ان کے ساتھ نکاح کرنا کرانا نہیں اور ان کے ساتھ نماز بھی نہیں پڑھنی اور ان پر نماز جنازہ بھی نہیں پڑھنی اور ان پر لعنت کرنی حلال ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۱۲۰)

(۳) سب اہل السنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ نبیوں کے معجزے اور ولیوں کی کرامتیں حق ہیں۔ (غنیۃ الطالبین ص ۱۲۱)

(۴) اہل السنت والجماعت میں آپ ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد تھے خود فرماتے ہیں قال الامام ابو عبداللہ احمد بن حنبل الشیبانی اماتنا اللہ علیٰ مذھبہ اصلاً و فرعاً واحشرنا فی زمرتہ. (غنیۃ الطالبین ص ۴۳۱)

نوٹ: اصول و فروع میں کسی کی تقلید کرنا اور مذہب کی نسبت اپنے امام کی طرف کرنا یہی تقلید شخصی ہے۔

(۵) فرماتے ہیں ”جن مسائل میں علماء اور فقیہ لوگوں کا اختلاف ہے ان میں رد و انکار کرنا جائز نہیں مثلاً کوئی آدمی امام ابو حنیفہؒ کی پیروی میں ایک عورت سے نکاح کرتا ہے جس کا کوئی ولی نہیں ہے یا نبیذ انگور اور خرما پیتا ہے تو اس صورت میں جو شخص امام شافعیؒ کے مذہب میں ہے اس پر واجب نہیں کہ اس پر رد و انکار کرے امام احمدؒ سے روایت ہے آپ نے فرمایا فقیہ آدمی کو یہ جائز نہیں کہ جو مسلمان دوسرے امام کے پیرو ہوں ان کو

اپنے مذہب میں لانے کے واسطے اُن پر سختی کرے اور جو امر اجماع کے خلاف کیا جاتا ہو اس سے منع کرنا واجب ہے (غنیۃ الطالبین ص۹۴) اصل الفاظ یہ ہیں۔

اما اذا کان الشئی مما اختلف الفقہاء فیہ وساغ فیہ الاجتہاد کشرب عامی النبیذ مقلدًا لابی حنیفۃ و تزوج امرأۃ بلا ولی علیٰ ما عرف من مذھبہ لم یکن لاحد ممن ھو علیٰ مذھب الامام احمد و الشافعی الانکار علیہ۔

حضرت نے فرمایا جن مسائل میں اجماع ہے ان کا خلاف کرنے والے پر انکار واجب ہے اور جن مسائل میں ائمہ کا اختلاف ہے اُن میں انکار جائز نہیں خصوصاً حنفی مقلد پر انکار جائز نہیں حضرت نے مذاہب کی نسبت بھی ائمہ کی طرف فرمائی ہے اور تقلید کرنے والے پر ردّ و انکار کو ناجائز فرمایا ہے۔

نوٹ: جو غیر مقلدین غنیۃ الطالبین سے حنبلی فقہ کے مسائل احناف کو سنا کر ان پر ردّ و انکار کرتے ہیں وہ حضرت کے بھی منکر ہیں اور اصول سے بھی منحرف ہیں حنفی کو صرف فقہ حنفی کے مفتی بہ قول سے قائل کرنا چاہیئے۔

(۶) حضرت پیران پیر فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہو تو یہ کہے "خداوندا تحقیق تو نے اپنی کتاب میں اپنے پیغمبر کو فرمایا ہے کہ اگر لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور پھر وہ تیرے پاس آ جائیں اور اللہ سے بخشش اور رسول کے واسطے سے بخشش کی درخواست کریں تو خدا تعالیٰ کو بخشنے والا اور مہربان پائیں گے اور اس میں شک نہیں کہ میں تیرے پیغمبر کے پاس اپنے گناہوں سے لوٹ کر واپس آیا ہوں اور تیری بخشش کا طلبگار ہوں پس میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو میرے لئے ایسی ہی بخشش واجب کر جیسی تو نے اس شخص کے لئے کی تھی جو آنحضرت ﷺ کی حیات میں آپ کے پاس آیا تھا اور اپنے گناہ لئے ہوئے اس کے پاس کھڑا ہوا اور پیغمبر نے اس کے لئے دعا کی اور تو نے اس کو بخش دیا اے اللہ میں

تیرے پیغمبر کے وسیلہ سے اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تا کہ وہ میرے گناہوں کو بخش دے۔ اے اللہ میں تیرے پیغمبرؐ کے طفیل تجھ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھ کو بخش دے اور مجھ پر رحمت کر۔ (ص ۳۲)

اللّٰھم انی اتوجه الیک بنبیک علیه سلامک نبی الرحمة یا رسول اللہ انی اتوجه بک الیٰ ربی لیغفرلی ذنوبی.

(۷) اور حضرت ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ کے مزار پر کھڑا ہو کر کہے۔

السلام علیکما یا صاحبی رسول اللہ ورحمة اللہ وبرکاته السلام علیک یا ابابکر الصدیق السلام علیک یا عمر الفاروق (ص ۳۴۔ مدینہ میں داخل ہونے کا بیان)

(۸) نیز حضرت فرماتے ہیں **بک تنکشف الکروب وبک تسقی الغیوث وبک تنبت الزروع وبک یدفع البلاء والمحسن عن الخاص والعام** (فتوح الغیب) تیرے وسیلہ سے سختیاں دور ہوں گی اور تیرے طفیل مینہ برسیں گے زراعتیں ہوں گی اور تیرے وسیلہ سے خاص و عام کی بلائیں دور ہوں گی۔

(۹) نیز فرماتے ہیں کہ ”اور ہمارا ایمان ہے کہ اگر کوئی میت کی زیارت کے واسطے جاوے تو وہ اس کو پہچانتی ہے اور یہ پہچان جمعہ کے دن سورج نکلنے کے بعد اور اس کے ڈوبنے تک زیادہ رہتی ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۱۰۳)

عذاب کا بیان

(۱۰) منکر نکیر کے سوال کے وقت مردے میں جان ڈال دی جاتی ہے اور اسے اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے۔ (ص ۱۰۳)

(۱۱) گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ شریف پڑھ کر میت کو ایصال ثواب کرے اور یہ تحفہ ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۷۴)

وضوء کا بیان

(۱۲) وضو آپ فرماتے ہیں کہ وضو میں دس فرائض ہیں اور دس سنتیں ہیں اور وضو کی نیت زبان سے کرنا افضل ہے۔ وضو میں گردن کا مسح بھی سنت ہے۔ ص ۲۰، ص ۵۵ اور مستحب ہے کہ وضو کے ہر عضو پر دعائیں پڑھے۔ ص ۵۵

(۱۳) آپ فرماتے ہیں کہ نماز میں شرائط چھ، ارکان پندرہ، واجبات نو، سنتیں چودہ ،اور شکلیں پچیس ہیں۔ ۲۰ ص ۲۱

(۱۴) (نماز) امام نیت دل میں کرے اور اس کو زبان سے بھی ادا کرے تو یہ طریق بہتر ہے ص ۴۲۸ اور مقتدی کو پیروی کرنے کے واسطے نیت کرنی واجب ہے ص ۴۳ قضا پڑھنے والا قضا کی نیت کرے ص ۴۲۳ پھر سبحانک اللھم پڑھے ص ۴۲۳ اور جب امام قرأت پڑھنے لگے تو مقتدی خاموش رہے اور جب امام ولا الضالین کہے۔ ص ۴۳۱ آمین بالجہر اور رفع یدین رکوع کی نہ تو شرائط نماز میں ہے نہ فرائض میں نہ واجبات میں نہ سنتوں میں بلکہ ہیئات میں سے ہے۔ جن کے چھوڑنے سے نہ نماز باطل ہوتی ہے اور نہ سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ ص ۲۲۔

اور اگر امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو تو خاموشی سے اس کی قرأت کو سنے اور سمجھے۔ ص ۴۲۳ رکوع میں سبحان ربی العظیم پڑھے رکوع کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ وربنالک الحمد۔ سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ ص ۴۲۳، ۴۲۴۔ فالراجح من یرفع یدیہ الی اللہ اذا فرغ من الصلوۃ المکتوبۃ والخاسر ھوالذی خرج من المسجد بلا دعاء ص ۹۵۴۔

نماز تراویح کی بیس رکعتیں ہیں

اور ہر دوسری رکعت پر بیٹھے اور سلام پھیرے اور تراویح پانچ ہیں جس میں سے ہر چار کو ترویحہ کہتے ہیں (غنیۃ الطالبین ص ۲۹۴) قیام اللیل رات بھر وہ آدمی قیام کر سکتے ہیں جو مضبوط اور طاقتور ہوتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ ساری رات بیدار رہتے

اور رات میں ایک قرآن پاک ختم کرتے چالیس تابعین ایسے تھے کہ انہوں نے عشاء کے وضو سے ہی صبح کی نماز پڑھی ان میں مشہور آدمی یہ تھے سعید بن جبیر۔ صفوان بن سلیم محمد بن منکدر یہ اہل مدینہ سے تھے فضیل بن عیاض اور وہب اہل مکہ سے تھے طاؤس وہب بن منبہ اہل یمن سے تھے ربیع اور حکم اہل کوفہ سے ابو سلیمان رازی اور علی بن جعد یہ اہل شام سے تھے ابو عبداللہ خواص اور ابو عاصم یہ اہل عبادان سے تھے۔ حبیب ابو محمد ابو جابر سلیمانی یہ اہل فارس سے تھے مالک بن دینار۔ یزید رقاشی حبیب بن ابی ثابت یحییٰ بکا اہل بصرہ سے تھے۔ (ص ۲۹۳) غ

جنازہ جو آدمی نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہو اور کچھ نہ پڑھے اور دونوں طرف سلام پھیر دے تو اس صورت میں نماز جنازہ جائز ہے۔ ص ۴۴۹ غ

تلقین اور سماع موتی جب کوئی آدمی فوت ہو جائے اور تم اس کی قبر کو برابر کر چکو تو اس کے بعد ایک آدمی تم میں سے اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو جائے اور کھڑا ہو کر یہ کہے اے فلاں بن فلاں عورت کے لڑکے۔ اس آواز کو وہ سنتا ہے جواب نہیں دیتا پھر دوسری دفعہ کہے اے فلاں بن فلاں عورت کے لڑکے یہ آواز سن کر وہ قبر میں اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ پھر تیسری دفعہ بھی ایسا ہی کہے اس کے جواب میں میت کہتی ہے کہ تو نے مجھے سیدھی راہ سکھائی اللہ تجھ پر رحمت کرے مگر اے لوگو میرا کہنا تم کو سنائی نہیں دیتا الخ غنیۃ الطالبین ص ۴۵۷ قبل ہفتہ کے دنوں اور راتوں کی نماز کے بیان کے اہل سنت اصحاب الحدیث بدعتی کی نشانی یہ ہے کہ وہ محدثین کی تحقیر کرتا ہے ص ۱۲۲ چنانچہ غیر مقلدین امام المحدثین۔ امام اعظمؒ۔ امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ۔ امام طحاویؒ۔ محدث خوارزمی امام حماد۔ امام ابراہیم نخعیؒ وغیرہ محدثین کی تحقیر کرتے ہیں اور تمام مقلد محدثین کو مشرک اور بدعتی جانتے ہیں حضرت پیران پیرؒ تو خود مقلد ہیں۔ اور ائمہ کی تعظیم کرتے ہیں۔

حدیث: ایک دن ابلیس نے اپنی مقعد میں اپنی دم داخل کی اور سات انڈے دیے۔

جن سے سات بچے نکلے اور ہر ایک ان میں سے اولاد آدم کو بہکانے پر مقرر ہوا۔ دوسرے شیطان کا نام حدیث ہے اس کی تقرری نمازیوں پر ہوئی ہے ان سے نماز پڑھنی بھلاتا ہے ان کو کھیل میں لگاتا ہے (کبھی ڈاڑھی سے کھیل رہے ہیں کبھی ناک سے چوہے نکال رہے ہیں وغیرہ) اور بہکاتا ہے اور جمائی اور اونگھ ان پر لاتا ہے اور ان میں یہاں تک ان کو مبتلا کرتا ہے کہ وہ سو جاتا ہے الخ ص ۱۴۷۔

نوٹ: غیر مقلدین کو بھی انگریز نے نمازیوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنے کے لئے مقرر کیا اور ۱۸۸۸ء میں نام اہل حدیث رکھا۔ واھل السنة یعتقدون ان الله یجلس رسوله ونبیه المختار علی سائر رسله و انبیائه معه علی العرش یوم القیامة ص ونؤمن بان النبی ﷺ رأی ربه عزوجل لیلة الاسریٰ بعینی راسه لا بفواده ولا فی المنام ص ۱۵۹

حضرت مقبولین بارگاہ کے بارے فرماتے ہیں فیلون من امناً الله وشهدائه وادتاد ارضه عباده وبلاده واحبائه واخلائه (غنیۃ الطالبین ص ۹۷۷)

نیز فرماتے ہیں فلا بدلکل مرید عزوجل من شیخ علی ماببناه.

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ ۵۶۱ھ نسباً فاطمی اور عقیدۃً حنبلی تھے (اختلاف امت کا المیہ ص ۳۳۸)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین میں بڑے عالمانہ انداز میں شیعوں کا تعاقب کیا ہے ص ۳۴۳

غنیۃ الطالبین حنبلی مذہب کی ایک انسائیکلوپیڈیا ہے مگر اس کتاب میں بھی یاران طریقت نے تصوف کے باب کے عنوان سے ایسی پیوندکاری کی ہے۔ جس کا جواب نہیں ایک معمولی سی بھی دینی سمجھ بوجھ رکھنے والا اور معمولی سی علمی مہارت رکھنے والا آدمی بیک نظر اس بات کا اندازہ لگا لیتا ہے کہ اصل غنیۃ الطالبین کا مصنف کوئی پرہیزگار متبع سنت زاہد اور عالم شخص ہے اور اس تصوف کے باب کا مصنف کوئی کودن

طبع حواس باختہ ذہنی آوارگی کا مریض اور کم علم آدمی ہے فقروں کی بندش الفاظ کی نشست اور مفہوم کی ادائیگی میں بیّن فرق کے علاوہ نفس مضمون میں ہزاروں فرسنگوں کا فرق ہے کہاں کتاب وسنت کی شمیم آمیز اور نکہت بار خوشبوؤں کی مہک اور کہاں پراگندہ ذہنی کے سنڈاس سے اٹھنے والے بھبکے...... شیعوں نے آپ کی اس تصنیف میں تصوف کا باب بڑھا کر آپ کی تعلیم کو مسخ کرنے کی کوشش کی (اختلاف امت کا المیہ ص ۳۳۱) گویا غنیۃ الطالبین سنی شیعہ کی کتاب ہے اس میں عطر کے ساتھ سنڈاس بھی ہے اس کا مصنف کتاب وسنت کا ماہر بھی ہے اور کودن طبع۔ حواس باختہ۔ ذہنی آوارگی کا مریض اور کم علم بھی ہے۔ معاذ اللہ۔

یہ ہے پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کی کتاب سے لامذہب غیر مقلدوں کا معاملہ۔

حجیت قیاس شرعی

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا
محمد امین صفدر
اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

قیاس شرعی

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) وہ لوگ جو اولو الالباب، اولوالابصار۔ اہل الذکر۔ فقہاء اہل استنباط ہیں ان کو حکم دیا ہے ﴿فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارُ﴾ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنی تفسیر الاکلیل میں فرماتے ہیں الاعتبار ھو القیاس۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور حافظ عینیؒ بھی شروح بخاری میں فرماتے ہیں والقیاس ھو الاعتبار والا عتبار مامور به فالقیاس مامور به و ذالک قوله تعالیٰ ﴿فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِي الْاَلْبَابُ﴾ فکان حجة (حاشیہ بخاری ج ص ۱۰۸۶ ف ع)

(۲) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اولوالامر کے متعلق فرمایا ﴿لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ...﴾ (النساء) اور استنباط کا معنی یہ ہے کہ کنواں کھود کر زمین کی تہ میں جو پانی خدا تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اس کو ظاہر کر دینا اسی طرح مجتہد کتاب وسنت کے الفاظ کی تہ میں جو خدا رسولؐ کے احکام پوشیدہ ہوتے ہیں ان کو ظاہر کر دیتا ہے القیاس مظھر لامثبت پس مجتہد کا کتاب وسنت سے احکام کا استنباط کرنا اجتہاد ہے اور غیر مجتہد کا ان کے احکام مستنبطہ کی طرف رجوع کرنا تقلید ہے۔

(۳) ﴿وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَافَّةً. فَلَوْ لَا نَفَرَمِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْاقَوْ مَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ﴾ (التوبہ) علامہ سرخسیؒ مبسوط کے دیباچہ میں فرماتے ہیں ان اللہ جعل ولایة الانذار للفقهاء اور خود آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں نضر اللہ عبداً اسمع مقالتی فوعاها ثم اداها الی من لم یسمعها فرب حامل فقه لا فقه له ورب حامل فقه الی من هو افقه منه الحدیث (دارمی ج ۱ ص ۷۵ واللفظ لابن ماجہ ص ۲۱ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۸۶ وقال الحاکم والذهبی علیٰ شرطهما مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۳۹ وقال الهیثمی رجال موثقون۔ امام حاکم فرماتے ہیں یہ حدیث مشہور ہے معرفۃ علوم الحدیث ص ۹۲ علامہ سیوطی فرماتے ہیں یہ متواتر ہے

(مفتاح الجنۃ ص ۵) نواب صدیق حسن فرماتے ہیں یہ حدیث سولہ صحابہ سے مروی ہے (الحرز المکنون ص ۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حدیث سے اصل مقصود فقہ ہے اور فقہ صرف الفاظ حدیث یا لفظی ترجمہ کا نام نہیں بلکہ اس کا معنی ہے الشق والفتح یعنی وہ فقہی مسائل کا استخراج فرمائیں اور اپنے فقہی مسائل کو واسطہ انذار بنائیں چنانچہ فقہاء صحابہ کے ہزاروں فتاویٰ مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہیں انہی فقہی فتاویٰ پر عمل کرنے کو تقلید کہتے ہیں بہرحال خدا اور رسولؐ کے نزدیک قرآن وحدیث میں فقیہ کا فہم حجت ہے نہ کہ عوام کالانعام کا۔

(۴) عن عَمرِو بن العاص وابی هریرةؓ اَنّهٗ سَمِعَ رسول اللهﷺ يَقُوْلُ اِذَاحَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهِدْفَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدْ ثُمَّ اَخْطَاءَ فَلَهٗ اَجْرٌ.

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۹۲ مسلم ج ۲ ص ۷۶ نسائی ج ۲ ص ۲۶۲ ترمذی ص ۲۱۹ ابوداؤد ج ۲ ص ۷۰)

قال العلماء اجمع المسلمون ان هذا الحديث فى حاكم عالم اهل للحكم فان اصاب فله اجران اجر باجتهاده واجرباصابته وان اخطاء فله اجر باجتهاده ...... قالوا فاما من ليس باهل للحكم فلايحل له فان حكم فلا اجرله بل هوآثم ولا ينفذ حكمهٗ سواءٌ وافق الحق ام لا لان اصابته اتفاقية ليست صادرة عن اصل شرعى فهوعاص فى جميع احكامه سواء وافق الصواب ام لاوهى مردودة كلها لا يعذر فى شئى من ذلك وقدجاء فى الحديث فى السنن القضاة ثلاثة قاضٍ فى الجنة واثنان فى النار قاض عرف الحق فقضى به فهوفى الجنة وقاض عرف الحق فقضىٰ بخلافه فهوفى النار وقاض قضى على جهل فهوفى النار .

(نووی ج ۲ ص ۷۶)

امام نووی تہذیب الاسماء میں داؤد ظاہری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔
قال امام الحرمین ذهب الیه اهل التحقیق ان منکری القیاس لا یعدون من علماء الامة وحملة الشریعة لانهم معاندون مباهتون فیما ثبت استفاضة وتواترا لان معظم الشریعة صادرة عن الاجتهاد ولا تفی النصوص بعشر معشار هاو هؤلاء ملتحقون بالعوام"

اس سے معلوم ہوا کہ منکرین قیاس نہ اولو الامر ہیں نہ اولوالالباب۔
حدیث بخاری سردار نے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اور ماتحت صحابہ نے قیاس کیا کہ آگ سے بچنے کے لئے ہی تو ہم ایمان لائے ہیں۔ اب بھی ہم آگ میں کیوں کودیں۔ آنحضرت ﷺ نے ظاہر پرستی کے مقابلہ میں قیاس کو سراہا۔
وکیع کا جو قول ترمذی نے لکھا ہے وہ تبع تابعی ہے دوسرے اس کو امام کا مسلک مکمل معلوم نہیں مثل حدیث ابن مسعودؓ کے نماز میں شیطان کا حصہ داخل نہ کر لینا۔

(۵) عن ابی هریرةؓ اَنَّ اَعْرَابِیًّا اَتیٰ رسول اللّٰہ ﷺ فقال اِنَّ اِمْرَأتِیْ وَلَدَتْ غُلَاماً اَسْوَد وانِّیْ اَنْکَرْتُهٗ فقال له رسول اللّٰہ ﷺ هَلْ لَکَ مِنْ اِبِلٍ قال نعم قال فَمَا اَلْوَانُهَا قال حُمْرٌ قال فَهَلْ فِیْهَا مِنْ اَوْرَقٍ قال اِنَّ فِیْهَا اَوْرَقاً قال فَاَنّٰی تَریٰ ذٰلِکَ جَآئَهَا قال یا رسول اللّٰہ عِرْقٌ نَزْعَهَا قال ولعل هٰذِہٖ عِرْقٌ نَزْعَهٗ وَلَمْ یُرَخِّصْ لَهٗ فِیْ الْاِنْتِفَاءِ مِنْهُ.

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۸)

(۶) عن ابن عباسؓ اَنَّ اِمْرَاَةً جَاءَ تْ اِلَی النبی ﷺ فَقَالَتْ ان اُمِّیْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ فَمَا تَتْ قَبْلَ اَنْ تَحُجَّ افاَحُجَّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّیْ عَنْهَا اراَیت لَوْکَانَ عَلٰی اُمِّکَ دَیْنٌ اَکُنْتِ قَاضِیَةً قَالَتْ نعم قال اِقْضُوا الَّذِیْ لَهٗ فَاِنَّ اللّٰہَ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ. (بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۸)

واحتج المزنی بهذین الحدیثین علیٰ من انکر القیاس وقال اول من انکرالقیاس ابراهیم النظام وتبعه بعض المعتزلة وداؤد بن علی وما اتفق علیه الجماعة وهو الحجة فقد قاس الصحابة ومن بعد هم من التابعین وفقهاءِ الامصار. (حاشیہ بخاری ص۱۰۸۸)

قال المزنی الفقهاء من عصر رسول الله ﷺ الی یومنا وهلم جرا اشتهوا المقائیس فی الفقه فی جمیع الاحکام فی امر دینهم قال واجمعوا ان نظیر الحق حق و نظیر الباطل باطل قال فلایجوز لاحد انکار القیاس لانه التشبیه بالامور والتمثیل لها. (جامع بیان العلم ج۲ ص۶۶)

(۷) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں انما اقضی بینکم برأیی فیما لم ینزل علی فیه. (ابوداؤد ج۲ ص۱۷۱ فی قضاء لقاضی اذا اخطاء)

(۸) حضرت ابوبکر صدیقؓ ان ابابکر اذا نزلت به قضیة فلم یجد فی کتاب الله منها اصلا ولا فی السنة اثرا فاجتهد رایه ثم قال هذا رأیی فان یکن صوابا فمن الله وان یکن خطأً فمنی واستغفر الله.

(جامع بیان العلم ج۲ ص۵۱ طبقات ابن سعد ج۳ ص۱۳۶)

(۹) حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب مسئلہ کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں نہ ملتا جمع رؤوس الناس وخیارهم فاستشارهم فاذا اجتمع رأیهم علی امر قضی به. (دارمی ص۵۸)

(۱۰) حضرت عمرؓ نے قاضی شریح کو تحریر فرمایا جب کوئی فیصلہ آئے تو پہلے کتاب اللہ سے فیصلہ کرنا اگر کتاب اللہ سے نہ ملے تو سنت رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرنا اگر سنت سے بھی نہ ملے تو جس پر اجماع ہو اس کے مطابق فیصلہ کرنا اگر اجماع سے بھی نہ ملے تو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا۔ (جامع بیان العلم ج۲ ص۵۶،۵۷،۵۸،۵۹)

(۱۱) حضرت عمرؓ جب فتویٰ دیتے تو فرماتے هذا رأی عمر فان کان صواباً

فمن اللہ وان کان خطأ فمن عمرؓ. (میزان شعرانی ج ۱ ص ۴۹)

(۱۲) حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی آخری بیماری میں کہا فقال عثمانؓ ان نتبع رأیک (ای فی وراثة الجد) فھو رشد وان نتبع رای الشیخ قبلک فنعم ذوالرائی کان. (مستدرک حاکم ج ۴ ص ۳۴۰ قال الحاکم والذھبی صحیح)

(۱۳) حضرت عثمانؓ کی بیعت ہی اس شرط پر کی گئی کہ وہ کتاب وسنت اور سنت العمرین کا اتباع کریں گے۔ (شرح فقہ اکبر ج ۱ ص ۷۹)

(۱۴) (حضرت علیؓ) جب حضرت عمرؓ کے بعد بیعت کا مشورہ ہوا تو سب ارباب حل و عقد کی موجودگی میں حضرت علیؓ نے فرمایا احکم بکتاب اللہ وسنة رسولہ و اجتھد رأیی (شرح فقہ اکبر ص ۷۹) نیز حضرت علیؓ فرماتے ہیں سئل رسول اللہ ﷺ عَنِ الْعَزْمِ فقال مُشَاوَرَةُ اھل الرأی ثُمَّ اِتِّبَاعُھُمْ (ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰) نیز حضرت علیؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو جس میں نہ امر ہو نہ نہی تو آپ کیا حکم فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ فقہا اور عابدین سے مشورہ کرو۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۸ رجالہ موثقون)

(۱۶) حضرت ابن عباسؓ مکہ مکرمہ میں مفتی تھے آپ کا معمول یہ تھا کہ کتاب وسنت کے بعد حضرت ابوبکر و عمرؓ سے ثبوت نہ ملتا تو قال فیہ برأیہ (دارمی ج ۱ ص ۵۹ مستدرک وقال الحاکم والذھبی صحیح ج ۱ ص ۳۴۰ نحوہ فی سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۱۵ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۵۷، ۵۸) حضرت ابن عباسؓ کے ہزاروں فتاویٰ مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور اس جن میں آپ نے دلیل ذکر نہیں کی۔

(۱۷) حضرت زید بن ثابت (مدینہ منورہ میں) مدینہ میں آپ کا فتویٰ چلتا تھا اور اہل مدینہ آپ کی تقلید شخصی کرتے تھے۔ حتی کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہہ دیا تھا لانَاخُذُ بِقَوْلِکَ وَنَدَعُ قَوْلَ زَیْدٍ (بخاری ج ۱ ص ۲۳۷) لا نُتَابِعُکَ یا ابن عباس وَاَنْتَ تُخَالِفُ زَیْدًا (عمدة القاری ج ۴ ص ۷۷۴ نحوہ فی فتح الباری ج ۳ ص ۴۶۳) آپ جب فتویٰ دیتے تو فرماتے انما اقول برأیی .

(جامع بیان العلم ج ۲ ص ۵۸ بیہقی ج ۱ ص ۱۱۵)

(۱۸) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دار العلوم کوفہ میں مفتی تھے آپ کا منشور یہ تھا۔

فمن عرض له منكم قضاء بعد اليوم فليقض بما في كتاب الله فان جاء امر ليس في كتاب الله فليقض بما قضى به نبيه ﷺ فان جاء امر ليس في كتاب الله ولا قضى به نبيه ﷺ فليقض بما قضى به الصالحون فان جاء امر ليس في كتاب الله ولا قضى به نبيه ﷺ ولا قضى به الصلحون فليجتهد برأيه الحديث والحديث جيد. نسائي ص ۲۶۴ باب الحكم باتفاق اهل العلم) اور دارمی کے الفاظ یہ ہیں فان لم يكن فيما اجتمع عليه المسلمون فاجتهد برأيك (ج ا ص ٦١) جامع بیان العلم ج ۲ ص ۵۷) وعن ابن مسعودؓ انه قال في غير ما مسالة القول فيه برائي . (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۵۷)

(۱۹) حضرت ابی بن کعب حضرت ابودرداءؓ اور حضرت ابوھریرہؓ بھی رائے سے فتویٰ دیتے تھے۔ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۵۸)

نوٹ : حافظ ابن عبدالبرؒ نے تابعین میں سے ہر شہر کے اہل الرائے کی علیحدہ علیحدہ فہرست درج فرمائی ہے (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۶۱، ۶۴)

قال ابن عبدالبر لا خلاف بين فقهاء الامصار وسائر اهل السنة وهم اهل الفقه والحديث في نفي القياس في التوحيد واثباته في الاحكام الا داؤد بن علي .

(جامع بیان العلم ج ۲ ص ۷۴)

قرآن پاک میں ایک بھی آیت اور پورے ذخیرہ حدیث میں ایک بھی صحیح حدیث موجود نہیں جس میں فقہ واجتہاد کو کفر وشرک اور فقیہ ومجتہد کو کافر مشرک یا ان کے اجتہادی اور فقہی مسائل پر چلنے والوں کو کافر ومشرک اور گنہگار کہا گیا ہو۔ هل من مبارزیا رزنی دیده باید۔

(۲۰) عن عبداللہ بن عمرؓ وقال قال رسول اللہ ﷺ اَلْعِلْمُ ثَلاثَةٌ آیَةٌ مُحْکَمَةٌ اوسُنَّةٌ قَائِمَةٌ او فَرِیْضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَاسِوٰی ذٰلِکَ فَهُوَ فَضْلٌ. (ابوداؤد ج ۱ص ۶۹، ابن ماجہ ص ۶)

فریضہ عادلہ اشارہ ہے اجماع وقیاس کی طرف فریضہ اس کو اس لئے کہا کہ اس پر عمل واجب ہے جیسے کتاب وسنت پر اور عادل کے معنی بھی یہی ہیں (یعنی حجت ہونے میں برابر) اس حدیث کے حاصل معنی یہ ہوئے کہ دین کے اصول چار ہیں کتاب وسنت واجماع وقیاس اور جو علم ان کے سوا ہیں وہ زائد ہیں اور بے معنی ہیں حق۔

(حاشیہ غزنویاں غیر مقلدین بر مشکوٰۃ ج ۱ص ۶۶)

(۲۱) غیر مقلدین کے حاشیہ قرآن فوائد سلفیہ میں آیت ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ...﴾ پر لکھا ہے "اگر کسی بات پر قرآن وحدیث سے تصریح نہیں ملے گی تو اجماع واجتہاد کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ یہ بھی دونوں کتاب وسنت کے فروع میں سے ہیں۔ (ترجمہ وحید الزمان ج ۱ص ۱۸۱)

نوٹ: علامہ تفتازانی فرماتے ہیں صحابہؓ سے قیاس پر عمل کرنا وقت نہ ہونے نص کے متواتر ثابت ہے اگر چہ تفصیل ان کے احاد سے پہنچی ہے۔ (توضیح تلویح ص ۳۶۷)

یعنی تواتر قدر مشترک ہے اور علامہ کی یہ بات نہایت درست ہے کیونکہ صرف ایک کتاب مصنف عبدالرزاق میں صحابہ وتابعین کے سترہ ہزار سے زائد اجتہادی فتاویٰ موجود ہیں جو دلیل تواتر قدر مشترک کی ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا الآیات بعد المائتین چنانچہ اس پیش گوئی کے موافق پہلا منکر قیاس ابراہیم بن سیار النظام پیدا ہوا اور اس کی پیروی میں سب سے پہلے معتزلہ نے قیاس شرعی کے حجت ہونے کا انکار کیا۔

(جامع بیان العلم ج ۲ص ۶۲)

قرآن پاک میں چاروں دلائل کا ذکر ہے خدا اور رسول کی اطاعت کے بعد اولوالامر کی اطاعت کا حکم ہے جو اہل استنباط یعنی مجتہدین ہیں۔ اسی طرح فقہاء کی بات ماننے کا بیان ہے اور اجماع کے حجت ہونے کا بھی ذکر ہے ﴿وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ

جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء۔۱۱۵)

غیر مقلدین کے حواشی سلفیہ میں ہے ''اور کسی اجماعی مسئلے کی مخالفت کرنا بھی غیر مؤمنین کی راہ پر چلنا ہے (قرطبی) امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بخشا ہے کہ وہ اجتماعی طور پر غلطی اور خطاء سے محفوظ رہی ہے اور رہے گی یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ساری امت صدیوں ایک غلط راہ پر چلتی رہے اس بارے میں بہت سی صحیح حدیثیں وارد ہیں حتی کہ بعض علماء ان کے تواتر کے قائل ہیں امام شافعیؒ نے اجماع کے حجت ہونے کا اسی آیت سے استنباط کیا ہے اور یہ استنباط بہت قوی اور عمدہ ہے (ابن کثیر) شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب معارج الوصول میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور امام شافعیؒ کے استدلال کی پرزور تائید کی ہے (م۔ع) (فوائد سلفیہ ص ۱۱۴ص ۴) پھر قرآن پاک میں ادلہ اربعہ کے ساتھ خصوصاً تابعین کے مسلک پر رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا وعدہ ہے اور ﴿وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ...﴾ میں عجمی مجتہد کی فضیلت کا بیان ہے جو امام ابو حنیفہؒ ہیں اور پھر ﴿ثُلَّةٌ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ...﴾ اور ﴿ثُلَّةٌ مِنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ اور آیت..........میں کثرت ومقبولیت عامہ کا ذکر ہے جو عموماً اہل السنّت والجماعت اور خصوصاً احناف کو حاصل ہے اس لئے اہل قرآن (منکرین حدیث) اہل حدیث (منکرین اجماع وقیاس) کا دعویٰ عمل بالقرآن ناقص ہے اور اہل السنّت والجماعت کا دعویٰ عمل بالقرآن کامل ہے کیونکہ ادلہ اربعہ کو مانتے ہیں اور خصوصاً احناف کو اہل السنّت والجماعت میں بھی برتری حاصل ہے۔

آئمہ مجتہدین میں سے وہ کونسا مجتہد ہے جس نے اپنا مسلک خیر القرون میں مدوّن فرمایا ہو ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ...﴾ وہ اہل عجم سے ہو وَ آخَرِيْنَ مِنْهُمْ اس کے مسلک کو پوری دنیا میں قبولیت عام نصیب ہوئی ہو..........اس کے مقلدین اس کثرت سے ہوں کہ ﴿ثُلَّةٌ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ...﴾ اور ﴿ثُلَّةٌ مِنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ کے مصداق ہوں۔

صحیح بخاری امام بخاری نے صحیح میں قرآن پاک کی آیات سے بھی استدلال کیا ہے اور احادیث سے بھی۔ اجماع امت کو بھی حجت ثابت کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ

کی حدیث نقل فرماتے ہیں۔ تلزم جماعة المسلمین و امامهم (ج ا ص ۵۰۹) ومن فارق الجماعة شبراً فمات الامیتة جاهلیة (ج ۲ ص ۱۰۴۵) اور جماعت اور اطاعت امام سے خارج ہونے والوں کے قتل تک کا حکم دیا ہے یاتی فی آخر الزمان قوم حدثاء الاسنان سفهاء الاحلام (ج ا ص ۵۱۰) یقولون من قول خیر البریة یمرقون من الاسلام کما یمرق السهم من الرمیة لایجاوز ایمانهم حناجرهم فاینما لقیتموهم فاقتلوهم فان قتلهم اجرلمن قتلهم یوم القیامة (ج ۲ ص ۷۵۶) یخرج فیکم قوم تحقرون صلاتکم مع صلاتهم وصیامکم مع صیامهم وعملکم مع عملهم یقرؤن القرآن لا یجاوزحنا جرهم یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمیة (ج ۲ ص ۷۵۶) یعنی وہ لوگ آخری زمانہ کی پیداوار ہوں گے۔ ان میں شریک ہونے والے اکثر کم عمر (علمی بونے) ہوں گے اور ان کی جماعت فقہا سے خالی ہوگی۔ گلہ پھاڑ پھاڑ کر قرآن۔ حدیث پڑھیں گے (تھوتھا چنا باجے گھنا) مگر گلے سے آگے اثر نہیں ہوگا نہ دل نہ ہر مقام قبولیت تک پہنچے گا۔ دین ایمان سے تیر کی طرح کورے ہوں گے اسی طرح امام بخاریؒ نے اجتہاد وقیاس شرعی کے حجت ہونے کے دلائل بھی ذکر فرمائے ہیں بلکہ مجتہد سے خطا بھی ہو جائے تو اجتہاد کا اجر ملے گا (ج ۲ ص ۱۰۹۲) پھر خود آنحضرت کا انسان کے بچے کو اونٹ کے بچے پر قیاس فرمانا اور حج کو قرضے پر قیاس فرمانا روایت فرمایا ہے۔ (ج ۲ ص ۱۰۸۸) پھر حضرت سلیمانؑ کا قیاس (ج ا ص ۴۷۷) اور صحابہؓ کا بنی قریظہ کو جاتے ہوئے اجتہاد کرنا اور آنحضرت ﷺ کا دونوں پہلوؤں کی تصویب فرمانا (ج ۲ ص ۲۹۱) پھر (ج ا ص ۱۸، ۱۷) پر فقہ کی خیریت کی احادیث نقل فرمائیں۔ اور باجماع اصول فقہ چار ہیں کتاب اللہ۔ سنت رسول اللہ۔ اجماع امت۔ قیاس شرعی۔ فقہ کو ماننا دلائل اربعہ کو تسلیم ہے۔ اس لئے دلائل اربعہ کو ماننے والے بخاری کے ماننے والے ہیں نہ کہ اجماع وقیاس کے منکرین۔ پوری بخاری شریف میں ایک بھی حدیث نہیں کہ اجماع یا فقہ کو ماننے والا کافر یا مشرک۔ یا بدعتی ہے خود امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ

فقہ ثمرۃ الحدیث ہے خود امام بخاریؒ نے اپنے مسلک کی تائید میں صحابہؓ۔ تابعین کے اقوال ذکر فرمائے ہیں۔ جو ان کے قیاسی فتاویٰ ہیں جب امتی کا اجتہاد حجت ہوا تو بخاریؒ نے خیر القرون کی خیریت کی احادیث صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۲ ج ۱ ص ۵۱۵ ج ۲ ص ۹۵۱ ج ۲ ص ۹۸۵ پر نقل فرمائی ہیں اور خاص طور پر رجل فارس کی پیش گوئی درج فرمائی ہے (ج ۲ ص ۷۲۷) اور وہ رجل فارس جس نے خیر القرون میں دین حنیف کو مرتب کروایا اور اس ملازمت اور سبقت تدوین شرع حنیف کی وجہ سے ہر شخص کی زبان پر ابوحنیفہ کی کنیت اور امام اعظم کے لقب سے شہرت پائی اور پھر یہ بھی حدیث نقل فرمائی کہ لوگ نااہل جاہلوں کو اپنا روس بنائیں گے وہ روس خود گمراہ اور گمراہ کنندہ ہوں گے۔ چنانچہ آج کل لامذہبوں نے خیر القرون کے مجتہد رجل فارس کو گمراہ اور دور برطانیہ کے جہال کو اپنا روس بنا رکھا ہے۔

الحاصل صحیح بخاری سے اہل السنت والجماعت کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ جو ادلہ اربعہ کے ماننے والے ہیں اور خصوصاً احناف جو خیر القرون کے مجتہد رجل فارس۔ فقہ کے باپ امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں ان کی برتری ثابت ہوتی ہے اور لامذہب احداث الاسنان۔ سفہاء الاحلام کا ضال مضل اور واجب القتل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

صحیح مسلم

امام مسلمؒ نے بھی ادلہ اربعہ کا ہی ذکر فرمایا ہے۔ تلزم جماعة المسلمين واما مهم (ج ۲ ص ۱۲۷) من فارق الجماعة شبراً فمات ميتة جاهلية (ج ۲ ص ۱۲۸) انه ستكون هناة وهناة فمن اراد ان يفرق هذه الامة وهي جميع فاضربوه بالسيف كائناً من كان (ج ۲ ص ۱۲۸) من اتاكم وامركم جميع على رجل واحد يريد ان يشق عصاكم اويفرق جماعتكم فاقتلوه (ج ۲ ص ۱۲۸) چنانچہ امام وجماعت کی اطاعت سے نکلنے والوں کی نشانیاں بتائیں غائر العینین مشرف الوجنتین ناشز الجبهة كث اللحية محلوق الراس مشمر الازار (ج ۱ ص ۳۴۱) يحقر احدكم صلوتهٗ مع صلوتهم وصيامه مع صيامهم يقرؤن القرآن لا

یجاوز تراقیھم یمرقون من الاسلام کما یمرق السھم من الرمیة (ج ا ص ۳۴۱) سیما ھم التحالق. سیخرج فی آخرا الزمان قوم احداث الاسنان و سفھاء الاحلام یقولون من قول خیر البریة فاذا القیتموھم فاقتلوھم فان فی قتلھم اجرا لمن قتلھم عند اللہ یوم القیامة (ج ا ص ۳۴۲)ھم شر الخلق والخلیقة. واشاربیدہ نحوالمشرق (ج ا ص ۳۴۳) یہ سب علامات لامذہبوں میں ہیں۔

اجتہاد

اذا حکم الحاکم فاجتھدثم اصاب فلہ اجران واذاحکم فاجتھدثم اخطأ فلہ اجر (ج ۲ ص ۷۶) پھر سلیمانؑ کا دو عورتوں میں قیاس سے فیصلہ دینے کی حدیث لائے ہیں (ج ۲ ص ۷۷) خود آنحضرت ﷺ کا حج کو قرضے پر قیاس فرمانا (ج ا ص ۳۶۲) صحابہؓ کا آپ کی مراد کو سمجھنے کے لئے اجتہاد کرنا اور آپ کا تصویب فرمانا صلوٰۃ فی بنی قریظہ (ج ۲ ص ۹۶) آنحضرت ﷺ کا حضرت علیؓ کو ایک عورت کو کوڑے لگانے کے لئے بھیجنا حضرت علیؓ کا اجتہاد سے آپ کے مطلق حکم کو مقید کر لینا (ج ۲ ص ۷۱) اور امام مسلمؒ فقہ کی تعریف میں احادیث لائے ہیں (ج ۲ ص ۱۴۴ ج ۲ ص ۲۶۸ ج ۲ ص ۳۰۸) اور فقہ کو ماننا ادلۂ اربعہ کو ماننا ہے اور صحیح مسلم میں ایک بھی حدیث ایسی نہیں کہ اجماع کو ماننے والا یا اجتہاد وفقہ کو ماننے والا کافر یا مشرک یا گنہگار ہے۔ نیز یہ حدیث لائے ہیں قال الدین النصیحة قال لمن قال للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمة المسلمین وعامتھم (ج ا ص ۵۴) وقد یتناول ذلک علی الائمة الذین ھم علماء الدین وان من نصیحتھم قبول مارو وہ وتقلیدھم فی الاحکام واحسان الظن بھم قالہ الخطابی نووی (ج ا ص ۵۴) اب جب امتیوں کے اجتہاد کا دلیل شرعی ہونا معلوم ہو گیا تو امت کا بہترین طبقہ خیر القرون ہے اور ان کی افضلیت بالترتیب ہے (ج ۲ ص ۳۰۹، ۳۰۸) اور اس قرن میں بھی رجل فارس کی علمی پرواز ثریا تک ہے (ج ۲ ص ۳۱۲) پس اہل السنت والجماعت کی

حقانیت عموماً اور احناف کی افضلیت خصوصاً معلوم ہوئی اس کے بالمقابل ضال مضل لوگوں کا بھی ذکر فرمایا ان اللہ لا ینتزع العلم من الناس انتزاعا ولکن یقبض العلماء فیرفع العلم معھم و یبقیٰ فی الناس رؤسا جھالاً یفتونھم بغیر علم فیضلون ویضلون (ج ۲ ص ۳۴۰) اور یہ بھی نشان وہی فرمائی کہ وہ حدیثوں سے گمراہ کیا کریں گے سیکون فی آخر امتی اناس یحدثونکم بمالم تسمعوا انتم ولا آباؤ کم (ج ۱ ص ۹) یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم ویاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم (ج ۱ ص ۱۰) ادھر امام مسلمؒ نے طائفہ منصورہ کی حدیث (ج ۲ ص ۱۴۳، ۱۴۴) پر سات صحابہؓ سے روایت کی ہے اس جماعت منصورہ کی دو خاص نشانیاں ہیں۔

(۱) قتال علی الحق یعنی ان کو سیاسی غلبہ نصیب ہوگا۔ خلفاء اور ملوک ہوں گے جن کی سرپرستی میں وہ ملک گیری اور قتال علی الحق کو جاری رکھیں گے۔

(۲) فقہ فی الدین یعنی ان کو سب پر علمی برتری نصیب ہوگی کیونکہ فقہ کا مدار اصول اربعہ ہیں جو فقہ میں غالب ہے وہ علوم قرآن۔ علوم سنت۔ اجماع واجتہاد سب میں غالب ہے یعنی مجاہدین ملک حاصل کریں گے۔ اور فقہاء قانون اسلامی نافذ کریں گے۔

اماھذہ الطائفۃ فقال البخاری ھم اھل العلم وقال احمد بن حنبل ان لم یکن اھل الحدیث فلا ادری من ھم؟ قال القاضی عیاض انما اراد احمد اھل السنۃ والجماعۃ ومن یعتقد مذھب اھل الحدیث قلت ویحتمل ان ھذہ الطائفۃ مفرقۃ بین انواع المومنین منھم شجعان مقاتلون ومنھم فقھاء و منھم محدثون و منھم زھاد وآمرون بالمعروف و الناھون عن المنکر و منھم انواع اخریٰ من الخیر ولا یلزم ان یکونوا مجتمعین بل قدیکون متفرقون فی اقطار

الارض و فی هذا الحدیث معجزة ظاهرة فان هذا الوصف مازال بحمد الله تعالیٰ من زمن النبی ﷺ الی الان ولا یزول حتی یاتی امر الله المذکور فی الحدیث.

(نووی ج ۲ ص ۱۴۳)

حدیث میں دو باتیں تھیں مجاہدین ان کا ذکر پہلے کر دیا۔ پھر فقہاء کا ذکر تھا ان کی مناسبت سے محدثین کا ذکر کیا کہ اصول فقہ میں حدیث بھی ہے یہ فقہاء کے خادم ہیں خود کہتے ہیں کہ فقہاء طبیب ہیں اور ہم پنساری۔ آمرین بالمعروف اور ناھین عن المنکر فقہ کی تبلیغ کرنے والے ہیں زھاد فقہ پر عمل کرنے والے ہیں باقی انواع خیر کا منبع بھی فقہ ہی ہے چنانچہ اسی حدیث میں ہے من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین (ج ۲ ص ۱۴۴).

صاحب درمختار فرماتے ہیں

"والحاصل ان اباحنیفة النعمان من اعظم معجزات المصطفی بعد القرآن وحسبک من مناقبه اشتهار مذهبه (ای فی عامة بلاد الاسلام بل فی کثیر من الاقالیم والبلاد لا یعرف الامذهبه کبلادالروم والهند والسند وما وراء النهر و سمرقند و قدنقل ان فیها تربة الحمد یین دفن فیها نحومن اربعمائة نفس کل منهم یقال له محمد صنف وافتی واخذ عنه الجم الغفیر ولمامات صاحب الهدایة منعوا دفنه بهافدفن بقربها وروی انه نقل مذهبه نحومن اربعة آلاف نفرولا بدان یکون لکل اصحاب وهلم جراً الخ ماقال قولا الا اخذ به امام من الائمة الاعلام (سب ائمہ خوشہ چین ہیں) وقد جعل الله الحکم لا صحابه واتباعه من زمنه الی هذه الایام (فالدولة العباسیة

وان کان مذهبهم مذهب جدهم فاکثر قضا تها و مشایخ
اسلامها حنفیة یظهر ذالک لمن تصفح کتب التواریخ
وکان مدة ملکهم خمسمائة سنة تقریبا واماالملوک
السلجوقیون والخوازمیون فکلهم حنفیون وقضاة مما
لکهم غالبها حنفیة واماملوک زماننا سلاطین آل عثمان
ایده الله تعالیٰ دولتهم ماکر الجدید ان فمن تاریخ تسع
مائة الی یومنا هذا لا یولون القضاء و سائر مناصبهم الا
للحنفیة الی ان یحکم بمذهبه عیسیٰ علیه السلام (یعنی
عیسیٰ کا اجتہاد موافق امام صاحب کے ہوگا راجع کشف شعرانی) وهذا
یدل علی امرعظیم اختص به بین سائر العلماء العظام
کیف لاهو کا لصدیق رضی الله عنه له اجره واجر من
دون الفقه والفه وفرع احکامه علی اصوله العظام الیٰ یوم
الحشر والقیام وقد اتبعه علیٰ مذهبه کثیر من الاولیاء
الکرام ممن اتصف بثبات المجاهدة ورکض فی میدان
المشاهدة کا براهیم بن ادهم و شفیق البلخی و معروف
الکرخی وابی یذید البسطامی و فضیل بن عیاض و داؤد
الطائی وابی حامد اللفاف و خلف بن ایوب وعبد الله بن
المبارک ووکیع بن الجراح وابی بکرا لوراق ممن لا
یحصیٰ لبعده ان یستقصی فلو وجدوا فیه شبهةً مااتبعوه
ولا اقتدوابه ولاوافقوه وقال الاستاذ ابو القاسم القشیری
فی رسالته مع صلابته فی مذهبه وتقدمه فی هذه الطریقة
سمعت الا ستاذ اباعلی الدقاق یقول انا اخذت هذه
الطریقة من ابی القاسم النصرابازی وقال ابوالقاسم انا

اخذتها من الشبلي وهو اخذها من السرى السقطي وهو من معروف الكرخي وهو من داؤد الطائي وهو اخذالعلم والطريقة من ابی حنيفة و كل منهم اثنیٰ عليه واقره بفضله فعجبالک یا اخي الم يكن لک اسوة حسنة في هؤلاء السادات الكبارأ كانوامتهمين في هذا الاقرارو الافتخار وهم ائمة هذه الطريقة وارباب الشريعة والحقيقة ومن بعد هم في هذا الامر فلهم تبع وكل ما خالف ما اعتمدوه مردود و مبتدع و بالجملة فليس ابوحنيفة في زهده وورعه وعبادته وعلمه وفهمه بمشارک (درمختار مع الشامی ج ا ص ۳۸،۴۲)

الغرض تاریخ اسلام میں سیاست اور تفقہ فی الدین پر ہمیشہ احناف کا غلبہ رہا ہے لامذہب غیر مقلدین کو نہ کبھی سیاسی غلبہ نصیب ہوا نہ ہی فقہی برتری ملکہ وکٹوریہ کے دور سے پہلے یہ ذرا محدثین۔ فقہاء۔ سلاطین۔ مجاہدین۔ اولیاء کرام اور اپنی کتب حدیث کتب فقہ کی فہرست پیش کریں الغرض طائفہ منصورہ کے اولین وکامل مصداق احناف ہیں۔

نوٹ: اس ملک میں سب حنفی تھے اور امام صاحبؒ کے مقلد اب اس میں فتنہ ڈالنا حدیث پاک فوا ببيعة الاول کی مخالفت تھی ج ا ص ۱۲۶ نیز بخاری ج ۲ ص ۱۰۹۲ اور مسلم پر ہے کہ آپ ؐ نے بیعت لی ان لاننازع الامر اهله۔ تو اگر کوئی نا اہل کسی محدث یا مجتہد یا فقیہ یا مفتی سے نزاع کرتا ہے تو وہ نبی اقدس ﷺ کے فرمان کا مخالف ہے۔

جامع ترمذی

امام ترمذیؒ نے بھی اجماع کی احادیث نقل فرمائی ہیں ابواب الفتن میں باقاعدہ في لزوم الجماعة لائے ہیں اور حضرت عمرؓ کا خطبہ جابیہ سے یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ نقل فرمائے ہیں۔

عليكم بالجماعة واياكم والفرقة فان الشيطان مع

الواحد وهو من الاثنين ابعد من اراد بحبوبة الجنة
فليلزم الجماعة. هذا حديث حسن صحيح غريب ان
الله لايجمع امتي اوقال امة محمد علىٰ ضلالة ويدالله
على الجماعة ومن شذشذ الى النار. (ص ۳۱۵)

اور ص ۳۱۹ پر ماجاء في صفة المارقة میں خوارج کا تذکرہ فرمایا ہے اور ایک بھی حدیث اس پر نہیں کہ اجماع کا ماننے والا دوزخی ہے۔

اجتہاد

اذاحكم الحاكم فاجتهد فاصاب فله اجران واذاحكم فاخطاء فله اجر واحد ص ۲۱۰ ابواب الاحکام اور پھر حدیث معاذؓ لائے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ مسائل اجتہادیہ میں مجتہد اجتہاد کرے گا اور باقی اس کے اجتہاد پر عمل کریں گے اس کو تقلید کہتے ہیں اگر کوئی غیر مجتہد مجتہد کی بجائے اپنی خودرائی کرے تو اس پر ہدایت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے واعجاب كل ذى رأى برايه فعليك بنفسك خاصة ودع امر العوام ص ۴۳۵ تفسیر المائده اى يجد كل احدفعل نفسه حسنا وان كان قبيحاولا يراجع العلماء فيما فعل بل يكون مفتي نفسه (سندهى) واعجاب كل ذى رأى برأيه قال القارى اى من غير نظرالى الكتاب والسنة واجماع الامةوالقياس على اقوى الادلة وترك الاقتداء بنحو الائمة الاربعة قاله الطيبى (انجاح الحاجہ ص ۲۹۹) اور ابواب العلم میں من يرد الله به خيراً يفقهه فى الدين ص ۳۷۹ اور فقہ جامع ادلہ اربعہ کو ہے اور رب حامل فقہ الحدیث لا کر بتایا کہ فہم محدث حجت نہیں فہم فقیہ حجت ہے ص ۳۸۰ اور یہ حدیث فقيه واحدٌ اشدعلى الشيطان من الف عابد ص ۳۸۴ خصلتان لا تجتمعان فى منافقٍ حسن سمت ولا فقه فى الدين ص ۳۸۴ فقہ سے اختلاف یا شیطان کو ہے یا منافق کو اور منافق کی یہ بھی نشانی ہے الشاة العائرة بين الغنمين۔ اسی لئے امام ترمذیؒ نے فقہاء کے مذاہب بھی نقل فرمائے ہیں اور علماء یعنی فقہاء کے بالمقابل لوگ جہال کورس

بنائیں گے وہ خود فقہ سے خالی ہوں گے۔ خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو گمراہ کریں گے اور وہ علم اس نیت سے پڑھیں گے من طلب العلم لیجاری به العلماء اولیماری به السفهاء ویصرف به وجوه الناس الیه ادخله الله النار ص ۳۸۰ اور جیسے یہود و نصاریٰ توراۃ انجیل پڑھتے تھے مگر سمجھتے کچھ نہ تھے ص ۳۸۰ یہی حال غیر مقلدوں کا جس طرح یہود احبار رہبان (غیر مجتہدین) کی رائے پر چلتے تھے ص ۴۴۱ التوبہ اب جبکہ امتی مجتہدین عوام اور نبی ﷺ کے مابین واسطه فی البیان اور واسطه فی التفهیم قرار پائے تو کس دور کے مجتہدین کو زیادہ قابل اعتماد سمجھا جائے گا۔ اس سلسلہ میں خیر القرون کی افضلیت منصوص ہے ص ۳۲۳، ۴۸،۵ ابواب الفتن اور خیر القرون میں بھی اہل فارس۔ والذی نفسی بیده لو کان الایمان بالثریا لتناوله رجال من هؤلاء ص ۴۷۶ والجهاد ص ۵۵۶ مناقب اور اس کے مذہب کو قبولیت عامہ بھی نصیب ہوئی ہو ﴿سَيَجْعَلُ لَهُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ ص ۱۵۲ تفسیر سورت مریم۔ یہ سب باتیں امام اعظم میں ہی پائی جاتی ہیں۔

وکذالک قال الفقهاء وهم اعلم بمعانی الحدیث ص ۱۹۲ باب غسل المیت. فقهاء الاشراف واولو الالباب ص ۴۷۵ اضافه الفرائض الی الایمان قول وکیع اسعار البدن ص ۱۵۲ اهل الرأی باب ماجاء فی الطلاق قبل النکاح ص ۱۹۰، ۱۹۱۔

ابوداؤد۔

آپ اجماع کی دلیل میں ۷۳ فرقوں والی حدیث لائے ہیں اور ناجی جماعت هی الجماعة (ج ۲ ص ۱۶۴ کتاب السنہ) من فارق الجماعة (ج ۲ ص ۱۷۹) اور اجتہاد کے لئے اذا حکم الحاکم (ج ۲ ص ۷۰ کتاب الاقضیه) حدیث معاذؓ (ج ۲ ص ۱۷،۷۲) القضاة ثلاثة (ج ۲ ص ۷۰) اور انما اقضی بینکم بالرائے فیما لم ینزل علی فیه (ج ۲ ص ۷۱) العلم ثلاثة (ج ۲ ص ۹) کتاب الفرائض۔ نضر الله عبداً سمع مقالتی (ج ۲ ص ۷۸) کتاب العلم لا یقص الا امیرا وما مور اومختال (ج ۲ ص

۷۹)امیر مجتہد۔ماموز مقلد اور مختال غیر مقلد۔باب قتل الخوارج ج ۲
ص۱۷۹،۱۸۰انما شفاء العی السوال ج۱ص۳۶باب فی المجروح یتیم اور
بوقت اختلاف احادیث عمل صحابہؓ دیکھا جائے گا۔
(ج۱ص۲۷قبل ابواب تفریع۔استفتاح الصلوٰۃ)

نسائی۔

اجماع کے لئے من فارق الجماعۃ الحدیث ج ۲ص ۱۴۵،۱۴۶اذکر مایحل به دم المسلم اوراجتہاد کے لئے اذا حکم الحاکم قیاس حج بردین منشور عمرؓ ادلۃ اربعہ منشور ابن مسعودؓ ادلۃ اربعہ ج ۲ص ۲۶۴ ج ۲ کتاب آداب القضاۃ۔الدین النصیحۃ۔ج ۲ص۱۶۴

ادلہ اربعہ.

بسم اللہ نوشتن از انگشت بر پیشانی نسیت از کتاب اللہ تعالیٰ و سنت رسول اللہ ﷺ واجماع امت وقیاس مجتہدین ثابت نیست وہرچہ ازیں ادلہ اربعہ ثابت نباشد کردنش روانیست۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۲ص ۶۷)

اجماع۔

علامہ حسن چلپی حاشیہ تلویح ص ۳۶۷ پر فرماتے ہیں......

صاحب دراسات نے جو قصہ لواقع سے نقل کیا ہے سو اس کا نشان تک کتب حنفیہ میں نہیں ہے ابوحنیفہ کئی لوگوں کی کنیت ہے نواب صدیق الحسن کشف الالتباس ص ۲۴۵ پر لکھتے ہیں یہ حکایت محمد بن نعمان ملقب بہ شیطان الطاق کی ہے نہ نعمان بن ثابت ابوحنیفہؒ کی کیونکہ یہ لوگ بسبب بے علمی کے عبارت ائمہ کو نہ سمجھتے تھے پس ترتیب کرنا قیاس شرعی کا ان سے ممکن نہ تھا اس لئے ائمہ نے ان کو قیاس سے منع فرمایا اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کو بملاحظہ کثرت علم قوت اجتہاد اجازت قیاس کی دی چنانچہ کتب حنفیہ اور رسائل اہل بیت میں اجازت امام جعفر صادق کی امام صاحب کے لئے مصرح ہے۔

نیا فرقہ

اور ہمارے اس زمانہ میں ایک فرقہ نیا کھڑا ہوا ہے جو اتباع حدیث کا دعویٰ رکھتا ہے اور در حقیقت وہ لوگ اتباع حدیث سے کنارے (بہت دور) ہیں جو حدیثیں سلف اور خلف کے ہاں معمول بہا ہیں ان کو ادنیٰ سی قدح اور کمزور جرح پر مردود کہہ دیتے ہیں اور صحابہؓ کے اقوال اور افعال کو ایک بے طاقت سے قانون اور اپنا نام محقق رکھتے ہیں حاشا وکلا اللہ کی قسم یہی لوگ ہیں جو شریعت محمدیہ کی حد بندی کے نشان گراتے ہیں اور ملت حنفیہ کی بنیادوں کو کھنہ کرتے ہیں اور سنت مصطفویہ کے نشانوں کو مٹاتے ہیں اور احادیث مرفوعہ کو چھوڑ رکھا ہے اور متصل الاسانید آثار کو پھینک دیا ہے اور ان کے دفع کرنے کے لئے وہ حیلے بناتے ہیں کہ جن کے لئے کسی یقین کرنے والے کا شرح صدر نہیں ہوتا اور نہ کسی مؤمن کا سر اٹھتا ہے۔

(فتاویٰ علمائے حدیث ج ۷ ص ۷۹، ۸۰ فتاویٰ غزنویہ ج ۱ ص ۲۰۶)

یہ فتویٰ مولانا عبدالجبار غزنوی کا عربی میں ہے جس کا ترجمہ مولانا عبدالتواب ملتانی نے کیا ہے اور مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی نے اس کو فتاوی علمائے حدیث میں نقل کیا ہے۔

یہ تین شہادتیں ہوئیں۔

کھلا خط

بنام علماء حنفیہ

کا

مدلل جواب

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم: برادران اسلام ہمارے ملک میں دو فرقے آباد ہیں ایک نے اپنا نام اہل قرآن رکھا ہوا ہے وہ قرآن کا نام لے کر سادہ لوح عوام کو گمراہ کرتے رہتے ہیں لیکن دین سے اتنے بے خبر ہیں کہ ان کو بار ہا کہا گیا کہ نماز جس کی بار بار تاکید قرآن مجید میں موجود ہے اور جو توحید ورسالت کو مان لینے کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے اور ہر مسلمان مرد وعورت پر پانچ مرتبہ ایک دن رات میں فرض ہے اس کے ادا کرنے کا مکمل طریقہ۔ رکعات۔ شرائط۔ ارکان ۔ واجبات۔ سنن ۔ مستحبات۔ مکروہات۔ مفسدات۔ مسائل سہو وغیرہ صرف قرآن پاک کی صریح آیات سے ثابت کر دیں مگر وہ اس سے بالکل عاجز ہیں جس سے ملک کا ہر شخص سمجھ چکا ہے کہ ان کا دعویٰ عمل بالقرآن بالکل جھوٹا ہے جو نماز ان پر روزانہ پانچ مرتبہ فرض ہے اس کو تو وہ ثابت نہیں کر سکتے ہاں سادہ لوح عوام کو رات دن یہ بتاتے رہتے ہیں کہ احادیث قرآن کے خلاف ہیں۔ احادیث میں بہت اختلاف ہے اور رات دن محدثین پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں اور صرف حدیث اور محدثین کو گالیاں دینا ہی ان کے نزدیک عمل بالقرآن ہے۔ معاذ اللہ

دوسرا فرقہ اپنے آپ کو اہل حدیث کہلاتا ہے جو حدیث کا نام لے کر عوام کو گمراہ کرتا رہتا ہے لیکن دینی علوم سے اتنا ہی کورا ہے جتنے ان کے بڑے بھائی اہل قرآن یہ بھی نماز کا مکمل طریقہ بتفصیل بالا احادیث صحیحہ صریحہ غیر معارضہ سے ثابت کرنے سے ایسا ہی عاجز ہے جیسا کہ ان کے بڑے بھائی (اہل قرآن) چنانچہ رحیم یار خان، کوہاٹ، گوجرانوالہ۔ کراچی۔ شہداد کوٹ۔ علاقہ سرائے سدھو۔ ملتان۔ حویلی بہادر شاہ، لاہور، ہکڑ والا۔ اوکاڑہ وغیرہ مقامات پر وہ مناظروں میں اتنے ذلیل ہو چکے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے مسائل تک ثابت کرنے سے عاجز آ گئے ہیں۔ اور عوام و خواص کے سامنے یہ راز فاش ہو چکا ہے۔ کہ ان کا دعویٰ عمل بالحدیث ایسا ہی جھوٹا ہے جیسے منکرین حدیث کا دعویٰ عمل بالقرآن جھوٹا ہے۔

اب تو یہ فرقہ اتنا بکھلا چکا ہے کہ انہیں یہ کہو کہ مکمل نماز، مکمل نماز وتر، مکمل نماز جنازہ، مکمل مسائل تراویح۔ مکمل قانون دیوانی۔ مکمل قانون فوجداری احادیث صحیحہ صریحہ غیر معارضہ سے ثابت کر کے دکھلا دو تو ان کا ثبوت پیش کرنے کی بجائے فقہ اور فقہا کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں اور اب تو یہ پورے ملک میں فیصلہ کر چکے ہیں کہ ہم اپنی مکمل نماز مکمل طریقہ نماز جنازہ مکمل مسائل نماز تراویح۔ مکمل مسائل قربانی۔ مکمل مسائل قانون اسلامی کو ثابت کرنے کے لیے کبھی بھی تا قیام قیامت ہرگز ہرگز مناظرہ نہیں کریں گے جس طرح قادیانی مرزا کی سیرت پر مناظرہ نہیں کرتا اسی طرح یہ مکمل مسائل پر مناظرہ بالکل نہیں کرتے ہاں اپنے ان پڑھ عوام کو خوش رکھنے کے لیے فقہاء کو گالیاں دیتے ہیں اور اس کام کے لیے وہ تمام شرعی۔ قانونی اور اخلاقی قدروں کو بھی پامال کر جاتے ہیں کبھی بغیر پرنٹ لائن کے کوئی اشتہار شائع کر دیا جس میں فقہ پر اعتراض کرنے میں وہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جو سوامی دیانند نے قرآن کے خلاف اور عبداللہ چکڑالوی نے حدیث کے خلاف استعمال کیا تھا کبھی کسی مجہول شخص کے نام سے کوئی فوٹوسٹیٹ ہر شہر میں گھمایا جاتا ہے لامذہب غیر مقلدین اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ محض فریب ہے یہ جھوٹ اور خیانت کا مجموعہ ہیں لیکن پھر بھی ان کو دھڑا دھڑ تقسیم کرتے ہیں جب شہر اور علاقہ کی فضا مکدر ہو جاتی ہے اور وہ اشتہار انتظامیہ تک پہنچائے جائیں تو سب ان سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں اگر ان اشتہاروں کی غلطیاں بتائی جائیں تو اس علاقے میں ان کی عام تقسیم بند کر دیتے ہیں اور یہ کہہ کر جان چھڑاتے ہیں کہ ہم ان کی غلطیوں کے ذمہ دار نہیں ہم اشتہار والے کے مقلد تھوڑے ہیں جب پوچھا جاتا ہے کہ جب تم ان غلط اشتہاروں کو پھیلا رہے تھے کیا اس وقت تم اس اشتہار والے کے مقلد تھے تم تقلید کو کفر بھی کہتے ہو اور اس اشتہار والے کی تقلید کر کے ان کی اشاعت بھی کرتے ہو اور جب حوالے دکھانے کا مطالبہ ہو تو فوراً لاتعلق ہو جاتے ہیں گویا اس حدیث پر عمل کرتے ہو کہ صبح کو مومن ہوں گے شام کو کافر اور شام کو مومن ہوں گے صبح کو کافر۔

اس فرقے کی سب سے بڑی بزدلی یہ بھی ہے کہ ان کے اصل مدمقابل منکرین حدیث ہیں لیکن یہ کبھی ان سے مناظرہ نہیں کرتے بلکہ اگر کسی علاقہ میں وہ مناظرہ کا چیلنج دیں تو دھڑا دھڑ منکر حدیث بننا شروع کر دیتے ہیں آپ منکرین حدیث کی تاریخ پڑھ کر دیکھیں تو آپ اس تاریخی حقیقت کو تسلیم کر لیں گے کہ سو فیصد منکرین حدیث انہی سے بنے ہیں۔

اس فرقے کی نفسیات یہ ہے کہ اس فرقے کے سینکڑوں آدمی قادیانی بن جاتے ہیں۔ ان کو کوئی صدمہ نہیں ہوتا۔ ان کے سینکڑوں آدمی منکر حدیث بن جاتے ہیں انہیں کوئی غم نہیں ان کے بیسیوں آدمی رافضی بن چکے ہیں انہیں کوئی پرواہ نہیں ان میں سے سینکڑوں آدمی دہریہ بن گئے ہیں انہیں ذرا دکھ نہیں۔ ان کے نزدیک عمل بالحدیث صرف فقہ کو گالیاں دینے کا نام ہے۔

چنانچہ ملک بھر میں مکمل نماز کے مسائل پر پے در پے ذلت آمیز اور بار بار عبرتناک شکستیں کھانے کے بعد ۲۶ فروری کو راولپنڈی میں فقہ کی چند عبارات پر مناظرہ کیا ان کے مذہب کی جو خرافات احناف نے بیان کیں ان میں سے ایک حوالے کو بھی نہ یہ غلط ثابت کر سکے اور نہ ہی کسی ایک حوالے کا جواب دے سکے۔ اور جو حوالے لامذہب مناظر نے پیش کئے حنفی مناظر نے ثابت کیا کہ قادیانی اور سوامی دیانند تو ایک حوالے میں ایک بددیانتی کرتا تھا مگر اس نے لفظ حدیث کی آڑ میں ایک ایک حوالے میں چار چار پانچ پانچ بددیانتیاں کیں اور نہایت ذلیل ہوئے اور سب سے بڑی ذلت یہ ہوئی کہ لامذہب مناظر کا دعویٰ تھا کہ فقہ کے مسائل قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔ لامذہب مناظر ان میں سے کسی مسئلہ کے خلاف بھی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہ کر سکا۔ اور قیامت تو یہ ٹوٹ رہی تھی کہ اس کو زنا موجب حد اور ...... حد کی شرعی تعریف تک نہیں آ رہی تھی راولپنڈی کا یہ مناظرہ ان کی علمی واخلاقی موت تھا۔

اس مناظرہ کے بعد ان کے علماء تو سخت شرمسار ہوئے لیکن جاہل مجہول

دکانداروں کے نام سے پمفلٹ شائع ہونے شروع ہوئے ایسے ہی اشتہارات کی ایک کڑی یہ بھی ہے۔

چونکہ راولپنڈی کے مناظرہ میں لامذہب اسی بات پر سخت پریشان تھے کہ ہمارے مناظر نے پیش کردہ مسائل فقہ کے خلاف کوئی آیت یا حدیث پیش نہیں کی اسی لیے خالد حمید نے اس خط میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی لیکن راولپنڈی میں پیش کردہ عبارات کے خلاف صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کرنے سے وہ اب بھی ایسے ہی ناکام رہے ہیں جیسے ان کا مناظر ناکام رہا تھا البتہ ان مسائل سے پہلے چار نئے مسائل لکھے ہیں جن کو بزعم خود اس نے قرآن وحدیث کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

حنفی فقہ کے بارے میں لامذہب یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ اس کے تمام مفتیٰ بہا مسائل قرآن پاک کی صریح آیات اور آنحضرت ﷺ کی صحیح صریح غیر معارض احادیث کے خلاف ہیں ہم نے پورے ملک میں ان کے اس چیلنج کو قبول کرلیا اور انہیں کہا کہ ہم فقہ کی کتاب لے کر بیٹھتے ہیں اور بالترتیب فقہ کے مسائل پڑھتے جائیں گے آپ بالترتیب ہر ہر مسئلہ کے خلاف ایک ایک صریح آیت یا ایک ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کرتے جائیں حدیث کی صحت وضعف یا کسی بات میں بھی آپ کسی غیر معصوم امتی کا قول پیش نہیں کرسکیں گے لیکن اس صحیح طریق فیصلہ پر لامذہب نہ آئے ہیں نہ قیامت تک آسکتے ہیں کیونکہ اس طرح فقہ کی کتاب کے ایک صفحہ میں ہی ان کا علمی دیوالیہ نکل جاتا ہے کیونکہ فقہ حنفی کے مسائل تقریباً بارہ لاکھ نوے ہزار ہیں اور یہ لوگ ہر ہر مسئلہ کے خلاف ایک ایک حدیث بھی پیش کریں تو انہیں تقریباً بارہ لاکھ نوے ہزار باسند اور صحیح احادیث پیش کرنا پڑیں گی اس لیے لامذہب غیر مقلد مناظر زہر کا پیالہ پی کر خودکشی کی حرام موت تو مرسکتا ہے مگر اس طریق فیصلہ پر نہیں آسکتا۔

اجتہادی مسائل کے بارے میں رسول پاک ﷺ کا فیصلہ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فله اجران و اذا حکم فاجتھد ثم اخطا فله اجر.

(بخاری ص۱۰۹۲ ج۲)

جب حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور صحیح فیصلہ پر پہنچ جائے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور خطاء ہو جائے تو ایک اجر کا مستحق ہے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ مجتہد معصوم تو نہیں ہوتا کیونکہ اجتہاد میں خطاء کا احتمال بھی ہے مگر وہ مطعون بھی نہیں ہوتا کہ اس پر زبان طعن دراز کی جائے بلکہ مجتہد کے لیے ہر ہر حال میں ماجور ہے خواہ دو اجر کا مستحق ہو یا ایک اجر کا تو جس کو خدا اجر دے رہا ہے اس پر طعن کرنے والا اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ مجتہد کا ذرا بھر نقصان نہیں بلکہ نااہل کی طرف سے اس پر طعن مزید بلندی درجات کا موجب ہوتا ہے۔

جناب من جب مجتہد اجتہاد سے فیصلہ دیتا ہے تو اس اجتہادی فیصلے کو تسلیم کرنے والا اس کا مقلد کہلاتا ہے اور جو شخص نہ خود حاکم مجتہد ہو نہ اس کے فیصلے کو تسلیم کرے اسے عرف عام میں باغی کہا جاتا ہے۔ آپ جیسے نااہل کو تو مجتہد سے بغاوت کی بھی اجازت کتاب وسنت میں موجود نہیں چہ جائیکہ آپ اپنے آپ کو مجتہدین کا جج سمجھ لیں۔

اگر آپ واقعی حدیث رسول کو مانتے ہوتے تو آپ کا فرض تھا کہ رسول اقدس ﷺ کے فیصلے کو تسلیم کر کے خط میں یہ لکھتے کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ جو باجماع امت مجتہد ہیں ان کے اجتہادی مسائل کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار ہے جن میں سے میری ناقص رائے میں یہ نو مسائل ایسے ہیں جن میں امام صاحب سے خطاء ہوئی ہے اس لیے میری غیر معصوم اور ناقص رائے کے مطابق امام اعظم کو بارہ لاکھ نواسی ہزار نو سو اکیانوے مسائل میں دو اجر ملے ہیں اور ان نو مسائل میں ان کو ایک اجر ملا ہے اور یہ حق بھی آپ کو اس وقت تھا کہ آپ خود اجتہاد کے اہل ہوتے۔ ورنہ آپ کو یہ حق ہرگز نہیں تھا۔

رسول اقدس ﷺ کا ایک اور فیصلہ

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر کئی امور کے بارہ میں بیعت کی جن میں ایک یہ بات بھی تھی ان لا ننازع الامر اھلہ (نسائی ص ۱۵۹ ج ۲) یعنی ہم کسی امر کے اہل سے جھگڑا نہیں کریں گے آنحضرت ﷺ کے اس اصول کو ساری دنیا نے قبول کر لیا ہے اس لیے ساری دنیا کا اتفاق ہے کہ جسٹس سے اختلاف رائے کا حق جسٹس کو ہے کسی نا اہل ملزم کو یہ حق ہرگز نہیں ڈاکٹر سے اختلاف رائے کا حق ڈاکٹر کو ہے کسی مریض کو نہیں کیونکہ وہ نا اہل ہے محدث سے اختلاف رائے کا حق محدث کو ہے حدیث کی کتاب کی صرف اردو خواندگی والے کو یہ حق نہیں کیونکہ وہ نا اہل ہے اسی طرح مجتہد سے اختلاف کا حق مجتہد کو تو ہے مگر کسی دوکاندار کو نہیں اگر آپ ملکۂ اجتہاد نہ ہوتے ہوئے مجتہد اعظم سے منازعت کر رہے ہیں تو آپ رسول اکرم ﷺ کے بھی نافرمان ہیں۔ حافظ صاحب اگر آپ کو یہ شوق ہے تو ایک مجلس مقرر کریں ہم آپ کو کسی ڈاکٹر کے دس نسخے اور ڈاکٹری کی کتاب کسی جسٹس کے دس فیصلے اور قانون کی کتاب۔ کسی انجینئر کے دس نقشے اور اس فن کی کتاب دیں گے آپ ڈاکٹر کی جو غلطیاں نکالیں گے ان کو ڈاکٹروں کے بیچ میں جسٹس کی غلطیوں کو جسٹس صاحبان کے بیچ میں، انجینئر کے نقشوں کو انجینئروں کے بیچ میں رکھیں گے ہمارا کامل یقین ہے کہ تمام بورڈ ایک ہی متفقہ فیصلہ دیں گے کہ حافظ جی کو پاگل خانے بھیج دو آزمائش شرط ہے۔

چیلنج

حافظ صاحب آپ کو تو اجتہاد کی ہوا بھی نہیں لگی آپ اور آپ کی ساری جماعت مل کر قرآن کی صریح آیت یا کسی ایک ہی صحیح صریح غیر معارض حدیث سے اجتہاد کی جامع مانع تعریف اور مجتہد کی شرائط نہیں بتا سکتے۔ آپ کوشش کر دیکھیں سارا زور علم پوری جماعت مل کر صرف کرے قیامت تک عاجز اور بے بس رہو گے ہاں ہم

ادلہ اربعہ کے ماننے والے ہیں آپ ہم سے سوال کریں کہ ادلہ اربعہ شرعیہ میں سے کسی دلیل شرعی سے اجتہاد کی تعریف اور مجتہد کے شرائط بیان کرو ہم انشاء اللہ العزیز دس منٹ کے اندر اندر اس کا جواب دیں گے۔ جب آپ اجتہاد کی تعریف اور شرائط سے بھی جاہل ہیں تو آپ جیسے نا اہل کا امام اعظمؒ سے مسائل اجتہادیہ میں منازعت کرنا حدیث رسول ان لا ننازع الامر اهله کی صریح مخالفت ہے۔

چیلنج

عام طور پر لامذہب یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم چاروں اماموں کے مسائل میں سے وہ مسئلہ لیتے ہیں جو قرآن وحدیث کے موافق ہو یہ محض دروغ بے فروغ ہے اگر آپ بھی اس غلط فہمی کے مریض ہیں تو آیئے ایک مجلس مقرر کریں ہم مختلف ابواب فقہ سے ۱۰۰ مسائل آپ کے سامنے رکھیں گے اور مصری ٹائپ کی حدیث کی کتابیں اور غیر مترجم قرآن پاک دیں گے آپ پہلے ہر مسئلے میں چاروں اماموں کا مسلک بیان کریں گے پھر ہر امام کے دلائل بیان کریں گے اور پھر صحیح صریح غیر معارض حدیث سے ایک امام کے قول کو صحیح اور تین اماموں کے اقوال کو غلط ثابت کریں گے حافظ آپ تو خیر کس باغ کی مولی ہیں آپ کے بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہو رہا ہے ہم نے کئی سالوں سے یہ چیلنج دے رکھا ہے لیکن آپ کی طرف سے موت کی سی خاموشی ہے اور انشاء اللہ صور اسرافیل تک یہی خاموشی رہے گی۔

نوٹ ضروری

قرآن و حدیث اور فقہ میں مخالفت ثابت کرنے کے لیے تین باتیں ضروری ہیں۔

۱۔ قرآن وحدیث کا پورا علم ہو۔

۲۔ فقہ کے مسئلہ کو پورا اور صحیح سمجھا ہو۔

۳۔ فقہاء نے اس کی کوئی دلیل بیان کی ہو تو اس کا جواب دے کوئی بات قرآن کی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث کے علاوہ نہ کرے۔

رسول اقدس ﷺ کا ایک اور فیصلہ

آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا اور بڑی تاکید سے فرمایا لا یُصَلِّیَنَّ اَحَدُکُم العَصْرَ الافِی بَنِی قُرَیْظَه.

(بخاری ص ۵۹۱ ج ۲)

یعنی ہرگز کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ میں یہ حدیث صحابہؓ نے خود آنحضرت ﷺ سے سنی جوان کے حق میں قطعی الثبوت بھی تھی اور قطعی الدلالت بھی مگر جب راستہ میں نماز عصر کا آخری وقت آ گیا تو بعض صحابہ نے راستے میں نماز پڑھ لی اور بعض نے قضا کر کے بنو قریظہ میں جا کر پڑھی آنحضرت ﷺ نے کسی پر اعتراض نہ کیا۔

حافظ ابن القیم وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ بظاہر یہاں قرآن اور حدیث میں تعارض ہو گیا تھا قرآن کہتا ہے کہ ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾ نماز کے وقت اسی لیے مقرر ہیں کہ نماز وقت کے اندر پڑھی جائے اس لیے انہوں نے قرآن پاک کے قاعدہ کے موافق نماز وقت میں ادا کر لی اور حدیث میں تاویل کی کہ حضرت کا مقصد نماز قضا کروانا نہ تھا بلکہ یہ مقصد تھا کہ اتنی جلدی کرو کہ عصر کے وقت میں ہی بنو قریظہ کے ہاں پہنچ جاؤ۔ دوسرے فریق نے قرآن کی آیت میں تاویل کی کہ یہ اصول برحق مگر آج کی نماز کو حضرت نے اس سے مستثنیٰ فرمادیا ہے حافظ ابن القیم فرماتے ہیں جنہوں نے راستہ میں نماز پڑھی تھی ان کو دو اجر ملے اور جنہوں نے قضا کر کے پڑھی تھی ان کو ایک اجر ملا۔ (زاد المعاد ص ۷۱ ج ۲)

اب دیکھئے صحابہؓ کے اس اجتہادی اختلاف پر نہ تو آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ میرے صحابہ میں سے ایک جماعت نے قرآن کی مخالفت کی دوسری جماعت نے صحیح صریح حدیث کی مخالفت کی اور نہ ہی صحابہ کی دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو مخالف قرآن اور مخالف حدیث کہا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس مسئلہ میں دلائل شرعیہ متعارض ہوں وہاں مجتہدین کو یہ حق ہے کہ وہ ایک پہلو کو اختیار کریں مگر یہ حق مجتہدین کو بھی نہیں کہ اپنے مدمقابل کو قرآن یا حدیث کا مخالف کہے چہ جائیکہ جناب جیسے نااہل مجتہدین کا منہ چڑائیں۔

قیام حشر کیوں نہ ہو اک کلچڑی نبجی
کرے ہے حضور بلبل بستان نواسنجی

ایسے موقع پر دوسرے کو قرآن و حدیث کا مخالف کہنا خود حدیث صحیح متفق علیہ کی صریح مخالفت ہے۔

حافظ صاحب لکھتے ہیں میرے ایک دوست نے مجھے یہ بتا کر ورطہ حیرت میں ڈال دیا کہ فقہ حنفی کے بہت سے مسائل آیات قرآنی کے خلاف ہیں (پھر تین مسائل پیش کئے ہیں ۳۔۱۲۹۰۰۰۰ مخالف قرآن) اور ان گنت مسائل صحیح اور صریح احادیث رسول اللہ ﷺ سے متصادم ہیں (پھر ایک مسئلہ بیان کیا ہے ۱۔۱۲۹۰۰۰۰ مخالف حدیث) پھر پانچ وہ مسائل لکھے ہیں جو ۲۶ فروری ۸۴ء کو راولپنڈی کے مناظرہ میں زیر بحث آئے لیکن نہ مناظرہ میں ان مسائل کے خلاف کوئی صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کر سکے تھے نہ اب پیش کر سکے ہیں۔ اب بالترتیب ان مسائل کو دیکھیں۔

مدت رضاعت

مدت رضاعت قرآن میں دو سال مقرر کی گئی ہے۔ (البقرہ) لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مدت اڑھائی سال ہے (ہدایہ ص ۳۵۰ ج ۲) حافظ صاحب نے اس ایک سطر میں پانچ بددیانتیاں کی ہیں جن کی مثال ہمیں پادری فانڈر کے لٹریچر میں بھی نہیں ملی۔

حافظ جی کو فقہ نہیں آتی

حق تعالیٰ کا قانون ہے کہ بندہ جس نعمت کی ناشکری کرے وہ نعمت خدا اس سے چھین لیتا ہے لامذہب غیر مقلدین نے فقہ کے خلاف زبان طعن دراز کی خدا نے یہ نعمت

ان سے چھین لی حافظ صاحب تو کیا ہیں ان کے بڑے بڑے علماء اس سے محروم ہیں ان کے بڑے بڑے مدارس میں دیکھو تو ہدایہ پڑھانے کے لیے حنفی مدرسین رکھتے ہیں۔

(نفس مسئلہ) صاحب ہدایہ نے یہاں دو قسم کی عورتوں کا ذکر فرمایا ہے اور دو قسم کی مدت بیان کر کے دونوں قسموں کو قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے۔

ا۔ وہ عورت جو خاوند کے نکاح میں ہے اور بغیر اجرت لیے بچے کو دودھ پلا رہی ہے اس بچے کی مدت رضاعت اڑھائی سال بیان کی ہے اور دلیل میں قرآن پاک کی آیت پیش فرمائی ہے ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا . . .﴾ (الاحقاف) اٹھانا بچے کو اور دودھ چھڑانا اس کا تیس ماہ (اڑھائی سال) میں۔ اس آیت میں حمل کے دو معنے ہو سکتے ہیں پیٹ میں اٹھانا یا گود میں اٹھانا اگر یہاں پیٹ میں اٹھانا مراد ہو تو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت بھی اڑھائی سال اور دودھ چھڑانے کی زیادہ سے زیادہ مدت بھی اڑھائی سال ہوئی جیسے کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص کے ذمہ ایک ہزار روپیہ اور پانچ بوری گندم اڑھائی سال پانچ بوری گندم کے لیے بھی اڑھائی سال کوئی یہ نہ کہے گا کہ چونکہ دو چیزوں کا بیان ہے اس لئے سوا سال ہزار روپیہ کی اور سوا سال پانچ بوری گندم کی اور مجموعہ اڑھائی سال ہے (ہدایہ مع عنایہ) اگر کوئی شخص یہاں حمل کا معنی پیٹ میں اٹھانے کا لے اور اڑھائی سال دونوں کی مجموعی مدت قرار دے تو وہ یہ بتائے کہ جو بچہ چھ ماہ ماں کے پیٹ میں رہا وہ تو دو سال دودھ پیئے گا جو ۹ ماہ پیٹ میں رہا وہ پونے دو سال جو ڈیڑھ سال ماں کے پیٹ میں رہا وہ ایک سال دودھ پیئے اور جو دو سال ماں کے پیٹ میں رہے وہ چھ ماہ دودھ پیئے اور بعض کے نزدیک تو حمل چار سال تک بھی رہ سکتا ہے تو ایسے بچے پر تو ایک قطرہ دودھ بھی حرام ہوگا اس لیے آسان مطلب یہ ہے کہ حمل سے گود میں اٹھانا مراد لیا جائے تو آیت کا معنی ہوگا اور گود میں اٹھانا اور دودھ چھڑانا اس کا تیس ماہ یعنی اڑھائی سال میں۔

(تفسیر احکام القرآن ص ۳۹۱ ج ا تحت اشراف مولانا اشرف علی تھانوی)

۲۔ دوسری وہ عورت ہے جس کو خاوند نے طلاق دے دی ہے اور وہ اب بچے کو اجرت پر دودھ پلا رہی ہے اس میں مرد۔ عورت اور بچے تینوں کے حقوق کو مدنظر رکھ کر دوسال مدت رضاعت کی اجرت لینے کا حق دیا ہے۔ اور اس پر صاحب ہدایہ سورۃ البقرہ والی آیت اور حدیث لا رضاع بعد الحولین پیش فرما رہے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ان عورتوں کا ذکر فرماتے ہوئے جن کو طلاق مل چکی ہے اور وہ اجرت پر دودھ پلا رہی ہیں فرماتے ہیں ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرہ) اور اجرت پر دودھ پلانے والی مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں پورے دوسال اس خاوند کے لیے جو اجرت والی مدت رضاعت کو پورا کرنا چاہے۔ اور والد پر ضروری ہے کہ ان دوسالوں میں اس عورت کو نان ونفقہ دے رواج کے موافق اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پھر دوسال کے بعد اگر فان ارادا فصالاً اگر وہ دونوں دودھ چھڑانے کا ارادہ کریں عن تراض منهما وتشاور باہمی رضامندی اور مشورہ سے تو فلا جناح علیهما ان پر کوئی گناہ نہیں" فان ارادا فصالاً عن تراض فانهٗ ذكر بحرف الفاء معلقا بالتراضي ولو كان الرضاع بعده حراماً لم يعلق به لانه لا اثر للتراضي في ازالة المحرم شرعاً (عنایہ علی الہدایہ ص ۳۵۰ حاشیہ نمبر ۱۴) اور حضرت ابن عباسؓ آیت فان ارادا فصالا کی تفسیر میں فرماتے ہیں قبل الحولين او بعد الحولين (تفسیر ابن جریر بسند حسن ص ۳۰۲ ج ۲) یعنی دوسال سے پہلے چھڑانا چاہیں یا دوسال کے بعد اور حضرت عطاء بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں اگر چاہے تو دوسال سے زیادہ پلائے۔ (تفسیر ابن جریر ص ۳۰۲ ج ۲)

اب دیکھئے حافظ صاحب نے دو بد دیانتیاں تو قرآن کے ساتھ کیں اڑھائی سال والی آیت کا سرے سے انکار کر دیا دوسال والی آیت میں ایک بد دیانتی تو یہ کی کہ یہ نہ بتایا وہ مطلقہ عورتوں کے بارہ میں ہے جو اجرت پر دودھ پلائیں دوسری

بددیانتی یہ کی کہ اس کے بعد آیت فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا کی طرف اشارہ تک بھی نہیں کیا اور تین بددیانتیاں ہدایہ کے ساتھ کیں صاحب ہدایہ نے اڑھائی سال کی دو دلیلیں بیان کی تھیں ایک قرآنی اور ایک عقلی دونوں میں سے کسی کا نام تک نہ لیا اور دو سال والی آیت کا مطلب جو صاحب ہدایہ نے بیان کیا تھا اس کا ذکر تک نہ کیا۔

ان چھ کے علاوہ ساتویں بددیانتی یہ کی کہ ان کے مذہب میں ڈاڑھی والے بوڑھے کو بھی پستان نوشی کی اجازت ہے۔(عرف الجادی۔نزل الابرار) جو قرآن کی دونوں آیتوں کے خلاف ہے یہاں حافظ صاحب ایسے خاموش ہوئے کہ ان پر گونگے شیطان ہونے کا یقین ہونے لگا ورنہ وہ چیخ اٹھتے کہ کیا قیامت آ گئی ہے کہ حدیث حدیث کا نام لے کر قرآن پاک کی کھلم کھلا مخالفت کی جا رہی ہے اور آٹھویں بددیانتی یہ کی کہ حنفی مذہب کے مفتیٰ بہ قول کی وضاحت نہ کی۔ احناف کو کسی بات پر ضد نہیں ہے امام صاحبؒ اڑھائی سال کے قائل ہیں اور صاحبین دو سال کے اس لیے احناف ان میں تطبیق اس طرح دیتے ہیں کہ دودھ پلانے میں دو سال کی مدت پر اتفاق ہے کہ دودھ حلال ہے چھ ماہ میں اختلاف ہے جہاں حرام حلال میں تعارض ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہیئے تو دودھ پلانے میں فتویٰ دو سال پر مناسب ہے تاکہ مشکوک دودھ جو خلاف تقویٰ ہے اس سے پرہیز ہو جائے دوسری طرف اگر کسی بچے نے عورت کا دودھ دو سال کے بعد اڑھائی سال کے اندر پی لیا تو وہ اس کی رضاعی ماں بنے گی یا اڑھائی سال والے فتوے پر ماں بنے گی اور دو سال والے قول پر ماں نہیں بنے گی اب اس عورت اور اس کی بیٹیوں سے نکاح کے جائز ناجائز ہونے کا سوال اٹھے گا تو احتیاط اسی میں ہے کہ اڑھائی سال والے قول پر فتویٰ دے کر حرمت مان لی جائے ایسا نہ ہو کہ ساری عمر حرام میں مبتلا رہے اور یہ بات بھی حدیث کے عین موافق ہے حضورؐ نے فرمایا حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان دو کے درمیان کچھ متشابہات ہیں ان سے بچو اب دیکھو کہ حافظ صاحب نے فقہ کے ایک مسئلہ کو قرآن کے خلاف ثابت کرنے کے لیے آٹھ بددیانتیاں کیں جس کی مثال ماسٹر رام چندر کے ہاں بھی نہیں

ملتی اور یہ بات تو صاف سمجھ میں آ گئی کہ حافظ صاحب کو نہ قرآن آتا اور نہ فقہ آتی ہے وہ جاہل مرکب ہیں۔

مشرک کا حرم پاک میں داخلہ

سورۃ توبہ میں ہے کہ مشرک حرم پاک کے قریب نہ پھٹکیں اور ہدایہ میں ہے کہ اہل ذمہ کے داخلہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہم تو پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ حافظ صاحب کو نہ قرآن آتا ہے اور نہ ہی فقہ آتی ہے قرآن پاک میں دو آیات ہیں۔

ا۔ ﴿أُولٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَّدْخُلُوْهَا إِلَّا خَائِفِيْنَ ۝ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (البقرہ۔ ع ۱۴)

ان کو نہیں چاہئے تھا کہ ان مساجد میں داخل نہ ہوں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لیے دنیا میں رسوائی (جزیہ دینے کی) اور آخرت میں عذاب ہے بڑا۔ علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ نے اسی آیت سے ثابت کیا ہے کہ اہل ذمہ کا مساجد میں داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ وہ مغلوب و مقہور ہوں۔

۲۔ آنحضرت ﷺ نے ۹ھ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ سے اعلان کروایا جو خدا کی طرف سے تھا۔ ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ﴾

(التوبہ۔ ع ۴)

اے ایمان والو! مشرک (اعتقاداً) ناپاک ہیں (اور چونکہ اعتقادی ناپاکوں کی کوئی عبادت قبول نہیں اس لیے وہ حج کے لیے) مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں اس سال کے بعد (سال کا لفظ اس لیے فرمایا کہ حج کے لیے آنا سال کے بعد ہی ہوتا ہے) اور اگر تمہیں اے مسلمانوں مفلسی کا اندیشہ ہو (کیونکہ حج کے موقع پر کافر تاجر بھی سامان لاتے اور اسی تجارت سے روزی کا سامان بنتا تو اس کی پرواہ نہ کرو کہ اگر وہ حج کے لیے نہ آئیں گے تو تجارت ختم ہو جائے گی جو اقتصادیات کی جان ہے) اللہ تعالیٰ

تمہیں غنی فرما دیں گے"۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے جب یہ آیت سنائی تو حج کے اتنے بڑے مجمع میں یہی اعلان فرمایا الا لا یحج بعد عامنا هذا مشرک (روح المعانی ص ۷۷ ج ۱۰) کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے۔ معلوم ہوا کہ اس آیت کا مقصد حج وعمرہ سے مشرکین کو روکنا ہے آیت کا یہی مطلب صراحۃً ہدایہ میں مذکور ہے فرماتے ہیں والآیۃ محمولة على الحضور استیلاء واستعلاء او طائفین عراة كما كانت عادتهم في الجاهلية. (ھدایہ ص ۴۷۲)

یعنی سورۃ التوبہ کی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ غلبہ و بلندی کے ساتھ اتراتے ہوئے حرم میں داخل نہ ہوں یا حج کے لیے ننگے طواف کرتے ہوئے داخل نہ ہوں جیسا کہ جاہلیت میں ان کی عادت تھی دیکھئے احناف نے اس آیت کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کا وہی مطلب بیان کیا جو آیت کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے اور جس کا اعلان حضرت علیؓ نے نزول آیت کے وقت مجمع حج میں فرمایا تھا۔

رسول اقدس ﷺ کا طرز عمل

سورۃ التوبہ کی اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وفد ثقیف حاضر ہوا اور آنحضرت ﷺ نے انہیں مسجد میں ٹھہرایا (ابوداؤد کتاب الخراج باب خبر الطائف ص ۷۲ ج ۲) طبرانی میں ہے کہ فضرب لهم قبة في المسجد ان کے لیے مسجد میں قبہ لگایا گیا (نصب الرایہ ص ۲۷۰ ج ۴) اور مراسیل ابی داؤد میں حضرت امام حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ جب اس وفد کو حضورؐ نے مسجد میں ٹھہرایا تو آپؐ سے کہا گیا آپ ان کو مسجد میں اتار رہے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں تو آپ نے فرمایا زمین نجس نہیں ہوتی ہے بے شک ابن آدم نجس ہوتا ہے (نصب الرایہ ص ۲۷۰ ج ۴) اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ مشرک کی نجاست دخول مسجد سے مانع نہیں ہے۔

آیت کی تفسیر نبی اقدس ﷺ سے

حضرت جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس سال

کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے قریب نہ جائے ہاں مگر کوئی غلام یا لونڈی جو کسی حاجت کے لیے جائیں۔ (احکام القرآن ص ۸۹ ج ۳)

صحابی سے تفسیر

حضرت جابر بن عبداللہ صحابیؓ فرماتے ہیں بے شک مشرک نجس ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر کوئی غلام یا اہل ذمہ میں سے۔
(تفسیر ابن جریر ص ۷۶ ج ۱۰)

تابعی سے تفسیر

حضرت قتادہؒ تابعی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے پاس نہ جائے مگر وہ مشرک جو کسی مسلمان کا غلام ہو یا جزیہ دینے والا ذمی ہو۔ (تفسیر ابن جریر ص ۷۶ ج ۱۰)

دور فاروقی میں نصرانی کا حرم میں داخلہ

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک عیسائی بغرض تجارت آیا تو اس سے عشر لیا گیا وہ دوبارہ آیا تو پھر اس سے عشر کا مطالبہ کیا گیا اس نے عشر دینے سے انکار کیا اور حضرت عمرؓ کے پاس گیا جو اس وقت مکہ مکرمہ حرم پاک میں تھے اور خطبہ میں فرما رہے تھے ان اللہ جعل البیت مثابۃ للناس۔ اس عیسائی نے کہا امیر المومنین زیاد بن حدیر مجھ سے بار بار عشر مانگتے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عشر سال میں تیرے مال پر صرف ایک دفعہ ہے۔ (کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۱۶۲)

اب اگر امام صاحبؒ نے فرما دیا کہ لا بأس بان یدخل اھل الذمۃ المسجد الحرام (ھدایہ ص ۴۷۲ ج ۴) تو یہ قرآن کی آیت یَدۡخُلُوۡهَا خَآئِفِيۡنَ کے موافق ہے اللہ کے نبیؐ کے فعل کے موافق ہے اللہ کے نبی۔ صحابی۔ تابعی فرماتے ہیں کہ یہ داخلہ آیت توبہ کے خلاف نہیں، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مجمع عام میں نصرانی حرم پاک میں داخل ہوا کسی ایک شخص نے بھی اٹھ کر آیت ﴿اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ

فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ...﴾ پڑھ کر نہ سنائی معلوم ہو گیا کہ ان سب صحابہؓ و تابعینؒ کے نزدیک بھی کسی ذمی کا وقتی طور پر مسجد حرام میں داخلہ کسی آیت یا حدیث کے خلاف نہ تھا۔

الغرض حافظ صاحب نے اس اعتراض میں کئی بددیانتیاں کیں۔

۱۔ آیت۔ یدخلوھا خائفین کا انکار کرنا پڑا۔

۲۔ سورۃ التوبہ کی آدھی آیت کا ترجمہ کیا باقی چھوڑ دیا تا کہ سیاق وسباق کا پتہ نہ چلے۔

۳۔ سورۃ التوبہ کی آیت کی تفسیر میں ذمی کو داخل کر کے نبی پاک صحابہؓ اور تابعینؒ کی مخالفت کی۔

۴۔ اس آیت کے ساتھ حضرت علیؓ نے جو اعلان فرمایا تھا اس کو چھپایا۔

۵۔ صاحب ہدایہ نے مسئلہ کی دلیل میں وفد ثقیف والی حدیث بیان کی تھی اس کا نام تک نہ لیا۔

۶۔ صاحب ہدایہ نے آیت التوبہ کا جو صحیح محل بیان فرمایا تھا اس کا ذکر تک نہ کیا۔

ڈیڑھ سطر میں ۶ بدعنوانیاں ہیں جن میں نہ قرآن کو معاف کیا نہ صاحب قرآن کو نہ فقہ کو اس کی مثال قادیانی لٹریچر میں ملنی بھی محال ہے حافظ صاحب فقہ کے بغض میں وہ بے ایمانیاں کرتے ہیں کہ قادیانی ریکارڈ بھی توڑ ڈالا۔ ﴿قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ...﴾

کافر کو عبادت کیلئے مکان کرایہ پر دینا

قال ومن آجر بیتاً لیتخذفیه بیت نار او کنیسة اربیعة اوبیاع فیه الخمر بالسواد فلا بأس به وقالا لا ینبغی ان یکریه بشی من ذلک لانه اعانة علی المعصیة وله ان الاجارة تردعلیٰ منفعة البیت ولهذا یجب عجزوالتسلیم ولا معصیة فیه و انما المعصیة بفعل

المستأجر وهو مختار فيه فقطع نسبته عنه وانما قيده بالسواد لانهم لايمكنون من اتخاذا لبيع والكنائس واظهار بيع الخمور والخنازير في الامصار لظهور شعائرا الاسلام فيها قالوا هذا في سواد لكوفة لان غالب اهلها اهل الذمة فامافي سوادنا فاعلام الاسلام ظاهرة فيها فلا يمكنون فيها ايضا وهوا لاصح . (هدایہ ج۴ ص ۴۷۰)

صاحب ہدایہ نے تین صورتیں مسئلہ کی ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) ایک مسلمان کا مکان کسی شہر میں ہے جہاں شعائر اسلام یعنی جمعہ، جماعت عید۔ اقامت حدود جاری ہیں وہاں کسی مسلمان کو وہ مکان ایسے لوگوں کو کرائے پر دینے کی اجازت نہیں۔ اس لئے نہیں کہ یہ ان کے ساتھ تعاون ہے بلکہ اس لیے بھی کہ اس میں شعائر اسلام کا استخفاف ہے۔

(۲) کسی مسلمان کا مکان ایسے گاؤں میں ہے جس میں مسلمان بھی آباد ہیں اور اذان جماعت وغیرہ شعائر اسلام ادا ہوتے ہیں وہاں بھی مکان ان کو کرائے پر دینا جائز نہیں کیونکہ شعائر اسلام ظاہر ہیں۔

(۳) کسی مسلمان کا مکان ایسے گاؤں میں ہے جہاں غالب اکثریت اہل ذمہ کی ہے اور شعائر اسلام کا ظہور نہیں جمعہ یا جماعت بھی نہیں ہوتی ایسے گاؤں میں وہ پہلے ہی غالب ہیں اس لئے ان کو کرائے پر مکان دینے میں نہ تو شعائر اسلام کا استخفاف ہے اور نہ ہی تعاون ہے پس کوئی وجہ حرمت کی نہیں۔

عدم تعاون کی دلیل صاحب ہدایہ نے یہ ذکر کی ہے کہ کرایہ پر تو مکان اس لئے دیا جاتا ہے کہ کرائے پر لینے والا اس مکان سے منفعت حاصل کرے۔ اگر مکان خالی ہی رہے تو بھی کرایہ اس کا ذمہ واجب ہوتا ہے معلوم ہوا کہ کرائے پر دینے کا عمل یہاں تک ہی ہے اس کے بعد جو گناہ ہے وہ کرایہ پر لینے والے کا ہے جس میں وہ مختار

ہے مکان والے کی طرف سے کوئی زبردستی نہیں۔ اس لئے اس گناہ میں مکان والے کا کوئی تعاون نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ ایک شخص نے لونڈی فروخت کی خریدار نے بغیر استبراء اس سے صحبت کی تو اس میں بیچنے والے کو کوئی گناہ نہیں یا کسی نے غلام فروخت کیا خریدار نے اس غلام سے اغلام بازی کی تو اس گناہ میں بیچنے والا ہرگز شریک نہیں۔ حافظ صاحب یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان کسی کافر کو رہائش کے لئے مکان دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں مگر وہ کافر اس مکان میں اپنے طرز پر عبادت بھی کرے گا آتش پرست آگ کی پوجا کرے گا صلیب پرست صلیب کی۔ بت پرست بت کی تو کیا آپ کرایہ پر دینے والے کو اس کا معاون سمجھیں گے۔ کسی کرایہ دار نے کرایہ کے مکان میں زنا کیا۔ شراب پی یا قتل ناحق کیا تو کیا مالک مکان پر آپ حدود جاری کرائیں گے۔

آپ نے جو قرآن کی آیت پیش کی نہ اس کا ترجمہ اس مسئلہ کا رد نہ اس کا شان نزول یہ مسئلہ نہ کسی حدیث صحیح سے ثابت کہ دوسرے کے فعل مختار میں مالک مکان معاون ہوتا ہے محض بے موقع آیت پڑھی اور مفت کا گناہ کمایا۔ معلوم ہو گیا کہ آپ کو نہ قرآن آتا ہے نہ فقہ

نہ ہوئے علم سے واقف نہ دین حق کو پہچانا
پہن کر جبہ و شملہ لگے کہلانے مولانا

شیرۂ انگور (مثلث)

قرآن پاک میں یہ پڑھا ہے کہ جب ملاء اعلیٰ کی میٹنگ ہوتی ہے تو شیطان پوری میٹنگ سے ایک آدھ بات اچک لیتا ہے پھر اس کے ساتھ بفرمان رسول جھوٹ ملا کر پھیلاتا ہے یہی طرز عمل فقہ کے ساتھ لا مذہبوں کا ہے۔ ہدایہ میں مسئلہ یہ ہے کہ شیرۂ انگور کو اگر اتنا پکایا جائے کہ اس میں شدت آجائے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حلال ہے..... ہاں اگر شیرہ کو اتنا پکایا جائے کہ اس کی دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے تو وہ ہرگز حلال نہیں۔ (ہدایہ ج ۴ ص ۴۹۴ و ۴۹۵)

یہ مسئلہ اس وقت ہے جب کوئی ضرورت شدیدہ مثلاً (ایک شخص اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ وہ فرض عبادت بھی ادا نہیں کر سکتا اور اس کے پینے سے اس میں طاقت آتی ہے اور وہ عبادت کر سکتا ہے تو) عبادت پر طاقت حاصل کرنے کے لئے پی سکتا ہے ورنہ اگر لہو وطرب مقصود ہو تو بالاتفاق حلال نہیں۔ (ہدایہ ج۴ ص۴۹۴)

حافظ صاحب نے پہلے تو ہدایہ کی عبارت کا ترجمہ غلط کیا اشتد کا ترجمہ نشہ کیا جو غلط ہے اگر حافظ صاحب کے نزدیک یہ ترجمہ صحیح ہے تو حضرت عمرؓ جو نبیذ پیتے تھے اس کے بارہ لفظ ہے فکان اشد النبیذ (طحاوی ج ۲ ص ۳۵۹) کیا یہاں بھی وہ یہی ترجمہ کریں گے کہ بہت نشہ آور نبیذ پیتے تھے۔

(دوم) امام صاحبؒ کے نزدیک لہو وطرب کے لئے حرام ہے اس کا ذکر تک حافظ صاحب نے نہ کیا اور ضرورت کے حکم کو حکم عام بنا کر پیش کر دیا جیسے بوقت ضرورت شدیدہ مردار کھانے کا جواز قرآن میں ہے اب کوئی اس کو عام حکم بنا کر پیش کرے تو کتنا بڑا جھوٹ ہے۔

(۳) اس مسئلہ کے خلاف کوئی صریح حدیث حافظ صاحب پیش نہیں کر سکے جس میں حضورؐ کا فرمان ہو کہ شیرۂ انگور کو پکایا جائے اگر دو ثلث جل جائے ایک ثلث رہ جائے تو بھی بوقت ضرورت حرام ہے ایسی کوئی حدیث ہو تو حافظ صاحب پیش کریں۔

(۴) حضرت عمرؓ حضرت ابوعبیدۃ بن الجراحؓ اور حضرت معاذؓ طلاء مثلث کو جائز کہتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۸)

(۵) حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت ابوجحیفہ تو نصف جل جانے کے بعد بھی پی لیتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۸)

(۶) حضرت ابودرداءؓ الخمر شراب میں مچھلی ڈال کر دھوپ میں رکھ دیتے پھر فرماتے کہ مچھلی نے شراب کو ذبح کر دیا ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۲۶)

(۷) حضرت محمود بن لبید فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ملک شام تشریف لے گئے

وہاں کے لوگوں نے شکایت کی کہ ہمارے علاقہ میں ایک وبا ہے جو فلاں چیز پینے کے بغیر نہیں جاتی آپؓ نے فرمایا کہ شہد استعمال کرو انہوں نے کہا کہ شہد سے ٹھیک نہیں ہوتی تو انہوں نے اس کو پکایا یہاں تک کہ دو تہائی جل گیا اور ایک تہائی باقی رہا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو چکھا فرمایا یہ تو طلاء کی مثل ہے پھر ان کو پینے کی اجازت دی۔ (ص ۳۵۸ مؤطا امام مالک) دیکھئے بوقت ضرورت مثلث کے پینے کی حضرت عمرؓ نے اجازت دے دی اور اس قسم کے مشروبات کا پینا حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوعبیدہؓ حضرت معاذؓ۔ حضرت براءؓ وغیرہ جلیل القدر صحابہؓ سے ثابت ہے کیا حافظ صاحب معاذ اللہ اب احناف کی ضد میں ان صحابہؓ کو بھی منکر حدیث اور شرابی کہیں گے۔ (معاذ اللہ) حافظ صاحب یاد رکھیں اس مثلث کی حرمت کے فتویٰ سے کئی صحابہؓ کا فاسق ہونا معاذ اللہ لازم آتا ہے۔

"اجرت دیکر زنا کرے تو حد نہیں" (حد اور تعزیر کا فرق)

حافظ صاحب نے یہ مسئلہ اجمالاً نقل کر دیا ہے نہ اس کو مسئلہ کی سمجھ ہے اور نہ ہی دوسرے لامذہبوں کو وہ یہ مسئلہ بیان کر کے کبھی تو کہا کرتے ہیں کہ یہ فعل احناف کے ہاں گناہ نہیں بالکل جائز ہے کبھی کہا کرتے ہیں کہ حد نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر کسی قسم کی سزا نہیں۔ حالانکہ یہ محض فریب ہے۔

اسلام میں جو کام گناہ کبیرہ ہیں ان پر شرعی سزا دی جاتی ہے۔ اس سزا کی دو قسمیں ہیں ایک حد دوسری تعزیر، حد وہ سزا ہے جو نص قطعی یا اجماع قطعی سے مقرر ہو اس میں کمی بیشی کا اختیار کسی کو نہیں یہ حدود قیاس واجتہاد سے ثابت نہیں ہوتیں اور بعض حدیں شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔

دوسری قسم کی سزا تعزیر ہے جو ہر اس گناہ پر لگائی جاتی ہے جس میں شرعی حد ثابت نہ ہو یا شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کل مرتکب معصیة لا حد فیها فیها التعزیر (درمختار ج ۳ ص ۱۸۲) ہر وہ گناہ جس میں حد نہ

ہو(لاحد) ان میں تعزیر ہے من ارتکب جریمة لیس فیه حد مقرر (ہدایہ ج ۲ ص ۵۱۶) جس شخص نے ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جس میں حد مقرر نہیں تو تعزیر لگائی جائے گی۔

تعزیر کی سزا قید سے بھی دی جا سکتی ہے کوڑوں سے بھی مثلاً ۷۹ کوڑے یا ۹۹ کوڑے اور قتل سے بھی ویکون التعزیر بالقتل (درمختار ج ۳ ص ۱۷۹) یہ تعزیر کوئی معمولی سزا نہیں بلکہ تعزیر کے کوڑے زنا کی حد کے کوڑوں سے بھی زیادہ سختی سے لگائے جاتے ہیں (درمختار ج ۳ ص ۱۸۲، ۱۸۱) معلوم ہوا کہ حد نہ ہونے کا یہ مطلب لینا کہ کوئی گناہ نہیں یا کوئی سزا نہیں ایک بہت بڑا فریب ہے۔ اگر اب بھی لامذہب ضد کریں تو ہم ان کو یہ لفظ حدیث کی کتابوں میں دکھاتے ہیں وہاں بھی یہی ترجمہ کریں عن ابن عباسؓ من اتی بھیمة فلا حد علیه. (ترمذی ج ۱ ص ۲۲۹ ابن ماجہ ص ۱۸۷)

حضرت عمرؓ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے کسی چوپائے سے بدفعلی کی تھی آپ نے اس پر حد نہیں لگائی (کتاب الآثار محمد ص ۹۲) حضرت علیؓ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے کسی چوپائے سے بدفعلی کی تھی انہوں نے حد نہیں لگائی (المبسوط للسرخسی ج ۹ ص ۱۰۲) کیا اب آپ ایک اشتہار شائع کریں گے (معاذ اللہ) حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت ابن عباسؓ۔ ترمذی اور ابن ماجہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی گدھی، گھوڑی، بلی، کتیا، گیدڑی، خنزیری، بکری، بھیڑ وغیرہ سے بدفعلی کرے تو کوئی حد نہیں بالکل جائز ہے کسی قسم کا گناہ نہیں نہ ہی کسی قسم کی سزا ہے ورنہ فقہ میں موجود لفظ ''حد نہیں'' سے عوام کو گمراہ نہ کریں۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں حدود میں قیاس کو دخل نہیں مثلاً مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور شراب چاروں حرام ہیں مگر حد صرف شراب پر ہے مردار، خون اور خنزیر کا گوشت کھانے پر حد نہیں۔ اسی طرح کسی کو زنا کی تہمت لگانا حرام ہے اس پر ۸۰ کوڑے حد ہے اور وہ مردود الشہادت بھی ہے اور فاسق بھی اور کسی مسلمان کو کافر کہنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے مگر اس پر حد شرعی مقرر نہیں (طحاوی ج ۲ ص ۹۸) اب مردار

کھانے۔خون پینے خنزیر کھانے۔کسی کو کافر کہنے پر کسی حدیث صحیح صریح غیر معارض سے حد ثابت کریں کہ کتنے کوڑے ہیں اگر ثابت نہ کرسکیں اور قیامت تک نہیں کرسکیں گے تو مردار کھانا شروع کردیں خون پینا اور خنزیر کھانا شروع کردیں۔اپنی جماعت کو کافر کہنا شروع کردیں اگر یہ پسند نہ ہو تو فقہ کی کتاب میں حد نہ ہونے کا لفظ دیکھ کر لوگوں کو مغالطے نہ دیں۔

لامذہب غیر مقلدو! بتاؤ سود کھانے والے، پیشاب پینے والے، پاخانہ کھانے والے نذر لغیر اللہ دینے اور کھانے والے پر حدیث صحیح سے کتنے کوڑے حد ثابت ہے اگر حد ثابت نہ کرسکو تو ان پر عمل کر کے دکھاؤ۔

لامذہبو! بتاؤ غیر اللہ کو پکارنے، قبروں، تعزیوں کو سجدہ کرنے والوں کسی بزرگ کے مزار کا حج وطواف کرنے والوں، عید میلاد النبی کے جلوس نکالنے والوں تیجا ساتواں چالیسواں کرنے والوں۔وغیرہ پر حدیث صحیح میں کتنے کوڑے حد ثابت ہے اگر ثابت نہ کرسکو تو ان کاموں کو کرنا شروع کردو لوگوں کو کہو کہ نہ یہ گناہ ہیں نہ ان پر کوئی سزا ہے کیونکہ ثابت نہیں۔

حافظ جی بتایئے اپنی بیوی جب حیض کی حالت میں ہو یا نفاس میں مبتلا ہو یا احرام باندھ کر حج کر رہی ہو یا اس نے رمضان کا فرض روزہ رکھا ہوا ہو یا فرض نماز ادا کر رہی ہو اس سے صحبت کرنا حلال ہے یا حرام اگر حرام ہے تو اس پر مرد پر کتنے کوڑے حد شرعی مقرر ہے۔ذرا احادیث صحیحہ سے ثابت کردیں۔یا ان سب کے جواز کا فتویٰ دیں۔

راولپنڈی کے ۲۶ فروری ۸۴ھ کے مناظرہ میں جب ان میں سے ایک ایک بات پیش کر کے مطالبہ کیا گیا کہ یا تو ان میں سے ہر ایک کام پر ایک ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کر کے حد ثابت کردیا ان کے جواز اور استعمال کا فتویٰ دو تو سب لامذہب مولویوں کا پسینہ بہہ رہا تھا ایک حدیث بھی پیش نہ کرسکے۔اپنی انتہائی ذلت کی وجہ سے عوام کے سامنے نظر بھی نہ اونچی کرتے تھے۔جھوٹ پر جھوٹ بولتے جارہے تھے مگر ان میں سے ایک بھی حدیث پیش نہ کرسکے۔

حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں

احادیث نبویہؐ اور اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ آئمہ اربعہ میں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ شوکانی صاحب غیر مقلد بھی لکھتے ہیں ویسقط بالشبهات المحملة (درر بہیہ) نواب صدیق صاحب غیر مقلد اس جملہ کی شرح میں فرماتے ہیں۔ لحدیث ابی هریرةؓ قال قال رسول اللهﷺ ادرؤا الحدود على المسلمين مااستطعتم فان كان له مخرج فخلو اسبيله فان الامام ان يخطئ في العفو خير من ان يخطئ في العقوبة.

وقد رواه الترمذی ص۲۲۴ ایضاً من حدیث الزهری عن عروة عن عائشةؓ وقد اعل بالوقف واخرج ابن ماجه ص۱۸۵ من حدیث ابی هریرةؓ مرفوعاً بلفظ ادفعوا الحدود ما وجدتم لها مدفعاً و قدروی من حدیث علیؓ مرفوعاً ادرؤا الحدود بالشبهات وروی نحوه عن عمرو ابن مسعود باسناد صحيح و في الباب من الروايات مايعضد بعضه بعضاً ومما يويد ذالک قولهﷺ لوكنت راجماً احدًا بغير بينة لرجمتها يعنى امرأة العجلانى كما فى الصحيحين من حديث ابن عباسؓ (الروضة الندیه ص۳۵۵، ۲/۲۷۰)

راولپنڈی کے مناظرہ میں ہم نے لامذہب مناظر سے پوچھا تھا موجب حد کی شرعی تعریف، اور شبہ کی شرعی تعریف قرآن کی صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث سے کرو لیکن سارے لا مذہب مولوی صم بکم بنے بیٹھے تھے وہ قرآن حدیث سے یہ تعریفیں نہ دکھا سکے پھر ہم نے کہا کہ جو تعریفیں فقہاء نے لکھی ہیں ان کا غلط ہونا صحیح صریح احادیث سے ثابت کر دو لیکن یہاں بھی وہ کوئی حدیث پیش نہ کر سکے۔ لوگ حیران تھے کہ رات دن حدیث کی گردان کرنے والے مطلوبہ احادیث میں سے ایک بھی حدیث پیش نہ کر سکے اور ان کی جہالت کا راز فاش ہو گیا۔

ایک لامذہب تبرائی غیر مقلد کے

فقہ حنفی پر چند اعتراضات کی حقیقت

تالیف

مناظر اسلام حضرت مولانا

محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱) ملکہ وکٹوریہ کے زیر سایہ جب یہ فرقہ پیدا ہوا۔ اس نے دیکھا کہ انگریز خنزیر خور قوم ہے۔ اور مسلمان خنزیر سے بہت نفرت کرتے ہیں۔ تو مسلمانوں کے خلاف انگریز کو خوش کرنے کے لئے ان کے مسلمہ علماء نے خنزیر کے پاک ہونے کا فتویٰ دیا۔

علامہ وحید الزمان

غیر مقلد نے لکھا ''انسان کے بال۔ مردار اور خنزیر پاک ہیں خنزیر کی ہڈی، پٹھے، کھر، سینگ اور تھوتھنی سب پاک ہیں (کنز الحقائق ص ۱۳) علامہ نور الحسن نے لکھا خنزیر کے نجس العین ہونے کا دعویٰ ناتمام ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۰)

علامہ صدیق حسن خان

علامہ صدیق حسن خان نے لکھا کہ خنزیر کے حرام ہونے سے اس کا ناپاک ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ماں حرام ہے مگر ناپاک نہیں۔ (بدور الاہلہ ص ۱۶)

وحید الزمان

وحید الزمان نے خنزیر کو اپنے بال جیسا پاک کہا اور دوسرے نے تو یہ عزت دی کہ ماں جیسا پاک کہا۔

مطالبہ

احناف نے مطالبہ کیا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ ہم اہل حدیث ہیں.......... اور ہمارا ہر ہر مسئلہ حدیث صحیح صریح غیر معارض سے ثابت ہے۔ اس لئے ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث ایسی ثابت کریں کہ خنزیر کی ہر چیز غیر مقلد کے بال کی طرح پاک ہے یا خنزیر غیر مقلد کی ماں کی طرح پاک ہے مگر وہ ایسی کوئی حدیث پیش نہ کر سکے۔ ادھر عوام اہل اسلام نے ملامت کی کہ ملکہ وکٹوریہ کی چاپلوسی کی حد کر دی کہ اس کی خوشی کے لئے خنزیر تک کو پاک کہہ دیا۔

اعتراض

اب لامذہب بار بار اپنے ملاؤں سے مطالبہ کرتے کہ خنزیر کے بال اور ماں جیسے پاک ہونے کی حدیث بیان کرو۔ انہوں نے لاجواب ہو کر اپنے جاہلوں کو سکھا دیا کہ حنفیوں کی کتاب منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ خنزیر کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اور اس میں نماز بھی جائز ہے۔

جواب: اصل مسئلہ:۔ مذہب حنفی کی ظاہر الروایت یہی ہے کہ خنزیر اور اس کے تمام اجزاء نجس العین ہیں (منیۃ المصلی ص ٦٦) خنزیر کے تمام اجزاء پیشاب اور پاخانے کی طرح ناپاک ہیں (منیۃ المصلی ص ٦٤) اصحاب ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ۔ امام ابویوسفؒ امام محمدؒ) سے ظاہر روایت یہی ہے کہ خنزیر نجس العین ہے اس کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔ (منیۃ المصلی ص ٦٤) یہی مذہب حنفی ہے اسی پر پوری دنیا میں احناف کا عمل ہے۔ اس اصل مسئلہ کو چھپایا یہ کتمان حق یہود کی عادت تھی پھر روافض کا مذہب بنی، اور اب لامذہب تبرائی غیر مقلدین کی بسر اوقات بھی اسی پر ہے۔

اصل عبارت

جس عبارت کا اس تبرائی غیر مقلد نے حوالہ دیا ہے۔ پوری عبارت مع شرح منیہ یہ ہے۔ وذکر فی نواد رابی الوفاقال یعقوب یعنی ابایوسف لوصلی فی جلد خنزیر مدبوغ جازوقد اساء بناء علی انہ یطھر بالدباغ عندہ فی غیر ظاھر الروایۃ وقد تقدم وقال ابو حنیفۃ ومحمد لا تجوز الصلاۃ فیہ ولا یطھر بالد باغۃ وقد مران ھذا ھو ظاھر الروایۃ عن ابی یوسف ایضاً (کبیری ص ۱۹۵ متن منیۃ المصلی ...... ص ۹۰ حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی میں بھی اس روایت کو شاذہ کہا ہے۔ (بر منیہ ص ٦٤ حاشیہ نمبر ۷)

فریب: (۱)

مذہب حنفی جو ظاہر الروایت ہے جس پر ہر جگہ عمل ہے اس کے خلاف شاذ روایت بیان کی یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ عیسائی۔ یہودی۔ رافضی متواتر قرآن پاک کے

متعلق وسوسہ ڈالنے کے لئے شاذ قراتوں سے تحریف قرآن ثابت کر کے عوام اہل اسلام کے دلوں میں وسوسے ڈالا کرتے ہیں۔

فریب (۲) قد اساء کا لفظ بیان ہی نہیں کیا۔

فریب (۳) نہ یہ بتایا کہ روایت نوادر کی ہے۔

فریب (۴) آپ کے مذہب میں تو خنزیر سارا بلا دباغت پاک ہے۔ مصلّی بنائیے مشک بنائیے۔

(۲) انگریز کے دور میں جب اس نے اسلام کے خلاف یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ اسلام کے احکام بہت سخت ہیں معاذ اللہ فطرت کے خلاف ہیں تو مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے فقہ کے اس مسئلے کو غیر مقلدین نے شہرت دی غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی کی مکمل عبارت یہ ہے۔

وفی الذخیرہ امرأۃ خرج رأس ولدھا وخافت فوت الوقت توضأت ان قدرت و الا تیممت وجعلت رأس ولدھا فی قدر او حفیرۃ وصلت قاعدۃ برکوع وسجود فان لم تستطعھما تؤمی ایماء ای تصلی بحسب طاقتھا ولا تفوت الصلوٰۃ عن وقتھا لانھا لم تصر نفساء بخروج الولد مالم تر الدم بعد خروج کلہ والدم الذی تراہ فی حالۃ الولادۃ قبل خروج الولد استحاضۃ لا تمنع الصلوٰۃ فکانت مکلفۃ بقدر وسعھا فلا یجوز لھا تفویت الصلوٰۃ عن وقتھا الا ان عجزت بالکلیۃ کما فی سائر المرضی. (ص ۲۶۴ منیۃ المصلی ص ۱۱۵، ۱۱۶ حاشیہ نمبر ۱)

ناقل نے نہ تو عبارت مکمل نقل کی اور توضأت صیغہ مؤنث توضأ صیغہ مذکر بنا دیا اور "الا" کو "لا" بنا دیا اس جہالت پر اتنا تکبر ہے حالانکہ یہ مسئلہ نہ کسی آیت قرآنی کے خلاف ہے اور نہ ہی کسی حدیث صحیح کے خلاف ہے خلاصہ یہ ہے۔

(۱) بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون عورت کو آتا ہے وہ نفاس ہے اس میں نماز معاف ہے۔

(ب) بچے کا تھوڑا حصہ نکلتے وقت جو خون عورت کو آتا ہے وہ استحاضہ ہے اس میں نماز معاف نہیں۔

(ج) بعض عورتوں کے دو دن ایسے گزر جاتے ہیں کہ نفاس نہیں آیا استحاضہ آتا رہا بچہ بھی پورا پیدا نہیں ہوا۔

(د) ان وقتوں کی نمازوں کا کیا حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ نفاس سے قبل نماز معاف نہیں ہوتی۔ اس لئے جو باقی بیماروں کا حکم ہے وہی اس عورت کا ہے اگر وضو کر سکتی ہے تو بہتر ورنہ تیمّم کرلے۔ بیٹھ کر رکوع سجدہ سے پڑھ سکتی ہے تو بہتر ورنہ اشارہ سے پڑھ لے۔ اگر اتنا بھی نہیں کر سکتی تو باقی مریضوں کی طرح وہ معذور ہے۔

اگر لامذہب اس مسئلہ کے خلاف ایک صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کردے تو ہم صراحۃً لکھ دیں گے کہ یہ مسئلہ قرآن یا حدیث کے خلاف ہے اور لامذہب قیامت تک ایسی حدیث پیش نہیں کر سکے گا۔

ہم تو صاف کہہ دیں گے کہ جب یہ مسئلہ نہ قرآن کے خلاف ہے نہ حدیث صحیح کے لیکن اس کے مقدمات اجماعاً مسلم ہیں تو اس کو ماننا ضروری ہوا۔

مسئلہ رطوبت فرج

ملکہ وکٹوریہ کے اشارہ ابرو پر جب بعض لوگ مذہب حنفی کو چھوڑ کر لامذہب بن گئے یہاں کے سب حنفی مسلمان منی کو بھی ناپاک کہتے تھے۔ لامذہبوں نے فتویٰ دیا کہ منی ہر چند پاک است (عرف الجادی ص ۱۰) منی خواہ گاڑھی ہو یا پتلی خشک ہو یا تر ہر حال میں پاک ہے (نزل الابرار ج ۱ ص ۴۹) والمنی طاہر، (کنز الحقائق ص ۱۶) بلکہ ایک قول میں کھانے کی اجازت دی (فقہ محمدیہ ج ۱ ص ۴۶) اور یہ بھی فتویٰ دیا کہ رطوبۃ الفرج طاہرۃ (کنز الحقائق ص ۱۶ نزل الابرار ج ۱ ص ۴۹) عورت کے فرج کی رطوبت بھی پاک ہے (تیسیر الباری ج ۱ ص ۲۰۷) اب عوام نے مطالبہ کیا کہ ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کرو کہ منی پاک ہے اور ایک قول میں کھانا بھی جائز ہے اور یہ حدیث بھی پیش کرو کہ عورت کی شرمگاہ کی رطوبت پاک ہے۔ اب اس لامذہب کا فرض تھا کہ

پہلے اپنے گھر کی خبر لیتا مگر افسوس کہ منی آلودہ منہ اور رطوبت فرج آلودہ جسم سے احناف کے سامنے اپنی پاکدامنی کے گیت گانے لگا۔ اور یہ بھی نہ بتایا کہ لامذہبوں کے ہاں تو رطوبت فرج بالاتفاق اور بلا تفصیل پاک ہے البتہ احناف کے ہاں اس میں تفصیل ہے۔

(۱) عورت کو پیشاب کی جگہ آگے کی کھال کے اندر پانی پہنچانا غسل میں فرض ہے اگر پانی نہ پہنچے تو غسل نہ ہوگا۔ (بہشتی زیور ج ۱ ص ۷۱) یہ جگہ فرج خارج اور فرج داخل کی درمیانی جگہ ہے جہاں غسل کے وقت پانی پہنچانا فرض ہے باقی بدن کی طرح اس جگہ بھی پسینہ وغیرہ آتا ہے اس کا حکم بدن کے بیرونی پسینے کا ہی ہے یہ پاک ہے۔ ورنہ عورت کو ہر وضو کے وقت استنجاء کا حکم ہوتا (رد المختار ج ۱ ص ۱۱۲، ۲۰۸) اس کے پاک ہونے میں اتفاق ہے۔

(۲) وہ رطوبت جو ماوراء باطن الفرج سے آئے فانہ نجس قطعاً (رد المختار ج ۱ ص ۲۰۸) یہ بالاتفاق نجس ہے لیکوریا وغیرہ۔

(۳) فرج داخل باہر سے بند ہے اور اندر سے جوف دار ہے تو حرارت عزیزی جو تمام جسم میں دائر سائر ہے۔ رطوبت بدنیہ کو بخارات بنا کر مسامات جلدیہ سے باہر نکالتی رہتی ہے اس جوف میں وہ پسینہ سا جمع ہو کر مبدل بہ رطوبت ہو جاتا ہے۔ اگر اس رطوبت میں خون یا منی یا مذی مرد یا عورت کی شامل ہو جائے بالاتفاق نجس ہے۔
(رد المختار ص ۲۳۳)

(۴) اگر اس رطوبت میں منی وغیرہ کی ملاوٹ نہ ہو تو اس کے پاک ناپاک ہونے میں اختلاف ہے امام صاحبؒ کے نزدیک پاک ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک نجس ہے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں وھو الاحتیاط یعنی احتیاط صاحبینؒ کے قول میں ہے اور تاتارخانیہ میں اس اختلاف کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھا کہ انڈا اگر پانی میں گر جائے تو اس پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس انڈے پر فرج کی رطوبت لگی ہوتی ہے اور اس کراہت کے قول کو مختار قرار دیا ہے۔ (رد المختار ج ۱ ص ۲۳۳) اب دیکھیے ان کا اپنا مذہب بالاتفاق پاک ہونے کا ہے مگر ہمارے ہاں احتیاط اس کے نجس کہنے میں ہے اور قول مختار کراہت کا ہے۔

الحاصل رطوبت جلد بھی پسینہ کی طرح بالاتفاق پاک ہے۔ رطوبت رحم بالاتفاق ناپاک ہے اور رطوبت فرج مختلف فیہ ہے احتیاط قول بالکراہت میں ہے۔

دور برطانیہ میں انگریز کو خوش کرنے کے لئے جب فرقہ غیر مقلدین کی بنیاد رکھی گئی تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے آقائے نعمت کتے سے بڑا پیار کرتے ہیں تو غیر مقلدین نے بھی کتے کی شان میں قصیدہ خوانی شروع کر دی۔ ابن حزم نے یہ لکھا تھا کہ کتا ہبہ میں دینا جائز ہے بلکہ بیوی کو حق مہر میں بھی کتا دینا جائز قرار دیا (المحلی)

نواب صدیق حسن خان نے تو پوری تفصیل سے لکھا کہ کتے کے گوشت۔ ہڈی۔ خون۔ بال۔ پسینہ میں سے کسی کی نجاست ثابت نہیں (بدور الاہلہ ص ۱۶) اور علامہ وحید الزمان نے تو کتے کے پیشاب کو بھی پاک کہہ دیا (ہدیۃ المہدی ج ۳ ص ۷۸) کتے اور خنزیر کے لعاب کو بھی پاک قرار دے دیا گیا (نزل الابرار ج ۱ ص ۴۹،۵۰) کتے کے پاخانے کو بھی راجح قول میں پاک قرار دیا گیا (نزل الابرار ج ۱ ص ۴۹) اس پر لوگوں نے یہ سوال کیا کہ اگر آپ سچے اہل حدیث ہیں تو ایک ایک صریح حدیث لائیں کہ کتے کا گوشت۔ ہڈی۔ خون۔ پسینہ۔ پاخانہ پیشاب سب کچھ پاک ہے۔ جواب خود حدیث سے پیش نہ کر سکے تو لاجواب ہو کر وسوسہ اندازی پر اتر آئے کہ حنفی مذہب میں اگر کتے کو ذبح کر لیا جائے تو اس کا گوشت اور کھال پاک ہو جاتے ہیں۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ آپ کے مذہب میں تو بلا ذبح ہی کھال اور گوشت بلکہ سب کچھ پاک ہے۔ اس کی حدیث پیش کرو اور دوسری حدیث یہ پیش کرو کہ جب بلا ذبح پاک ہے تو بعد ذبح کیوں ناپاک ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ چیزیں دو قسم کی ہیں ایک نجس العین جیسے پاخانہ۔ پیشاب خنزیر وغیرہ یہ نہ دھونے سے پاک ہوتے ہیں نہ دباغت سے نہ ذبح سے دوسری وہ ہیں جو خود نجس العین نہیں لیکن کسی نجس العین کے لگنے سے ناپاک ہوں جیسے کپڑے پر پاخانہ لگ جائے تو یہ دھونے سے پاک ہو جائے گا اب حرام جانور کے گوشت کی مثال تو پہلی نجاست کی ہے اس لئے اگرچہ اس میں اختلاف

ہے مگر اصح قول ناپاکی کا ہے چنانچہ علامہ حلبی فرماتے ہیں وفي طهارة لحمه بها (غنية المستملي ص ۱۴۵) اور کھال کی مثال دوسری قسم کی نجاست کی ہے۔ یہ خود حالت حیات میں پاک تھی ناپاک کپڑے کی طرح اس میں نجس رطوبات سرایت کر گئیں تو جب دباغت سے وہ نجس رطوبات زائل ہوگئیں تو کھال صاف ہوگئی ایما اهاب دبغ فقد طهر (الحدیث) اور جو چیز دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ زکوۃ سے بھی پاک ہو جاتی ہے الا ماذکیتم اسی لئے شارح منیہ فرماتے ہیں فالحاصل ان في طهارة جلد مالا يوكل بالذكوة اختلافاً والاصح الطهارة (غنية المستملي ص ۱۴۵) اگر ان مسائل کے خلاف کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کریں تو ہم ضد نہیں کریں گے مگر یہ ان کے بس کی بات نہیں۔

اُجرت دیکر زنا کرنے پر حد نہیں

دور برطانیہ میں جب لامذہب غیر مقلدین کا فرقہ پیدا ہوا تو اس فرقہ نے شہوت پرست امراء کو اپنے فرقہ میں شامل کرنے کے لئے اپنی عورتوں کو متعہ کے نام سے زنا کی کھلی چھٹی دے دی چنانچہ ان کے سب سے بڑے مصنف علامہ وحید الزمان جس نے قرآن اور صحاح ستہ کا ترجمہ کیا ہے نے صاف لکھ دیا کہ "متعہ کی اباحت قرآن پاک کی قطعی آیت سے ثابت ہے (نزل الابرار ج ۲ ص ۳) جب قرآن پاک سے متعہ کا قطعی لائسنس مل گیا تو اب نہ گناہ رہا نہ کوئی سزا۔ حد یا تعزیر کا تو کیا ذکر انہوں نے صاف لکھا کہ "متعہ پر عمل کر کے سو شہید کا ثواب نہ لیتی۔ اہل مکہ کے متبرک عمل میں شرکت نہ کرتی جب کہ حد یا تعزیر تو کجا کسی کے انکار کا بھی خطرہ نہ تھا۔ اس سے ملک بھر کے شرفاء چیخ اٹھے کہ یہ کونسا فرقہ ہے جس نے گھر گھر یہ کام شروع کر لیا ہے تو اب یہ بہت پریشان ہوئے انہوں نے سوچا کہ اپنا کام جاری رکھو لیکن بدنام حنفیوں کو کر دو تا کہ وہ ہمیں روک نہ سکیں۔ چنانچہ انہوں نے شور مچا دیا کہ تمہارے مذہب میں بھی تو اجرت دے کر زنا کرنے پر حد نہیں۔ اس ایک حوالے میں کئی بے ایمانیاں کیں۔

(۱) حد نہ ہونے کا مطلب یہ بتایا کہ جائز ہے کوئی گناہ یا سزا نہیں۔

(۲) ہم نے مطالبہ کیا کہ صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض ایک ہی حدیث پیش کر و جس میں یہ ہو کہ اجرت دے کر زنا پر حد ہے مگر وہ بالکل پیش نہ کر سکے۔

(۳) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ ان عورتوں سے جتنا نفع تم نے اٹھایا ہے ان کی اجرت ان کو دے دو یہاں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مہر کو اجرت قرار دیا۔ مہر اور اجرت آپس میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں اس لئے اس آیت سے لفظ اجرت میں مہر کا شبہ پیدا ہو گیا۔ اور حدیث کے موافق شبہ سے حد ساقط ہو گئی اس کو قرآن و حدیث پر عمل کہتے ہیں تم نے نہ قرآن کو مانا اور نہ حدیث کو۔ عالمگیری میں صراحت ہے کی شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہوتی ہے۔ (عالمگیری ج ۲ ص ۱۴۹)

(۴) لیکن حد ساقط ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو بدکاری کی چھٹی دی جائے گی اور اس پر کوئی سزا نہ دی جائے گی بلکہ ویوجعان عقوبۃ ویحبسان حتی یتوبا (عالمگیری ج ۲ ص ۱۴۹) ان کو ایسی دکھ کی مار دی جائے گی کہ دوسروں کو عبرت ہو اور اس مار کے بعد ان کو قید کر دیا جائے گا جب تک ان کی توبہ کا یقین نہ ہو۔ کیا کسی لا مذہب میں یہ جرأت ہے کہ وہ اپنی کسی معتبر کتاب میں متعہ کی یہ سزا دکھائے۔ آپ کے ہاں تو انکار بھی جائز نہیں بلکہ عمل بالقرآن ہے۔

اور پھر اس لا مذہب نے یہ بھی نہ بتایا کہ یہ مسئلہ فقہ کا متفق علیہ نہیں بلکہ خود امام صاحبؒ سے ایک قول حد کے واجب ہونے کا ہے والحق وجوب الحد کا المستاجرة للخدمة فتح درمختار (ج ۳ ص ۱۵۷، ۱۷۲) ای کما هو قولهما (رد المختار ج ۳ ص ۱۵۷، ۱۷۲) امام صاحبؒ بھی ایک قول میں صاحبین کی طرح فرماتے ہیں حق یہی ہے کہ حد واجب ہے۔ الحاصل ہمارے مذہب میں یہ فعل زنا ہی ہے اور گناہ کبیرہ ہے اختلاف صرف اس میں ہے کہ زنا موجب حد ہے یا شبہ کی وجہ سے موجب تعزیر امام صاحبؒ سے دونوں اقوال موجود ہیں جب کہ لا مذہبوں کے

ہاں نہ زنا نہ گناہ۔ نہ حد۔ نہ تعزیر نہ انکار بلکہ قرآن پر عمل ہے۔

وطی محارم بعد نکاح پر حد نہیں

دور برطانیہ میں جب یہ فرقہ پیدا ہوا تو شہوت پرستی میں انتہا کو پہنچ گیا چنانچہ انہوں نے فتویٰ دیا کہ بہتر عورت وہ ہے جس کی فرج تنگ ہو اور جو شہوت کے مارے دانت رگڑ رہی ہو اور جو جماع کراتے وقت کروٹ سے لیٹتی ہو (لغات الحدیث وحید الزمان غیر مقلد پ ۶ ص ۵۶) اور اگرچہ قرآن کی نص موجود تھی ایک مرد ایک وقت میں چار سے زائد عورتیں نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ مگر نواب صدیق حسن اور نور الحسن نے فتویٰ دیا کہ چار کی کوئی حد نہیں جتنی عورتیں چاہے نکاح میں رکھ سکتا ہے (ظفر الامانی ص ۱۴۱ عرف الجادی ص ۱۱۱) اور شہوت میں یہاں تک بڑھے کہ اگر کسی عورت سے زید نے زنا کیا اور اسی زنا سے لڑکی پیدا ہوئی تو زید خود اپنی اس بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے (عرف الجادی ص ۱۰۹) اور نکاح اور زنا میں یہی فرق تھا کہ زنا کے گواہ نہیں ہوتے نکاح میں گواہ شرط ہیں۔ میر نور الحسن صاحب نے اس حدیث کو بھی ضعیف کہا اور کہا کہ یہ نا قابل استدلال ہے (عرف الجادی ص ۱۰۷) اور شہوت میں ایسے اندھے ہو گئے کہ فطری مقام کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا غیر فطری مقام استعمال کرے تو بھی (حد یا تعزیر کجا) اس پر انکار تک جائز نہیں۔ (ہدیۃ المہدی ج ۱ ص ۱۱۸) بلکہ یہاں تک فتویٰ دیا کہ دبر آدمی میں صحبت کرنے والے پر غسل بھی واجب نہیں۔ کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں (ہدیۃ المہدی ج ۱ ص ۲۸) بلکہ ایک اور نسخہ بھی بتا دیا کہ اگر کوئی شخص اپنا آلہ تناسل اپنی دبر میں داخل کرے تو غسل واجب نہیں ہے (نزل الابرار ج ۱ ص ۴۱) بلکہ نظر بازی سے بچنے کا یہ وہابی نسخہ بھی بتا دیا کہ مشت زنی کر لو اور نظر بازی کے اس گناہ سے بچنا ممکن نہ ہو تو مشت زنی واجب ہے اور بتایا کہ (معاذ اللہ) صحابہ بھی مشت زنی کیا کرتے تھے۔ (عرف الجادی ص ۲۰۷) اس قسم کے اور بھی کئی فتوے جب دیئے گئے تو اہل السنت والجماعت نے مطالبہ کیا کہ اپنے اصول کے مطابق ان میں سے ہر مسئلے کی دلیل میں کوئی صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث بیان

کریں اور لوگوں نے کہا کہ یہ کیسا فرقہ پیدا ہوا ہے جس سے بیٹی تک محفوظ نہیں اور یہ نہ اپنی بیوی کی دبر کو معاف کریں نہ اپنی دبر کو۔ تو یہ فرقہ کبھی اپنے مسائل کو قرآن و حدیث سے ثابت نہیں کرسکتا۔ اس لئے بجائے قرآن حدیث پیش کرنے کے دوسروں پر کیچڑ اچھالتا ہے۔ چنانچہ علماء سے تو یہ منہ چھپانے لگے کہ وہ قرآن و حدیث کا مطالبہ کرتے تھے۔ اپنے لونڈوں کے ذریعہ عوام میں یہ بات پھیلادی کہ حنفی مذہب میں بھی بیٹی اور دیگر محرمات سے نکاح جائز ہے۔ اس کے جواب میں احناف نے بتایا کہ

(۱) یہ محض جھوٹ ہے ہماری فقہ کی کتابوں میں صراحت ہے کہ ماں بہن بیٹی وغیرہ محرمات ابدیہ ہیں ہرگز نکاح جائز نہیں۔ (ہدایہ وغیرہ)

(۲) ان سے نکاح کرنا تو کجا اگر کوئی شخص صرف یہ کہے کہ ماں بیٹی سے نکاح جائز ہے وہ کافر ہے مرتد ہے واجب القتل ہے۔ (فتح القدیر ج۵ ص۴۲)

(۳) اور مطالبہ کیا گیا کہ تم بھی بتاؤ کہ جب نورالحسن نے بیٹی سے نکاح جائز لکھا تو کس کتاب میں اس کو کافر مرتد واجب القتل کہا گیا۔

(۴) پھر اس مطالبے میں لاجواب ہو کر کہنے لگے کہ ماں بہن سے نکاح کرنا تو جائز نہیں ہاں فقہ میں لکھا ہے کہ نکاح کر کے صحبت کرلے تو اس پر کوئی شرعی سزا نہیں ہے اس کے جواب میں احناف نے کہا کہ یہ بھی محض بہتان ہے فقہ میں تو صاف لکھا ہے یوجع عقوبة اسے عبرتناک سزا دی جائے (عالمگیری ج ۲ ص ۱۴۸) یوجب اعقوبة فیعزر ہدایہ ج۲ ص۵۱۶) سزا واجب ہے اور وہ تعزیر ہے اور یہ سزائے تعزیر بھی قتل تک ہے ویکون التعزیر بالقتل کمن وجد رجلاً مع امرأة لاتحل له (درمختار ج۳ ص۱۷۹) یہ تعزیر قتل تک بھی ہوتی ہے۔ جیسے کوئی مرد ایسی عورت کے ساتھ پایا گیا جو اس کے لئے حلال نہیں تھا اس لئے یہ جھوٹ ہے کہ فقہ میں اس کی سزا نہیں ہے۔

(۵) پھر کہنے لگے ہاں فقہ کے اعتبار سے نکاح تو جائز نہیں۔ سزا بھی ہے مگر فقہ نے اس کو گناہ نہیں کہا (بلکہ یہ زنا سے بڑا گناہ ہے طحاوی ج ۲ ص ۹۶)۔ اب ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ اگر یہ گناہ نہیں تو یہ سزائے قتل کس نیکی کی ہے اور فقہ میں

صاف صاف تصریح ہے انه ارتکب جریمة (ہدایہ ج ۱ ص ۵۱۶) یعنی اس نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اتنے جھوٹ بولنے کے بعد آخر کہا کہ فقہ میں لکھا ہے کہ "حد نہیں"

(۶) احناف نے کہا کہ حضور فرماتے ہیں کہ البینة علی المدعی دلیل مدعی کے ذمہ ہوتی ہے آپ حد کے مدعی ہیں ہم حد کا انکار کرتے ہیں آپ کا فرض ہے کہ ایک ہی حدیث صحیح صریح غیر معارض ایسی پیش فرمائیں جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ جو شخص محرمات ابدیہ سے نکاح کر کے صحبت کرلے اگر وہ کنوارہ ہو تو سو کوڑے مارے جائیں اگر شادی شدہ ہو تو سنگسار کیا جائے۔ ہم بغیر کسی ضد کے مان لیں گے کہ فقہ کا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے لیکن وہ کوئی ایسی حدیث پیش نہیں کر سکے نہ کر سکیں گے۔

(۷) آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کسی نے ماں سے نکاح کیا آپ نے اس کو قتل کر کے اس کا مال لوٹ لینے کا حکم دیا (رواہ الخمسہ) ہاں ترمذی ابن ماجہ میں اخذ مال کا ذکر نہیں (منتقی الاخبار) ظاہر ہے کہ یہ زنا کی حد نہیں نہ کوڑے نہ سنگسار اس فعل کی تعزیر ہے۔

(۸) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو محرمات میں سے کسی سے صحبت کرے اس کو قتل کر دو (ابن ماجہ) اب یہ بھی پمفلٹ شائع کرو کہ حضور ﷺ نے حد کیوں نہ بتائی نہ لگائی تعزیر کیوں بتائی اور لگوائی۔ افسوس عامل بالحدیث ہونے کا دعویٰ اور احادیث کا انکار۔

(۹) لامذہب غیر مقلدین کے پاس سوائے قیاس کے اس مسئلہ میں کچھ نہیں وہ کہتے ہیں کہ جب یہ نکاح باطل ہے تو کالعدم ہے اس پر وہ کوئی حدیث پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نکاح باطل بھی شبہ بن جاتا ہے اگرچہ قیاس تو نہیں مانتا لیکن حدیث میں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو عورت بغیر ولی کے نکاح کرے وہ نکاح باطل ہے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۷۶) اور ابن ماجہ ص ۱۳۶ پر تو اسے زانیہ فرمایا۔ لیکن پھر بھی حد تو کیا لگتی اس کو مہر دلایا جا رہا ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کے

---

۱ ویعاقب عقوبة هی اشد مایکون من التعزیر سیاسة لا حداً (فتح القدیر ج ۵ ص ۴۰)

پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے ایک عورت سے اس کی عدت میں نکاح کیا تھا حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری نہ فرمائی بلکہ تعزیر لگوائی (ابن ابی شیبہ) ظاہر ہے کہ یہ نکاح شرعی نہ تھا اور حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کی موجودگی میں حد ساقط کر دی اور تعزیر لگائی تو نص حدیث اور اجماع صحابہؓ سے ثابت ہوا کہ نکاح حرام بھی شبہ بن جاتا ہے اور نصِ حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے حافظ صاحب اس کو حدیث پر عمل کرنا کہتے ہیں اور یہ ہے احادیث کا فہم آپ کا عمل بالحدیث کا دعویٰ ایسا ہی باطل ہے جیسے منکرین حدیث کا عمل بالقرآن کا دعویٰ باطل ہے۔

(۱۰) حافظ صاحب اس اعتراض کے جواب میں مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی نے مستقل رسالہ لکھا ہے **القول الجازم فی سقوط الحد من نکاح المحارم** جس کے جواب سے آج تک تمہاری جماعت عاجز ہے اور تمہارے بڑے بڑے علماء نذیر حسین دہلوی صدیق حسن بھوپالی۔ وحید الزمان۔ شمس الحق عظیم آبادی۔ عبدالرحمٰن مبارکپوری۔ ثناء اللہ امرتسری عبداللہ روپڑی اس قرض کو سر پر لے کر فوت ہو گئے ہیں۔

(۱۱) حافظ صاحب آپ کے مذہب کے موافق ایک لامذہب لڑکے نے اپنی بہن سے نکاح کیا اور صحبت کی آپ کوڑے لگا کر چھوڑ دیں گے۔ وہ پھر دوسری بہنوں سے پھر ماں سے پھر پھوپھی سے پھر خالہ سے باری باری نکاح کرتا رہے گا اور کوڑے کھاتا رہے گا اس کے برعکس حنفی قاضی اسے پہلی مرتبہ قتل کروا دے گا تعزیراً تا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری، تو بتائیں سزا ہماری سخت ہوئی یا آپ کی۔ معاشرہ ہماری سزا سے گندگی سے بچے گا یا آپ کی سزا سے دیکھا فقہ پر اعتراض کرنے کے لئے کتنے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں کتنی خیانتیں کرنی پڑتی ہیں کتنی حدیثوں کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا
عورت کی شرمگاہ پر نظر پڑنا

دور برطانیہ میں جب یہ لامذہب فرقہ پیدا ہوا تو شہوت رانی میں اتنا آگے بڑھا کہ نماز میں بھی ستر عورت کی شرط کا انکار کر دیا۔ چنانچہ فتویٰ دیا ہر کہ در نماز عورتش

نمایاں شد نمازش صحیح باشد (عرف الجادی ص ۲۲) یعنی پوری نماز میں جس کی شرمگاہ سب کے سامنے نمایاں رہی اس کی نماز صحیح ہوتی ہے۔ اما آنکه نماز زن اگرچه تنها باشد یا بازناں یا باشوهر یا بادیگر محارم باشد بے ستر تمام عورت صحیح نیست پس غیر مسلم ست (بدور الاہلہ نواب صدیق حسن ص ۳۹) یعنی عورت تنہا بالکل ننگی نماز پڑھ سکتی ہے۔ عورت دوسری عورتوں کے ساتھ سب ننگی نماز پڑھیں تو نماز صحیح ہے میاں بیوی دونوں اکٹھے مادر زاد ننگے نماز پڑھیں تو نماز صحیح ہے۔ عورت اپنے باپ بیٹے۔ بھائی۔ چچا ماموں سب کے ساتھ مادر زاد ننگی نماز پڑھیں تو نماز صحیح ہے۔ عورت اپنے باپ بیٹے بھائی چچا ماموں سب کے ساتھ مادر زاد ننگی نماز پڑھے تو نماز صحیح ہے۔

یہ نہ سمجھیں کہ یہ مجبوری کے مسائل ہوں گے علامہ وحید الزمان وضاحت فرماتے ہیں ولو صلی عریاناً ومعه ثوب صحت صلوته (نزل الابرار ج اص ۶۵) یعنی کپڑے پاس ہوتے ہوئے بھی ننگے نماز پڑھیں تو نماز صحیح ہے۔

آخر ابوجہل اور مشرکین مکہ بھی تو کپڑوں کے باوجود کپڑے اتار کر ننگے طواف کیا کرتے تھے۔ نماز میں شرمگاہ کا ڈھانکنا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شرط ہے جن کی تقلید حرام ہے ابوجہل کے نزدیک تو شرط نہیں اس کی تقلید کر لی گئی فقہ حنفی میں تو یہاں تک احتیاط تھی کہ نماز باجماعت میں عورت مرد کے ساتھ کھڑی ہو جائے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن لامذہب اتنا عرصہ عورت سے دور نہیں رہ سکتے تھے اس کو فقہ کا مسئلہ کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا اور نزل الابرار میں صراحۃً لکھ دیا کہ مرد و عورت جماعت میں ساتھ ساتھ نماز پڑھ لیں۔ نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اب ظاہر ہے کہ عورت مرد کے ٹخنے سے ٹخنہ۔ کندھے سے کندھا اور ٹانگوں کو خوب چوڑا کر کے کھڑی ہوگی۔ حنفی مذہب میں عورت کو سمٹ کر سجدہ کرنے کا حکم تھا تاکہ اس کے ستر کا احترام رہے لامذہبوں نے عورتوں کو حکم دیا کہ بالکل مردوں کی طرح خوب اونچی ہو کر سجدہ کریں۔ بازو پیٹ اور پسلیوں سے اتنے دور ہوں کہ درمیان سے بکری کا بچہ گزر سکے۔ ہندو گنگا کا غسل بھی کرتے تھے دیوی کا درشن بھی۔ لامذہب اس درشن میں کن کن امور پر توجہ دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ بہتر

عورت وہ ہے جس کی فرج تنگ ہو جو شہوت کے مارے دانت رگڑ رہی ہو اور جو جماع کراتے وقت کروٹ سے لیٹتی ہو (لغات الحدیث وحید الزمان لفظ الحارقہ) عورت کو خوبصورتی قائم رکھنے کا نسخہ بھی بتایا گیا کہ عورت کو زیر ناف بال استرے سے صاف کرنے چاہئیں اکھاڑنے سے محل ڈھیلا ہو جاتا ہے (فتاویٰ نذیریہ) اب ایسی حالت کہ مرد عورت ننگے نمازیں پڑھ رہے ہوں عورت سجدہ بھی کھل کر کر رہی ہو عورت کی شرمگاہ پر نظر پڑنا لازمی تھا ہو سکتا تھا کہ کوئی ذرا جھجک محسوس کرتا اس لئے اسے بتا دیا گیا کہ بچنیں دلیلے برکراہت نظر در باطن فرج نیامدہ (بدور الاہلہ ص ۱۷۵) عورت کی شرمگاہ کے اندر جھانکنا بالکل مکروہ بھی نہیں اور چوتڑوں پر نظر ہر وقت رہے گی اس لئے فتویٰ دیا کہ، در جواز استمتاع وغیرہ از فخذین وظاہر الیتین ونحو آں خود ہیچ شک وشبہ نہ باشد و سنت صحیحہ بداں وارد گشتہ (بدور الاہلہ ص ۱۷۵) یعنی چوتڑوں اور رانوں سے فائدہ اٹھانا بے شک وشبہ جائز ہے بلکہ سنت صحیحہ سے ثابت ہے۔ اب کون غیر مقلد مرد ہوگا جو اس صحیح سنت پر عمل نہ کرے خاص طور پر جبکہ یہ سنت مردہ بھی ہو چکی ہو اور اس کو زندہ کرنے میں سو شہید کا ثواب بھی ملے تو ہم خرما وہم ثواب پر عمل کیسے چھوڑا جائے۔ اب اس ڈرامے میں اگر مرد کو انتشار ہو جائے تو وہ عضو مخصوص کو ہاتھوں سے زور سے دبائے ہوئے نماز پڑھتا رہے۔ (نزل الابرار) ایسے وقت میں تو رفع یدین بھول جائے گی۔ کیونکہ بڑے اہم کام میں مشغول ہیں۔ ایسے وقت میں عورت کی شرمگاہ سے رطوبت خارج ہو تو بھی مضائقہ نہیں کیونکہ عورت کی شرم گاہ کی رطوبت پاک ہے (کنز الحقائق ص ۱۶ نزل الابرار ج ۱ ص ۴۹ تیسیر الباری ج ۱ ص ۲۰۷) اور اگر منی بھی بہہ جائے تو کیا خوف وہ بھی تو پاک ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۰ نزل الابرار ج ۱ ص ۴۹ کنز الحقائق ص ۱۶ بدور الاہلہ ص ۱۵ تیسیر الباری ج ۱ ص ۲۰۷)

اور یہ سب کچھ قرآن اور حدیث کے نام پر ہو رہا تھا۔ اور رات دن تقریر و تحریر کے ذریعہ یہی اعلانات کئے جاتے تھے ہمارا ہر ہر مسئلہ قرآن و حدیث کا مسئلہ ہے تو احناف نے پوچھ لیا کہ ذرا ان مسائل پر آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ پیش فرمائیں تو ان کے عمل بالحدیث کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ گیا بجائے احادیث تحریر

کرنے کے لگے فقہاء احناف کو گالیاں بکنے آج بھی آپ اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں ہم ان سے ثبوت مانگتے ہیں کہ اپنی نماز کا ہر ہر جزئی مسئلہ احادیث صحیحہ سے ثابت کرو تو اس کی بجائے فقہاء کو گالیاں بکنا شروع کر دیتے ہیں اب جس فرقے کی شہوت رانی کا یہ عالم ہو کہ قرآن کیا یاد کر سکتے ہیں یا یاد کیا ہوا قرآن انہیں کب یاد رہ سکتا ہے تو انہوں نے نمازوں میں قرآن ہاتھ میں لے کر قرأت پڑھنا شروع کر دی۔ اس پر جب حدیث مرفوع کا مطالبہ کیا گیا کیونکہ کسی امتی کا قول و فعل ان کے لئے دلیل نہیں بن سکتا تو جواب میں حدیث پیش کرنے کی بجائے عوام میں یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ حنفیوں کے نزدیک قرآن دیکھ کر نماز میں پڑھنا جائز نہیں اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے مگر نماز میں عورت کی شرم گاہ کو دیکھتے رہنا جائز ہے اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ ساری فقہ قرآن حدیث کے خلاف ہے۔

نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا

ہمارے ہاں نماز میں قراۃ یعنی قرآن پڑھنا تو فرض ہے اگر مقدار فرض قرأت بھی نہ پڑھی تو نماز باطل ہے ہاں قرآن ہاتھ میں لے کر پڑھنے میں اس کا اٹھانا۔ اس کے اوراق کو الٹ پلٹ کرنا۔ مستقل اسی پر نظر جمائے رکھنا ایسے افعال ہیں جو نماز سے تعلق نہیں رکھتے اور نہ ہی آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں پھر قرآن سے تعلیم حاصل کرنا یہ بھی تعلیم و تعلم ہوا قرأت تو نہ ہوئی یہ سب باتیں عمل کثیر ہیں اور ایسا عمل کثیر جو افعال نماز سے تعلق نہ رکھتا ہو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے (ہدایہ عالمگیری) تاہم ہمیں کوئی ضد نہیں اگر آپ کسی صحیح صریح غیر معارض حدیث سے ثابت کر دیں کہ قرآن اٹھانے۔ ورق الٹنے۔ اس سے تعلیم حاصل کرنے سے عمل کثیر نہیں بنتا اور نماز فاسد نہیں ہوتی تو ہم تسلیم کر لیں گے کہ ہمارا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے لیکن حدیث کا نام لے کر لوگوں کو گمراہ کرنے والے آج تک ایک حدیث بھی پیش نہیں کر سکے اور نہ ہی قیامت تک کر سکیں گے انشاء اللہ العزیز۔

امام ترمذیؒ نے حضرت رفاع بن رافعؓ اور ابوداؤد ونسائی نے حضرت عبداللہ

بن ابی اوفیؓ سے حدیث روایت کی ہے ایک شخص کو اتنا قرآن بھی یاد نہ تھا جتنا نماز میں فرض ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم قرآن کی بجائے حمد وثنا پڑھ لیا کرو"۔ ظاہر ہے کہ قرأت نماز میں فرض ہے۔ اس شخص کو اتنا قرآن زبانی یاد نہ تھا اگر دیکھ کر پڑھنے سے نماز جائز ہوتی تو آپ اس سے پوچھتے کہ دیکھ کر پڑھ سکتے ہو یا نہیں اور دیکھ کر اتنا پڑھ لینا حفظ سے آسان ہے آپ نے اس کو دیکھ کر پڑھنے کی اجازت نہیں دی جس سے معلوم ہوا کہ دیکھ کر پڑھنا جائز نہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں نھانا امیر المؤمنین عمرؓ ان نؤم الناس فی المصحف رواہ ابن ابی داؤد (کنز العمال ج ۴ ص ۲۴۶) حضرت عمرؓ نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم امام بن کر قرآن پاک دیکھ کر نمازیں پڑھیں تو احناف کا یہ مسئلہ حدیث رسول فرمان خلیفہ راشد اور قیاس شرعی سے ثابت ہے کہ یہ عمل کثیر ہے اور عمل کثیر مفسد نماز ہے اور لامذہبوں کا مسئلہ حدیث کے خلاف ہے۔

نماز میں عورت کو دیکھنا

فقہ حنفی میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے۔

(۱) احادیث میں ایک اختلاف یہ ہے (۱) عورت نمازی کے سامنے آئے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۹۷)

(۲) حائضہ عورت سامنے آئے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

(۳) عورت آگے لیٹی بھی ہو تو نماز نہیں ٹوٹتی۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۶ مسلم ج ۱ ص ۱۹۷)

(۴) حائضہ عورت بھی سامنے لیٹی ہو تو نماز نہیں ٹوٹتی۔

(بخاری ج ۱ ص ۴۷ مسلم ج ۱ ص ۱۹۸)

یہ چاروں حدیثیں صحیح ہیں اور آپس میں متعارض ہیں۔ علمائے احناف ان میں یہ تطبیق بیان کرتے ہیں کہ نماز تو نہیں ٹوٹتی البتہ نماز کا خشوع باطل ہو جاتا ہے۔

(شروح حدیث)

جب احناف کے نزدیک عورت کپڑے پہن کر بھی سامنے سے گزر جائے تو نماز کا خشوع باطل ہو جاتا ہے تو پھر احناف پر یہ بہتان باندھنا کہ ان کے نزدیک نماز

میں عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے کب جائز ہوسکتا ہے بلکہ احناف کے نزدیک تو عورت کپڑے پہنے ہوئے بھی مرد کے دائیں بائیں جماعت میں شریک ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اخبرنا ابوحنیفہ عن حماد عن ابرھیم قال اذاصلت المرأة الیٰ جانب الرجل وکانا فی صلوٰة واحدة فسدت صلوٰة قال به نأخذوھو قول ابی حنیفة. (کتاب الآثار امام محمد ص ۲۷)

بلکہ حنفی فقہ میں تو یہ صراحت ہے ولو صلی الیٰ وجه انسان یکرہ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۸)

یعنی نماز میں کسی انسان مرد یا عورت کے چہرے کی طرف توجہ رکھنا بھی مکروہ ہے تو شرمگاہ کی طرف دیکھنا کیسے جائز ہوگا۔

ہاں ایک بات ہے اچانک نظر پڑ جانا جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں آتا ہے کہ عمرو بن سلمہ جب نماز پڑھاتے تھے تو ان کے چوتڑ ننگے ہوتے تھے۔ عورتوں کی نماز میں نظر امام صاحب کے چوتڑ پر پڑتی تھی انہوں نے نماز کے بعد کہا کہ امام صاحب کے چوتڑ تو ہم سے چھپا لو۔ اب یہ حدیث میں کہیں نہیں آتا کہ ان عورتوں کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ نہ ہی محدثین اور شراح حدیث نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے کہ نماز میں شرمگاہ پر نظر پڑنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ تو وہ پیش فرمائیں ہم ہرگز ضد نہیں کریں گے۔ ہم تسلیم کریں گے کہ واقعی یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے لیکن نہ ہی وہ راولپنڈی کے مناظرہ میں ایسی حدیث پیش کر سکے نہ ہی قیامت تک پیش کر سکیں گے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زوجہ طاہرہ استراحت میں ہوتی تھیں آپ جب سجدے میں جاتے تو ان کے پاؤں چھو دیتے وہ پاؤں سمیٹ لیتیں ظاہر ہے کہ جب ہاتھ لگنے سے نماز نہیں ٹوٹتی تو نظر پڑنا تو اس سے بھی تھوڑا عمل ہے یاد رکھیں نماز کا نہ ٹوٹنا اور بات ہے دیکھئے آنحضرت فرماتے ہیں مسلمان کی نماز کتے۔ گدھے۔ عورت اور دوسرے جانوروں کی وجہ سے نہیں ٹوٹتی (طحاوی) اب کتے کے سامنے سے گزرنے سے نماز نہ ٹوٹنا اور بات ہے اس سے یہ مسئلہ نکالنا کہ نمازی از خود کتے کو آگے باندھکر بٹھائے نماز پڑھے تو جائز ہے یہ اور بات ہے۔ نمازی کے سامنے

سے عورت کا گزر جانا اور اس سے نماز نہ ٹوٹنا اور از خود عورت کو سامنے بٹھانا اور لٹا لینا اور نماز میں اس کو دیکھتے رہنا یہ اور بات۔ بہر حال نماز نہ ٹوٹنے سے اس فعل کا اختیار وارادہ سے جائز سمجھنا بالکل غلط ہے اب دیکھئے قرآن پاک دیکھ کر پڑھنے کی حضورؐ نے اجازت نہیں دی مگر نماز پڑھتے ہوئے بیوی کے پاؤں کو چھو دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

نجاست سے قرآن پاک لکھنا (معاذ اللہ)

دور برطانیہ سے پہلے اس ملک کے سب اہل السنت والجماعت حنفی تھے دور برطانیہ میں ملکہ وکٹوریہ نے مذہبی آزادی کا ایک اشتہار دیا۔ کچھ لوگ تقلید شخصی کو چھوڑ کر لامذہب بن گئے اب انہوں نے اپنے امتیاز اور اہل اسلام میں انتشار پیدا کرنے کے لیے نئے مسائل پھیلانے شروع کئے مثلاً بارہ سو سال سے یہاں کے مسلمان قرآن کا اتنا احترام کرتے تھے کہ بے وضو قرآن پاک کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے (کتب فقہ) اس فرقے نے اعلان کیا کہ بے وضو بھی قرآن کو ہاتھ لگانا جائز ہے (فتاویٰ ثنائیہ) یہاں کے لوگ بارہ سو سال سے اس پر اتفاق رکھتے تھے کہ ناپاک مرد عورت کو اس ناپاک حالت میں تلاوت قرآن کی اجازت نہیں ہے اس فرقہ نے اجازت دے دی۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۱۹) بارہ سو سال تک اس ملک میں اس مسئلے پر اتفاق تھا کہ حائضہ عورت ان ناپاکی کے دنوں میں قرآن پاک کی تلاوت نہیں کر سکتی مگر لامذہبوں نے فتویٰ دے دیا کہ حیض والی عورت بھی قرآن پاک کی تلاوت کر سکتی ہے (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۳۵) بارہ سو سال تک اس ملک میں اتفاق تھا کہ قرآن پاک کی طرف پاؤں پھیلانا بھی درست نہیں لیکن لامذہبوں نے یہ فتویٰ دے دیا کہ اگر کھانے کی چیز بلندی پر ہو تو قرآن پاک کو پاؤں تلے رکھ کے چیز اتار کر کھا لینا جائز ہے (تحریق اوراق) بارہ سو سال سے اس ملک میں اتفاق تھا کہ خون ناپاک ہے لیکن لامذہبوں نے فتویٰ دے دیا کہ ”حیض کے خون کے سوا سب خون پاک ہیں (کنز الحقائق ص ۱۶ نزل الابرار ج ۱ ص ۴۹ عرف الجادی ص ۱۰ بدور الاہلہ ص ۱۸ تیسیر الباری ج ۱ ص ۲۰۶) بارہ سو سال تک یہاں اس ملک میں فتویٰ اسی پر تھا کہ حلال جانوروں کا پیشاب نجس ہے اس کا

پینا ہرگز جائز نہیں (درمختار ج ۱ ص ۱۴۰) لیکن دور برطانیہ میں لامذہبوں نے فتویٰ دے دیا کہ "حلال جانوروں کا پیشاب پاخانہ پاک ہے۔ جس کپڑے میں لگا ہو اس میں نماز پڑھنی درست ہے..... نیز بطور ادویات استعمال کرنا درست ہے (فتاویٰ ستاریہ ج ۱ ص ۵۶ ج ۱ ص ۸۹) بارہ سو سال تک اس ملک میں یہی فتویٰ تھا کہ منی ناپاک ہے مگر لا مذہب فرقہ نے فتویٰ دے دیا کہ منی پاک ہے۔ عرف الجادی ص ۱۰ نزل الابرار ج ۱ ص ۴۹ کنز الحقائق ص ۱۶ بدور الاہلہ ص ۱۵ تیسیر الباری ج ۱ ص ۲۰۷) جب اس قسم کے فتوے ملک میں شائع ہوئے اور دعویٰ عمل بالحدیث سے شائع ہوئے تو علمائے احناف نے ان سے ان مسائل کی احادیث صحیحہ صریحہ غیر متعارضہ کا سوال کیا تو ان کی ساری شیخی کرکری ہوگئی۔ انہوں نے کہا اہل حدیث کہلانے کے لئے علم حدیث کی ضرورت نہیں (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۱۴۴) جب ہم اہل حدیث علم حدیث سے کورے ہیں تو ہم سے بار بار حدیث کا مطالبہ کیوں کیا جاتا ہے۔ ہم تو صرف فقہاء کو گالیاں دے کر اہل حدیث بنتے ہیں جیسے مرزا قادیانی انبیاء علیہم السلام کو گالیاں دینے کے لئے نبی بنا بیٹھا تھا۔ اب لاجواب ہو کر مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے یہ شوشہ چھوڑا کہ ہم فقہ کو کیوں مانیں اس میں لکھا ہے کہ خون اور پیشاب سے قرآن لکھنا جائز ہے (معاذ اللہ) گویا سب مسائل کی یہی دلیل تھی کہ ہم بے وضو قرآن کو ہاتھ لگاتے ہیں دلیل یہ کہ فقہ میں لکھا ہے پیشاب سے قرآن لکھنا جائز ہے۔ آخر علماء نے پوچھا کہ آپ کے مذہب میں تو خون پاک ہے۔ منی پاک ہے تو کیا ان سے قرآن لکھنا جائز ہے یا نہیں کیا کسی حدیث میں آتا ہے کہ پاک چیز سے قرآن لکھنا حرام ہے آپ کے مذہب میں حلال جانوروں کا پیشاب اور دودھ پیتے بچوں کا پیشاب پاک ہے اور پاک چیز سے قرآن لکھنا نہ قرآن سے منع ہے نہ حدیث سے۔

کیا نجاست چاٹنا جائز ہے؟

(۱) دور برطانیہ سے پہلے بھی یہاں مسلمان آباد تھے مگر کافر غیر کتابی (ہندو سکھ مجوسی۔ چمار۔ چوڑا وغیرہ) کے ذبیحہ کو نجس اور مردار قرار دیتے تھے دور برطانیہ میں جب

یہ لامذہب فرقہ پیدا ہوا تو انہوں نے اس نجاست اور مردار کو کھانا شروع کر دیا۔ اور فتویٰ دے دیا کہ یہ حلال ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۰ وص ۲۳۹ ودلیل الطالب ص ۴۱۳)

(۲) اسی طرح بارہ سو سال تک اس ملک میں اتفاق رہا کہ اگر ذبح کرتے وقت جان بوجھ کر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو وہ جانور مردار اور نجس ہے مگر اس نجاست خور فرقہ نے اس کے بھی جواز کا فتویٰ دے دیا۔ (عرف الجادی)

(۳) بندوق سے جو جانور مر جائے وہ مردار اور نجس ہے مگر اس لامذہب فرقے نے یہ نجاست بھی کھانا شروع کر دی اور اس کو حلال کہہ دیا۔

(بدور الاہلہ ص ۳۳۵ فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ص ۱۵۰ وج ۲ص ۱۳۲)

(۴) بجو کو اس ملک کے مسلمان حرام اور نجس سمجھتے تھے مگر اس لامذہب فرقہ نے فتویٰ دیا "بجو حلال ہے جو شخص بجو کا کھانا حلال نہ جانے وہ منافق ہے بے دین ہے اس کی امامت ہرگز جائز نہیں یہ قول صحیح اور موافق حدیث رسول اللہ ﷺ ہے۔

(فتاویٰ ستاریہ ج ۲ص ۲۱ نمبر ۲۷)

(۵) بارہ سو سال سے اس ملک کے مسلمان منی کو ناپاک اور نجس قرار دیتے تھے۔ اس فرقہ نے اس کو پاک قرار دیا اور ایک قول میں اس کا کھانا بھی جائز قرار دیا (فقہ محمدیہ ج ۱ص ۴۶) البتہ یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ منی کا کسٹرڈ بناتے ہیں یا قلفیاں جماتے ہیں۔

(۶) بارہ سو سال تک یہاں کے مسلمان حلال جانوروں کے پیشاب کو پینا جائز نہیں سمجھتے تھے اور اس کو نجس قرار دیتے تھے لیکن لامذہبوں نے اس نجاست کے پینے کو جائز قرار دیا "لکھا کہ حلال جانوروں کا پیشاب و پاخانہ پاک ہے جس کپڑے پر لگا ہو اس میں نماز پڑھنی درست ہے۔ نیز بطور ادویات کے استعمال کرنا درست ہے۔

(فتاویٰ ستاریہ ج ۱ص ۵۶، ج ۱ص ۸۹)

(۷) بارہ سو سال سے اس ملک میں یہ مسئلہ تھا کہ تھوڑے پانی یا دودھ وغیرہ میں تھوڑی سی نجاست پڑ جائے تو وہ نجس ہو جاتا ہے "پاک پانی میں نجاست پڑ جاوے اس سے وضو غسل وغیرہ کچھ درست نہیں، چاہے وہ نجاست تھوڑی ہو یا بہت (بہشتی زیور ج ۱ ص ۵۷، ہدایہ ج ۱، ص ۱۸) لیکن دور برطانیہ میں اس فرقے نے یہ فتویٰ دیا

کہ اگر پانی وغیرہ میں نجاست پڑ جائے تو جب تک نجاست سے اس کا رنگ بو مزہ نہ بدلے وہ پاک ہے۔ (عرف الجادی بدور الاہلہ)

مثلاً ایک بالٹی دودھ میں ایک چمچہ پیشاب ڈال دیا جائے تو نہ اس کا رنگ پیشاب جیسا ہوتا ہے نہ بو نہ مزہ ہمارے مذہب میں وہ پھر بھی ناپاک ہے اس کا پینا حرام بلکہ کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو نماز ناجائز اس فرقے کے نزدیک وہ دودھ پاک۔ حلال طیب ہے یہ اس نجس کو پینا جائز سمجھتے ہیں۔

(۸) بارہ سو سال تک اس ملک کے مسلمان الخمر (شراب) کو پیشاب کی طرح سمجھتے تھے اس فرقے نے فتویٰ دیا کہ الخمر طاہر (کنز الحقائق۔ شراب پاک ہے بلکہ بتایا کہ اگر شراب میں آٹا گوندھ کر روٹی پکالی جائے تو کھانا جائز ہے (نزل الابرار ج ۱ ص ۵۰) اور وجہ یہ بتائی کہ اگر پیشاب میں آٹا گوندھ کر روٹی پکالی جائے تو پیشاب بھی تو جل جائے گا۔

الغرض اس قسم کے اور کئی مسائل بھی تھے جن سے ملک میں نجاست خوری کی بنیاد ڈال دی۔ جب احناف نے ثبوت مانگا کہ اپنے اصول پر قرآن پاک کی صریح آیات یا احادیث صحیحہ صریحہ غیر معارضہ سے ان مسائل کا ثبوت پیش کرو تو بجائے احادیث پیش کرنے کے لگے فقہا کو گالیاں دینے اور فقہ کے خلاف شور مچانا شروع کر دیا کہ ان کے ہاں نجاست چاٹنا جائز ہے حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے نجاست عین کا چاٹنا تو کجا جس پانی وغیرہ میں نجاست تھوڑی سی پڑ جائے کہ نجاست کا رنگ نہ بو نہ مزہ کچھ بھی ظاہر نہ ہو پھر بھی اس پانی کا پینا حرام ہے اس میں احناف کا کوئی اختلاف نہیں بلکہ بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ ایسے ناپاک پانی کا استعمال جس کے تینوں وصف یعنی مزہ اور بو اور رنگ نجاست کی وجہ سے بدل گئے ہوں۔ کسی طرح درست نہیں نہ جانوروں کو پلانا درست ہے نہ مٹی وغیرہ میں ڈال کر گارا بنانا جائز ہے (بہشتی گوہر ج ۱ ص ۵ بحوالہ درمختار ج ۱ ص ۲۰۷) تو جب نجس پانی جانور کو پلانا ہمارے مذہب میں جائز نہیں تو انسان کو چاٹنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔

چنانچہ بہشتی زیور میں صاف لکھا ہے کہ نجاست چاٹنا منع ہے (بہشتی زیور ج ۲ ص ۵) دراصل اختلاف بعض چیزوں کے پاک ناپاک ہونے میں ہے ان مسائل

کی تفصیل یہ لوگ بیان نہیں کرتے اور غلط نتائج نکال لیتے ہیں۔

(۱) مثلاً بعض جاہل عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ کپڑا سی رہی تھیں انگلی میں سوئی لگ گئی اور تھوڑا سا خون نکل آیا۔ وہ بجائے اس پر پانی ڈالنے کے اس کو دو تین مرتبہ چاٹ کر تھوک دیتی ہیں اب اس کا مسئلہ بتانا ہے تو فقہ یہ کہتی ہے کہ اس نے جو چاٹا یہ گناہ ہے۔ اور پہلی دفعہ چاٹنے سے منہ بھی ناپاک ہو گیا مگر بار بار تھوکنے سے جب خون کا کوئی نشان باقی نہ رہا تو انگلی اور منہ پاک سمجھے جائیں گے اس مسئلے کے خلاف اگر وہ صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کر دیں تو البتہ ہم ان کی علمی قابلیت مان لیں گے یعنی فقہ کہتی ہے کہ چاٹنا منع ہے وہ حدیث سنائیں کہ چاٹنا جائز ہے فقہ کہتی ہے کہ خون کا نشان نہ رہے تو جگہ پاک ہے وہ حدیث دکھائیں کہ خون کا نشان مٹ جانے کے بعد بھی جگہ ناپاک ہے لیکن ان کا اپنا مسئلہ تو یہ ہے کہ خون پاک ہے انگلی کو لگا انگلی بھی پاک رہی منہ کو لگا منہ بھی پاک رہا۔ یعنی غیر مقلد عورت اس خون کو پاک سمجھ کر چاٹے گی حنفی ناپاک سمجھ کر......

(۲) ایک اہل السنت والجماعت اور ایک غیر مقلد دونوں گنا چوستے جا رہے تھے دونوں کے منہ سے خون نکل آیا۔ حنفی گنا چھوڑ کر تھوکنے لگا پانی وغیرہ پاس نہ تھا۔ غیر مقلد نے پوچھا کیا بات اس نے کہا بھئی خون نکل آیا جس کی وجہ سے منہ ناپاک ہو گیا ہے اس نے کہا ہمارے مذہب میں تو خون پاک ہے تھوکا دونوں نے مگر حنفی ناپاک سمجھ کر تھوکتا رہا غیر مقلد پاک سمجھ کر جب نشان مٹ گیا تو حنفی نے گنا چوسنا شروع کر دیا کیونکہ چاٹنے اور تھوکنے سے منہ پاک ہو گیا تھا غیر مقلد سے کہا یہ مسئلہ غلط ہے تو اس کے خلاف حدیث سنا دو۔

(۳) ایک حنفی اور غیر مقلد سفر میں تھے دونوں کے پاس ایک ایک چھوٹی بالٹی پانی کی تھی۔ آگے ایک شرابی ملا جس کے ہونٹوں کو شراب لگی ہوئی تھی یہ شراب حنفی کے نزدیک پیشاب کی طرح نجس تھی اور غیر مقلد کے نزدیک پاک تھی۔ اب اختلاف یہ ہوا کہ وہ اگر مٹکے کو منہ لگا کر پانی پئے تو باقی پانی نجس ہے اور غیر مقلد کے نزدیک باقی بچا ہوا پانی پاک ہے اب وہ شرابی اگر شراب ہونٹوں سے چاٹ چاٹ کر تھوکنا شروع کر دے تو حنفی مذہب میں یہ چاٹنا گناہ ہے اور غیر مقلد کے ہاں چاٹنا گناہ نہیں کیونکہ وہ پاک چیز چاٹ رہا

ہے ہاں اگر چاٹنے سے شراب کا اثر بالکل زائل ہو جائے تو حنفی کے نزدیک اب اس کا منہ پاک ہو گیا ہے اور غیر مقلد کے نزدیک تو پہلے شراب آلودہ بھی پاک ہی تھا۔

(۴) ایک بلی نے چوہے کا شکار کیا اور اس کے منہ کو خون لگا ہوا ہے اب غیر مقلدوں کے مذہب میں چونکہ خون پاک ہے اس لئے اس کا خون آلودہ منہ بھی پاک ہے اس بلی نے غیر مقلد کے مٹکے میں منہ ڈال دیا تو اس کے نزدیک وہ پانی پاک ہے مگر حنفی فقہ کی رو سے وہ پانی ناپاک ہے اب وہ بلی بیٹھی اپنا منہ چاٹ چاٹ کر صاف کرتی رہی جب خون کا اثر بالکل ختم ہو گیا تو اب اس کا جھوٹا نجس نہیں مکروہ ہوگا کیونکہ اس نے چاٹ کر اپنا منہ صاف کر لیا ہے۔

(۵) ایک حنفی اور غیر مقلد سفر میں تھے اتفاق سے حنفی کو احتلام ہو گیا اور پانی کہیں ملتا نہیں۔ حنفی نے کہا کہ یہ جو منی لگی ہوئی ہے یہ ناپاک ہے غیر مقلد نے کہا کہ یہ پاک ہے بلکہ ایک قول میں کھانا بھی جائز ہے۔ حنفی نے کہا کہ پھر اگر تم چاٹ کر صاف کر لو تو تمہارا ناشتہ ہو جائے گا اور جب اس کا اثر ختم ہو جائے گا تو میرا جسم پاک ہو جائے گا۔

بہر حال حنفی فقہ میں نجاست کا چاٹنا ہرگز نہیں ہاں بعض چیزیں ہمارے مذہب میں نجس ہیں جیسے شراب خون، قئے لیکن غیر مقلدوں کے ہاں پاک ہیں اس لئے ہمارے فقہاء نے یہ فرق بتایا کہ جب منہ آلودہ ہو تو نجس ہے اور اگر پانی نہیں ملا اور قئے والے نے دو تین مرتبہ ہونٹ چاٹ کر تھوک دیا۔ یا شراب والے نے دو تین مرتبہ چاٹ کر تھوک دیا۔ یا جس کے دانتوں سے خون نکلا تھا اس نے چاٹ کر تھوک دیا تو چاٹنا تو منع تھا اس کا گناہ الگ رہا البتہ خون قئے۔ شراب کا اثر ختم ہونے سے منہ کی پاکی کا حکم ہوگا اس کے برعکس غیر مقلد کے ہاں جب خون قئے یا شراب منہ کو لگی ہوئی تھی اس وقت بھی منہ پاک تھا۔ جب چاٹا تو بھی پاک چیزوں کو چاٹا۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کو غلط انداز میں بیان کر کے کہا جاتا ہے کہ ان کے ہاں نجاست چاٹنا جائز ہے۔ جو بالکل جھوٹ ہے۔ فقہ حنفی قرآن و سنت کی شرح ہے۔ یہی اس خطہ میں بارہ سو سال نافذ رہی اب بھی اسی سے امن و سکون ہو سکتا ہے۔